یہ تیرے پُراسرار بندے

مؤلفہ

طالب ہاشمی

شعاعِ ادب ۔ لاہور

۱۹۸۱ء

ناشر	محمد حلیم
بار اوّل	ایک ہزار
قیمت غیر مجلد	
قیمت مجلد	پانچ روپے
مطبوعہ	اشرف پریس لاہور
فون نمبر	۴۶۳۸۱

فہرس

تہدیہ

ان مقدس ہستیوں کے نام جنہوں
نے شہادتِ حق کی پاداش میں

★ طوق و سلاسل کو خندہ پیشانی سے گوارا کیا
★ دار و رسن کی آزمائش کو ہنس کر دعوت دی
★ تلواروں کی دھاروں پر رقصِ بسمل کیا
★ وطنِ عزیز اور مال و اولاد کو خوشدلی سے خیرباد کہا

غرض کوئی مصیبت نہ تھی جو انہوں نے
اللہ کی راہ میں نہ اٹھائی۔

اور پھر اُن شاہین نوجوانوں کے نام جنہوں نے
نہ صرف پاکستان بلکہ روئے زمین پر اسلام کو غالب
کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

الٰہی

ان کو سوزِ صدیقؓ۔ دلِ مرتضیٰؓ۔ روحِ بلالؓ اور فقرِ
بوذرؓ و سلمانؓ عطا کر اور اپنے اسلاف کے نقشِ قدم
پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ
اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

دنیا والوں کے نام خدا کا آخری پیغام وادیٔ غیر ذی ذرع کے سالارِ انبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے ریگ زارِ عرب میں سنایا گیا۔ مبارک تھیں وہ ہستیاں جنہوں نے اس ہادیٔ برحق کی آواز پر لبیک کہا۔ خود ساختہ معبودوں کی غلامی سے نکل کر ایک حقیقی خدا کی غلامی اختیار کی اور تمام نفسانی خواہشات کو ٹھکرا کر اور ہر قسم کے فسق و شرک کا جُوا اتار پھینکنے کے بعد صرف حکومتِ الٰہی قائم کرنے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ قبولِ اسلام سے پہلے جو لوگ پرلے درجے کے پسماندہ وحشی اور جاہل تھے اور جن کے شرک کا یہ عالم تھا کہ راستے میں چار پتھر مل جاتے تو تین سے استنجا کر لیتے اور ایک کو معبود بنا

لیلتے[1]۔ انہوں نے ایک ایسی قلیل مدت میں دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں کے تخت الٹ دیئے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ ان کی کامیابی کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ انہوں نے رب اکبر کی حکومت کو قائم کرنے اور اسی میں زندہ رہنے کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا۔ ان کی زندگی اور موت صرف خدا تعالےٰ کے لئے تھی۔ سفر اور حضر، خلوت اور جلوت، جنگل اور پہاڑ، صحرا اور دریا، جنگ اور امن غرضیکہ کوئی موقع اور وقت الیسا نہ تھا جس میں انہوں نے نہایت استقامت، دیانت، خلوص اور پاکبازی کے ساتھ خدا کی رسی کو مضبوطی سے نہ پکڑے رکھا ہو۔ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی بجا آوری میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو رد کر دیا اور خداوند حقیقی کے اس انعام کو پا لیا جس کا اس نے اپنے پیغام میں وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مسلمان قوم سینکڑوں انقلابات سے دوچار ہوئی اس کے عروج و زوال کی داستانیں اپنے اندر عبرت و موعظت کا ایک عظیم سامان پنہاں رکھتی ہیں۔ ہندوستان پر تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے بڑے شکوہ سے حکومت کی۔ ہسپانیہ میں ساڑھے سات سو برس تک مسلمانوں کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر رہا۔ صقلیہ (سسلی Sicily) پر تین صدیوں تک پرچم اسلام لہراتا رہا۔ خلافت روم (Turkish Empire)

---

[1] مسند دارمی میں لکھا ہے کان الرجل فی الجاهلية اذا سافر حمل معه اربعة ثلاثة لقدرہا والرابع يعبده یعنی عرب کی جاہلیت کا یہ حال تھا کہ کہیں مسافرت میں چار پتھر راستہ سے اٹھا لئے، تین پتھروں سے استنجا کر لیا اور چوتھے کو معبود بنا لیا۔

صدیوں تک ایک عظیم الشان طاقت بنی رہی۔ دنیا کے تاریک ترین اور دور دراز گوشوں کو بھی مسلمانوں نے اپنے علم اور تہذیب سے منور رکھا لیکن چشمِ فلک نے کچھ اور نظارے بھی دیکھے۔ وہ خطہ ہائے زمین جن پر اولوالعزمانِ اسلام نے صدیوں تک اپنے فضل و کمال اور جاہ و جلال کا علم بلند رکھا اور محض قوتِ ایمانی کے بل پر بڑی مہیب طاغوتی طاقتوں کو نیچا دکھایا۔ وہ بالآخر انہی کے فرزندوں کے لئے تنگ ہو گئے۔ ہندوستان کے مسلمان آگ اور خون کے ایک ایسے ہولناک طوفان سے گزرے جسے دیکھ کر بڑے بڑے سنگدل خون کے آنسو رو دیئے اور انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ سپین اور سسلی سے مسلمانوں کو اس طرح نکالا گیا یا ختم کیا گیا۔ کہ آج تک وہاں کے چپّہ چپّہ پر رفیع الشان محلّات، پُرشکوہ مساجد اور دوسری بے مثل عمارات مسلمانوں کی عظمت و شوکت پر نوحہ خواں ہیں اور مسلمانوں کی صورت تک کو ترس رہی ہیں۔ خلافتِ روم بے شمار چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی اور سلطنتِ یہود مسلمانانِ عالم کے سینے میں خنجر کی طرح پیوست ہو گئی۔ زمانۂ حاضر میں ہندوستان اور فلسطین کے مسلمانوں پر جو قیامت گزری وہ نوعیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی ہولناک اور زہرہ گداز ہو لیکن تاریخ میں عدیم المثال نہیں ہے۔ اس سے پیشتر کئی موقعوں پر مسلمان بہیمیت، درندگی اور سفاکی کے ہولناک طوفانوں سے گزر چکے ہیں۔ صلیبی جنگوں (Crusades) میں یورپ کے مہذب مسیحی سپاہیوں نے مسلمانوں پر وہ ظلم توڑے کہ آج عیسائی مؤرخ بھی شرم کے مارے سر جھکا لیتے ہیں۔ خواتین کی عصمت دری۔ حاملہ عورتوں

کے پیٹ چاک کرنا، بچوں کو نیزوں پر اچھالنا، ضعیفوں اور اپاہجوں کو بیدردی سے قتل کرنا، تندرست مسلمانوں کو بلند میناروں سے گرا کر آگ میں جلا کر اور دوسری اذیتیں دے دے کر مارنا عام باتیں تھیں۔ صلیب کے جھنڈے تلے ان لوگوں نے ایسے ایسے گناہوں کا ارتکاب کیا کہ ارض و سما کانپ اٹھے۔ ملز (Mills) اور وان سبل (von sybel) عیسائی مورخین اعتراف کرتے ہیں کہ عیسائی افواج کے کیمپوں میں مسلمانوں کا گوشت دن دہاڑے بکتا تھا۔ عروس البلاد بغداد کو جب تاتاریوں نے تاخت و تاراج کیا تو سولہ لاکھ مسلمان اس بیدردی سے ذبح کر ڈالے کہ آج قلم کو ان کے حالات قلمبند کرنے کا یارا نہیں ہے۔ سعدی شیرازاس سانحۂ جانگداز پر بے اختیار پکار اٹھے

ع آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ اس کا جواب بڑا طویل اور جگر خراش ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمان اپنا کردار کھو بیٹھے۔ موت ان کی نظر میں ہلاکت بن گئی۔ جہاد فی سبیل اللہ اور فقر و عشق ان کے لئے قصۂ پارینہ بن گئے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ برِ کوچک ہند کے مسلمانوں کی غفلت اور بے حسی بھی اس انتہا کو پہنچ چکی تھی کہ اللہ تعالےٰ اگر بروقت ایک رجلِ عظیم کو خبردار نہ کر دیتا تو آج یقیناً ان کی حالت اسپین اور سسلی کے مسلمانوں سے مختلف نہ ہوتی۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں مسلمان آگ اور خون کے دریاؤں سے گزرے لیکن اللہ تعالےٰ نے انہیں ایک رفیع الشان نعمت سے بھی نوازا۔ یعنی افقِ عالم پر ایک ایسی مملکت کا ظہور ہوا جو محض دینِ حق کی سربلندی کی خاطر قائم ہوئی۔ احیائے اسلام کے لئے پاکستان دنیا

بھر کے مسلمانوں کی آخری امید گاہ ہے گذشتہ اور موجودہ دور میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا۔ وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ پاکستان کا بچہ بچہ ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر دینِ حق کی سربلندی کے لئے کفن بر دوش ہو جائے۔ پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کی صحیح تفسیر بن جائے اور نہ صرف پاکستان بلکہ روئے زمین پر اسلام کو غالب کرنے کا عزم لے کر اٹھے۔ صحابہ کرامؓ، تابعین و صوفیائے عظام اور صلحائے امت کے حالات پڑھنے اور ان کا چرچا کرنے سے دلوں کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کتاب کی تالیف کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے حالات پڑھنے والوں پر روشن ہو جائے کہ شانِ استقامت و عزیمت کیا ہے۔ شیوۂ تسلیم و رضا کیا ہے اور مقامِ فقر و عشق کیا ہے۔ اس میں ہماری تاریخ کے روشن پہلو کی صرف چند جھلکیاں ہیں۔ ورنہ ہماری تاریخ ایسے ہزارہا واقعات سے بھرپور ہے جنہیں پڑھ کر روح تازہ ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس ناچیز محنت کو قبول فرمائے اور اسے میرا وسیلۂ نجات بنائے۔ فرطِ ذوق و شوق میں اگر ادب و احترام کی حدود کہیں نظر انداز ہو گئی ہوں تو اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ مجھے معاف فرمائے اور قارئین سے التجا ہے کہ میری بے احتیاطیوں اور کوتاہیوں سے مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؀

المذنب راجیِ شفاعت و غفران
طالب ہاشمی

لاہور
۱۰ نومبر ۱۹۶۲ء

ماخذ کتاب

اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے ذیل کی کتابیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ ریاض الصالحین (ریاحین العابدین)، ابوزکریا یحییٰ بن شرف حزامی
۴۔ اسد الغابہ ابن اثیر
۵۔ تاریخ الکامل ابن اثیر
۶۔ البدایہ والنہایہ ابنِ اثیر
۷۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام
۸۔ فتوح الشام واقدی
۹۔ طبقات ابن سعد
۱۰۔ تاریخ الامم والملوک طبری
۱۱۔ تاریخ ابوالفداء
۱۲۔ کتاب الاصابہ ابن حجر عسقلانیؒ
۱۳۔ تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ
۱۴۔ نفحات الانس جامیؒ

۱۵- سیرۃ النبیؐ	شبلی نعمانیؒ
۱۶- رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
۱۷- تاریخ اسلام	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔
۱۸- سیرت کبریٰ	رفیق دلاوری
۱۹- مہاجرین	شاہ معین الدین احمد ندوی
۲۰- تابعین	" " " " " "
۲۱- سیر انصار	سعید انصاری
۲۲- سیر الصحابہ جلد ہفتم	شاہ معین الدین احمد
۲۳- شامی جہاد	خواجہ حسن نظامی دہلوی
۲۴ مشاہیر اسلام	نواب علی خاں
۲۵- سوانح مولوی روم	شبلی نعمانی
۲۶- مناقب الاصفیا	مخدوم شاہ شعیبؒ
۲۷- صد صحابہؓ	شاہ مراد مارہروی
۲۸ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ	حافظ محمد عبدالقادر
۲۹ تذکرۃ الابرار	سید شبیر حسن چشتی

۳۰- تذکرہ ابوالقاہر ابوالنجیب سہروردیؒ سید حسن میاں

بلا کشانِ اسلام کا رجز

ثقلین کو لے کر بڑھتے ہیں ایمان کو لے کر بڑھتے ہیں
ہم دار و رسن کے دلدادے قرآن کو لے کر بڑھتے ہیں

اے وقت گزرتے ہیں تیرے دامن کو لہو سے سینچ کے ہم
اے موت سلامی دیتے ہیں تجھ کو بھی سنانیں کھینچ کے ہم

ترجیح اجل کو دیتے ہیں بے سوزِ محبت جینے پر
ہم زہر کے جرعے پی جاتے ہیں آتے ہیں جو کبھی سینے پر

مقتل کی طرف اب جاتے ہیں اے موت ترے لب چوم کے ہم
اے جامِ شہادت پیتے ہیں ساقی کی ادا پہ جھوم کے ہم

ہم شمعِ یقیں کے پروانے شعلوں سے محبت کرتے ہیں
اے زیست ہماری راہ سے ہٹ ہم موت کی عزت کرتے ہیں

قرآن کی عظمت یاد رکھو قرآن اصولِ ہستی ہے
کچھ اہلِ یقیں ہی سمجھے ہیں یہ بابِ قبولِ ہستی ہے

(ساقی جاوید)

مردِ حق

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو — مردِ حق از حق بگیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر — ہر زماں او را چو حق شانے دگر
در نگاہش قصرِ سلطاں کہنہ دیر — غیرتِ او بر نتابد حکمِ غیر
نوعِ انساں را بشیر و ہم نذیر — ہم سپاہ و ہم سپہگر ہم امیر
پختہ سازد فطرتِ ہر خام را — از حرم بیروں کند اصنام را
بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات — او شریکِ اہتمامِ کائنات

مردِ حق افسونِ ایں دیرِ کہن
از دو حرفِ ربی الاعلےٰ شکن

(اقبالؒ)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۱)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے کئی سال بعد مدینہ کی ایک مسجد میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ضعیف العمری کے دنوں میں ایک نوجوان کو دیکھا اور دیکھ کر بے خود ہو گئے۔ ان کے دل میں یادِ رسول شدت سے تڑپ اٹھی۔ بے اختیار تعظیم و عقیدت کے ساتھ اس نوجوان کو گلے لگا لیا۔ قلب و جگر میں عشقِ رسول کے شعلے بھڑک رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ رہا تھا۔ رقت انگیز لہجہ میں فرماتے جاتے تھے "اگر رسول اللہ تجھے دیکھتے تو اپنے باپ اور دادا کی طرح تو بھی ان کا محبوب ہوتا۔"

(۲)

یہ نوجوان زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن اسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں دیکھ کر

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کے دادا زید بن حارثہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یاد آگئی۔ اور پھر زید بن حارثہؓ کی اپنے آقا سے والہانہ شیفتگی یاد آگئی۔ ان یادوں نے انہیں بے قرار کر دیا۔ کون زید بن حارثہؓ؟ وہ جو سرورِ کونینؐ کے محب بھی تھے اور محبوب بھی۔ جن کی زندگی کے بے شمار لیل و نہار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرے تھے۔ جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا۔ میں زید کا وارث ہوں اور وہ میرا وارث ہے۔" جو فرزندِ رسول (ابن محمدؐ) کے نام سے مشہور تھے۔ یہ حکایت ہے انہی زید بن حارثہؓ کی۔ کہ جن کی اولاد کو دیکھ کر بڑے بڑے رفیع المرتبت صحابہؓ اپنا آپ بھول جاتے تھے۔ انہیں رسول اللہ کا وہ زمانہ یاد آجاتا تھا جب زیدؓ نے اپنا سب کچھ عشقِ حبیب میں فنا کر دیا تھا۔

(۳)

یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ کے رئیس حارثہ بن شرحبیل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے خوب نوازا تھا۔ قبیلہ طے کی ایک نیک سیرت خاتون سعدیٰ بنت ثعلبہ ان کی رفیقۂ حیات تھیں۔ اولاد بھی اللہ تعالیٰ نے دے رکھی تھی اور مال و دولت کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ چھوٹا سا کنبہ ہنسی خوشی زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ یکایک ہوا کا رخ بدل گیا۔

۱؎ بعض تاریخوں میں ان کا نام شرحبیل لکھا ہے

سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے خورد سال فرزند کو ساتھ لے کر ایک قافلے کے ہمراہ اپنے والدین کے گھر جا رہی تھیں کہ راستے میں چند رہزنوں نے قافلے پر چھاپہ مارا۔ دوسرے مال و اسباب کے علاوہ سعدیٰ کے لختِ جگر کو بھی ان سے چھین لیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ تصور کرو کہ اس حادثہ جانگداز سے اس ماں کی کیا حالت ہوئی ہو گی جس کے سامنے اس کا نورِ نظر یوں چھین جائے۔ سعدیٰ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ اور ان کی فریاد سے زمین و آسمان کا کلیجا پھٹا جاتا تھا۔[1] جب حارثہ کو اپنے فرزند دلبند کے یوں گم ہو جانے کی خبر ملی تو بد نصیب باپ و فورِ رنج و الم سے دیوانہ ہو گیا۔ قریہ بہ قریہ اور کوچہ بہ کوچہ زید زید پکارتا پھرتا تھا۔ صحرا، جنگل پہاڑ سب چھان مارے لیکن زید کا کھوج نہ ملنا تھا نہ ملا۔ فراقِ پسر کا دیوانہ باپ چرند، پرند، شجر و حجر ہر ایک سے التجا کرتا تھا کہ للہ میرے فرزند کا کچھ تو پتہ دو۔ لو کے جان سوز تھپیڑوں اور نسیم سحری کے روح پرور جھونکوں سے بھی اس کی یہی التجا تھی کہ خدا کے لئے کہیں سے میرے نورِ نظر کا پتہ لا دو۔ اس غم نصیب کے جگر خراش نالے پتھروں کا کلیجا شق کرتے

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت زیدؓ کے اغوا کے وقت ان کی والدہ سعدیٰ وفات پا چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے دو فرزندوں زیدؓ اور جبلہ اور بیٹی اسماء کو تربیت کیلئے ننھیال بھیجا ہوا تھا۔ جب سعدیٰ فوت ہو گئیں تو حارثہ اسماء اور جبلہ کو اپنے پاس لے گئے لیکن زید نانا کے پاس ہی رہے۔ کچھ مدت کے بعد قبیلہ بنو فزارہ نے قبیلہ طے پر چھاپہ مارا اور بہت سے دوسرے مال و اسباب کے زید کو بھی اغوا کر کے لے گئے۔

تھے۔ آتشِ فراق نے اسے بھسم کر ڈالا تھا۔ بیٹے کے فراق میں اس کے کہے ہوئے نوحے زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے۔ وہ جب اپنے یوسفِ گم گشتہ کے لئے یہ نوحہ پڑھتا تھا تو دشمن بھی رو دیتے تھے۔

"میں زید کے لئے رویا پیٹا لیکن معلوم نہیں وہ کہاں گیا۔
نہ معلوم وہ زندہ ہے کہ امید کا دیا روشن رکھوں یا اس نے جامِ اجل پی لیا۔
بخدا میں پوچھتا پھرتا ہوں پھر بھی نہیں جانتا۔
کہ تو نرم زمین کی پہنائیوں میں روپوش ہو گیا یا تجھے پہاڑ نگل گیا۔
کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری واپسی کبھی ممکن ہے۔
تیری واپسی سے میری دنیا آباد ہو جائے گی۔
طلوعِ شمس مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور
غروبِ آفتاب پھر اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔
بادِ بہاری کی لپٹیں اس کے فراق کی آگ کو بھڑکا دیتی ہیں۔
آہ میں کتنے سخت رنج و الم میں مبتلا ہوں
اے فرزند! تیری تلاش میں دنیا کا کونہ کونہ چھان ماروں گا۔
اس جستجو سے عمر بھر نہ تھکوں گا۔ یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے یا
مجھ پر موت وارد ہو جائے۔ ہر انسان فانی ہے اگرچہ سراب امید نے
اسے دھوکا دے رکھا ہو"
بے شمار لیل و نہار یونہی گزر گئے۔

(۴)

دوسری طرف حارثہ بن شراحیل کے یوسفِ گم گشتہ کے لئے قدرت نے وہ مراتب مقدر کر رکھے تھے کہ جن کے لئے قدسی بھی ترستے تھے۔

زیدؓ کو رہزنوں نے والدہ کی شفیق گود سے جدا کر کے عکاظ کے بازار میں فروخت کر دیا۔ وہاں ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی کی نذر کر دیا اور اس ذریعے سے اس بلند اقبال غلام کو ایک ایسی مقدس ہستی کی بارگاہ میں غلامی کی سعادت نصیب ہوئی جو نویدِ مسیحا اور دعائے خلیل تھی جسے رحمۃ للعالمین اور خیر البشر کہا گیا۔ ایسے غلام کی خوش قسمتی کا اندازہ آپ کر سکتے ہیں۔

—— زیدؓ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے کئی سال گذر گئے۔ زیدؓ کی نیک سیرت اور بے پناہ خلوص نے رسول اللہ کے دل مبارک میں گھر کر لیا۔ حضورؐ ان پر بے حد شفقت فرمانے لگے اور زیدؓ کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں۔ وہ تو اس ذاتِ پاک کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر بیٹھے۔ انہیں جمالِ حبیبؐ کی زیارت کئے بغیر ایک لمحہ چین نہ پڑتا تھا۔

(۵)

خدا کا کرنا ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے لئے مکہ آئے۔ بنی قضاعہ اور ان لوگوں کی قرابت داری تھی۔ ایک دن وہ حارثہ کا نوحہ

جو اس نے اپنے بیٹے کے فراق میں کہا تھا بڑی پُرسوز آواز میں پڑھ رہے تھے کہ زیدؓ کا ادھر سے گزر ہؤا۔ ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ بنی کلب کے لوگوں کی نظر بھی ان پر پڑی۔ انہوں نے فوراً پہچان لیا کہ حارثہ کا گم گشتہ فرزند یہی ہے۔ انہوں نے زیدؓ کو ان کے والدین کی داستانِ غم سنائی اور انہیں اپنے آقا کی اجازت لے کر اپنے قبیلہ میں جانے کے لئے کہا لیکن زیدؓ عشقِ رسول کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ماں باپ، عزیز و اقارب سب کی محبتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ انہوں نے بنی کلب کے حاجیوں سے درخواست کی "اے میرے بزرگو اور بھائیو! مجھ سے اپنے آقا کی جدائی ایک پل کے لئے بھی برداشت نہیں ہو سکتی۔ براہِ کرم میرے غمزدہ خاندان کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ گو میں ان سے دور ہوں لیکن اپنی قوم سے محبت کرتا ہوں۔ میں خانہ کعبہ میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں اس غم کو بھول جاؤ جس نے تمہیں رنجور کر رکھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔ خدا کا شکر ہے کہ میں بنی معد کے ایک معزز خاندان میں ہوں جو کئی پشتوں سے معزز ہے۔"

(۶)

جب ان حاجیوں نے واپس جا کر حارثہ بن شراحیل کو اپنے گم گشتہ فرزند کے متعلق خبر دی اور اس کا پیغام پہنچایا تو مایوس اور غمزدہ باپ کو فرطِ مسرت سے غش آ گیا۔ ہوش آنے پر اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر فوراً

مکّہ کی راہ لی۔ دنوں کی مسافت کو گھنٹوں میں طے کیا اور سرورِ کائنات کی خدمت میں پہنچ کر بے اختیار رونا شروع کر دیا ــــ سالہا سال سے اپنے نورِ بصر سے بچھڑا ہوا باپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور سسکیاں بھرتے ہوئے رسول اللہؐ سے مخاطب ہوا۔

"اے صاحبِ قریش! اے عبداللہ کے فرزند۔ اے عبدالمطلب کے پوتے ــــ اے غریبوں کے والی ــــ اے مصیبت زدوں کے دستگیر خدا کے لئے میرے لختِ جگر کو مجھ سے ملا دو اور مجھے اجازت دو کہ اسے اپنے ساتھ لے چلوں۔ اس کی آزادی کے لئے میں اپنی ساری متاع دینے کو تیار ہوں"

حضورؐ نے غمزدہ باپ کو ڈھارس بندھائی اور پوچھا "تمہارا لختِ جگر کون ہے؟"

اس نے کہا "زیدؓ بن حارثہ"

حضورؐ نے فرمایا "جو زیدؓ پسند کرے۔ وہی مجھے منظور ہے۔ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ اگر میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں اسے رہے دینے پر آمادہ کر دوں گا"

چنانچہ فیصلہ کے لئے زیدؓ کو بلایا گیا۔

آتشِ فراق سے جلا ہوا باپ اپنے نورِ نظر کو اپنے آغوشِ محبت میں لے کر اس قدر رویا کہ ڈاڑھی اور کپڑے تر ہو گئے۔ دیکھنے والے بھی آبدیدہ ہو گئے۔

جب جذبات ذرا سکون پذیر ہوئے، تو حضورؐ نے زیدؓ سے پوچھا۔ یہ تمہارے باپ اور چچا ہیں تم ان کے ساتھ جانا چاہتے ہو یا میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟

اس عاشقِ رسول نے فوراً جواب دیا۔ "میرے آقا۔ آپ کی ذاتِ گرامی پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اللہ مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے۔"

حضورؐ زیدؓ کے جواب سے اتنے مسرور ہوئے کہ انہیں خانۂ کعبہ میں لے جا کر اعلان فرمایا "زید آج سے میرا فرزند ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔"

باپ اور چچا کو حضورؐ کا یہ رویّہ دیکھ کر اور آپؐ کا اعلان سن کر اطمینان ہوگیا۔ اور وہ خوشی خوشی گھر واپس لوٹے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ حضرت زیدؓ کو بہت پہلے اپنا متبنٰی بنا چکے تھے۔ جب زیدؓ کے والد اور چچا مکّہ آئے تو حضورؐ نے زیدؓ کو فرزند بنانے کے اعلان کی محض تجدید فرمائی۔

(۷)

زید بن حارثہؓ رسول اللہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور حضورؐ بھی ان پر اتنی شفقت فرماتے کہ لوگوں نے زیدؓ کو زیدؓ بن محمدؐ کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ لیکن بارگاہِ الٰہی سے ارشاد ہوا۔

ادعوھم لاٰبائهم ھو اقسط عند اللّٰہ۔

یعنی لوگوں کو ان کے والد کی نسبت سے پکارو۔ یہ بات خدا کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف ہے۔

اس کے بعد حضرت زیدؓ — زید بن حارثہ — کے نام سے پکارے جانے لگے۔

زیدؓ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضورؐ نے اپنے محبوب چچا شیرِ خدا حضرت حمزہؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔ وہ بھی حضرت زیدؓ کو حقیقی بھائیوں کی طرح سمجھتے تھے۔

سرورِ کون و مکاںؐ زیدؓ پر بلا وجہ اتنی شفقت نہیں فرماتے تھے۔ یہ جلیل القدر شخصیت بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ ان کے بے پناہ خلوص اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جان قربان کرنے کے انمٹ جذبہ نے رسولِ عربیؐ کو بہت متاثر کیا تھا۔ کوئی مصیبت اور سختی ایسی نہ تھی جس میں زیدؓ نے اپنے آقاؐ کا ساتھ نہ دیا ہو۔ وہ کمال درجہ کے شجاع بھی تھے۔ ان کی تیر اندازی میں مہارت ضرب المثل بن گئی تھی۔ معرکۂ بدر سے لے کر غزوۂ موتہ تک تمام اہم معرکوں میں شریک ہوئے۔ تقریباً نو معرکوں میں حضورؐ نے انہیں امیرِ سپاہ بنا کر بھیجا جن میں انہوں نے کفار کی بڑی بڑی طاقت ور جمعیتوں کو شکست دی۔ جب وہ کسی غزوہ سے فتح یاب ہو کر لوٹتے تو حضورؐ اطلاع ملتے ہی باہر تشریف لے آتے اور زیدؓ کو گلے لگا کر ان کی پیشانی چوم لیتے۔

(۸)

سنہ ۸ھ میں غزوۂ موتہ میں حضورؐ نے زیدؓ کو امیرِ لشکر بنا کر روانہ کیا۔ اس غزوہ میں اسلام کا یہ بلاکش اور جاں نثار سپاہی دادِ شجاعت دیتا ہوا اپنے منعمِ حقیقی سے جا ملا۔ رسول اللہؐ کو زیدؓ کی جدائی کا اتنا صدمہ ہوا کہ ان کی شہادت کی خبر ملنے پر آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے حیران ہو کر پوچھا "یا رسول اللہ یہ کیا ہے"۔ فرمایا

"یہ جذبۂ محبت ہے"۔

حجۃ الوداع کے بعد حضورؐ نے شہدائے موتہ کے انتقام کے لئے ان کے نوخیز صاحبزادہ اسامہ بن زیدؓ کی زیرِ قیادت ایک اسلامی لشکر تیار کیا۔ یہ مہم ابھی روانہ نہ ہونے پائی تھی کہ آقائے نامدار کو مولائے کریم نے اپنے پاس بلا لیا۔ جس دن حضورؐ نے رحلت فرمائی اس دن زیدؓ بن حارثہ کی بے چین روح نے جو عرصہ سے فراقِ رسولؐ میں تڑپ رہی تھی، نہ معلوم بارگاہِ خداوندی میں کتنے سجدہ ہائے شکر ادا کئے ہوں گے۔

(۹)

حضرت زید بن حارثہ کے جذبۂ عشقِ رسول کو ایک شاعر (مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی) نے نہایت دلکش انداز میں منظوم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

زیدؓ کہ حلقۂ اربابِ وفا حضرت زیدؓ
تھے جو مشہور پسرِ خواندۂ شاہِ ابرار

متفق ہو کے جنہیں کہتے ہیں سب اہلِ سیر
اولیں حلقہ بگوشانِ رسالت میں شمار

ہاں یہی جن کو کیا نام سے قرآں میں یاد
حق نے منجملۂ اصحابِ رسولِ مختار

اپنے ماں باپ سے طفلی میں بچھڑ کر اک دن
سرِ بازار بکے صورتِ یوسف ناچار

لے کے پھر خدمتِ سلطانِ دو عالمؐ کے لئے
کر دیا نذر خدیجہؓ نے انہیں آخرِ کار

باپ نے یوسفِ گم گشتہ کی پائی جو خبر
دل کو دم بھر نہ رہا صورتِ یعقوبؑ قرار

آ کے مکہ میں کہا حالِ شہِؐ والا سے
ہوا ارشاد کہ خود زیدؓ ہیں اس میں مختار

آزمائش تھی یہ کچھ ایسی کٹھن جس کے سبب
اک عجب کشمکشِ صعب میں تھی جانِ نزار

اک طرف باپ کی کلفت سے تھی خاطر مغموم
اک طرف آپ کی الفت سے تھی فطرت سرشار

عقل کہتی تھی کہ راحتِ دنیا منظور
عشق کہتا تھا کہ اس راہ میں راحت سے عار

عقل کہتی تھی مبارک ہو تجھے مسندِ گل
عشق کہتا تھا گوارا ہے مجھے بسترِ خار

تھام کر دامنِ سرکار کو آخر یہ کہا
لاکھ آزادیاں اک تیری غلامی پہ نثار

آلِ یاسرؓ کی بلاکشی

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(۱)

حضرت یاسرؓ بن عامر یمن کے باشندے تھے ان کا ایک بھائی جس سے وہ بے پناہ محبت کرتے تھے مفقود الخبر ہو گیا۔ اپنے علاقے کا چپہ چپہ اس کی تلاش میں چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ آخر اپنے دو بھائیوں مالک اور حارث کو ساتھ لے کر برادرِ گم گشتہ کی تلاش میں مکہ پہنچے۔ بھائی تو نہ ملا لیکن یاسرؓ کو ایک ایسی دولت مل گئی جس نے انہیں دین و دنیا میں سرخرو کر دیا۔ ان کے بھائی حارث و مالک تو مایوس ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ لیکن یاسرؓ نے مکہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ابوحذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ ابوحذیفہ نے اپنی ایک نیک بخت لونڈی سمیہؓ بنت خباط یاسرؓ کو بخش دی جس سے انہوں نے نکاح کر لیا۔ ان دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالے نے ایک صالح فرزند عطا کیا جس نے آگے چل کر تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان کا نام عمارؓ تھا۔

(۲)

ابوحذیفہ نے اپنی زندگی میں یاسرؓ، سمیہؓ اور عمارؓ کو بڑی اچھی طرح سے رکھا۔ جب ابوحذیفہ نے وفات پائی تو مکہ میں صدائے توحید بلند ہوئی ان تینوں نیک فطرت ماں باپ اور بیٹے نے دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ اس وقت صرف تیس اور چالیس کے درمیان اصحاب نے اسلام قبول کیا تھا مسلمانوں پر یہ بڑا سخت وقت تھا۔ مشرکین مکہ پرستارانِ توحید پر بے پناہ مظالم توڑ رہے تھے۔ یہ تینوں بے کس بنی مخزوم کے زیر بار احسان تھے۔ انہوں نے ان مظلوموں کو نشانۂ ستم بنا لیا اور انہیں لاتوں گھونسوں اور لکڑیوں سے اتنا پیٹتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے جب ہوش میں آتے تو ان سے پوچھتے کہ محمد کے دین کو ترک کرو گے یا نہیں۔ تینوں جواب دیتے۔ محمد رسول اللہ ﷺ پہ ہماری ہزار جانیں قربان۔ کبھی انہیں جھلستی ہوئی ریت پر لٹاتے کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ لیکن وہ تشنہ توحید میں کچھ ایسے مخمور ہوتے تھے کہ جادۂ حق سے ہٹنے کا نام بھی نہ لیتے تھے۔

ایک دن جب وہ تینوں کفار کے ہاتھوں لرزہ خیز اذیتیں جھیل رہے تھے کہ ہادئ برحق جناب سرورِ کائنات ﷺ ادھر سے گزرے۔ ان کی بے کسی اور مظلومی کو دیکھ کر دل بھر آیا اور فرمایا۔

"اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ"

(اے یاسرؓ کے خاندان، صبر کرو، تمہارا مقام جنت میں ہے)

لیکن کفار نے اسی پر اکتفا نہ کی۔ ایک دن ابوجہل نے بوڑھی اور ضعیف سمیہؓ پر فرطِ غضب میں سب و شتم کی بے پناہ بوچھاڑ کی اور پھر انہیں برچھی مار کر شہید کر دیا۔ راہِ حق میں وہ اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔ حضرت یاسرؓ بن عامر کو اپنی کبیر السن بیوی کی مظلومانہ شہادت سے سخت صدمہ پہنچا۔ وہ بادیدۂ گریاں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ اب تو ظلم کی حد ہو گئی"۔

حضورؐ نے انہیں صبر کی ہدایت فرمائی اور دعا مانگی

اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْ اَحَدًا مِّنْ آلِ یَاسِرٍ بِالنَّارِ

(اے اللہ خاندانِ یاسرؓ کو دوزخ سے بچانا)

بوڑھے اور کمزور حضرت یاسرؓ بھی کفار کی اذیتیں سہتے سہتے واصل بحق ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار نے انہیں بھی برچھی مار کر شہید کیا۔

(۳)

ماں باپ کی مظلومانہ شہادت کے بعد کفار کے مظالم سہنے کے لئے حضرت عمارؓ اکیلے رہ گئے۔[1] مشرکین انہیں [illegible]

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ عمارؓ کے ایک اور بھائی عبداللہ بن یاسرؓ تھے۔ انہوں نے بھی مشرکین کے مظالم جھیلتے جھیلتے جامِ شہادت پیا۔

ہوئے انگاروں پر لٹاتے۔ پانی میں غوطے دیتے لیکن ان کے قدم راہِ حق سے ذرہ بھر بھی نہ ڈگمگاتے۔

ایک دفعہ جب ظالموں نے انہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا رکھا تھا اتفاق سے سرورِ کائنات ادھر سے گزرے۔ عمارؓ کی مصیبت پر دل بہت کڑھا ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا۔

"اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا"

حضرت عمارؓ نہایت استقامت کے ساتھ یہ ہولناک مصیبتیں جھیلتے رہے۔ تا آنکہ ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا اور سرزمینِ یثرب میں پہنچ کر انہیں امن کا سانس لینا نصیب ہوا۔

بڑھاپے کے دنوں میں بھی حضرت عمارؓ کی پشت پر سیاہ لکیریں اور انگاروں سے جلنے کے داغ موجود تھے۔ جو راہِ حق میں ان کے مصیبتیں جھیلنے کی مستقل یادگار بن گئے تھے۔

ہجرت کے موقع پر قبا میں حضرت عمارؓ نے پتھر ڈھو ڈھو کر اس مقدس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ جو اسلام کی سب سے پہلی مسجد تھی۔ اس کے بعد جب مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو حضرت عمارؓ نے اس تعمیر میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سب سے زیادہ اینٹیں اٹھاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے نحن المسلمون نبتنی المساجد (ہم مسلمان ہیں ہم مسجد بناتے ہیں) جب جنگ بدر میں ابوجہل ہلاک ہوا تو حضورؐ نے عمارؓ سے فرمایا۔

قد قتل اللہ قاتل امک (اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا)

حضرت عمارؓ عہدِ نبوی کے تمام غزوات میں شریک رہ کر جاں نثاریٔ رسول کا حق ادا کرتے رہے۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں بھی انہوں نے راہِ حق میں جہاد کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یمامہ کی خونریز جنگ میں بھی وہ شریک تھے۔ اثنائے جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا۔ لیکن وہ بدستور اپنے شجاعانہ حملوں سے صفوفِ کفار کو الٹتے رہے۔ ایک موقع پر جب مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھے تو ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارے: "اے مسلمانو! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو۔ میں عمارؓ بن یاسرؓ ہوں۔ ادھر پلٹو۔" ان کی للکار سن کر مسلمان پلٹ پڑے اور مرتدین کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ کوفہ کے گورنر رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نہایت مخلص ساتھی تھے۔ جنگِ صفین میں ان کی طرف سے دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

(۱)

سرورِ کائنات نے ایک دن فرمایا۔

ما اظلت الخضراء وما اقلت الغبراء اصدق لهجة من ابی ذرؓ

"آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ فگن نہیں ہوا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو" اور کائنات کے ذرہ ذرہ نے شہادت دی کہ بیشک سید المرسلینؐ نے سچ فرمایا۔ ابوذر کی حق گوئی نے ارض و سما میں تلاطم بپا کر دیا۔ ابوذرؓ نے اس وقت اسلام کی صداقت کی گواہی دی جب خدیجۃ الکبریٰؓ۔ ابوبکر صدیقؓ۔ علی مرتضیٰؓ اور زیدؓ بن حارثہ کے سوا کسی نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں کہا تھا۔

(۲)

ابوذرؓ قبیلۂ غفار کے ایک فرد تھے۔ اس قبیلے کا پیشہ رہزنی تھا۔ ابوذرؓ

جوان ہوئے تو وہ بھی اپنے قبیلہ کی مہمات میں شریک ہونے لگے لیکن قدرت
کو ان سے کوئی اور ہی کام لینا منظور تھا۔ یکایک ان کی زندگی میں انقلاب
پیدا ہو گیا اور رہزنی سے طبیعت متنفر ہو گئی۔ رب اکبر نے انہیں توحید پرستی کا
راستہ سمجھا دیا اور وہ شب و روز خدائے واحد کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔
لوگ ان کی زبان سے لا الہ الا اللہ کا ورد سنتے تھے اور حیران ہوتے تھے کہ
یہ کس جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس وقت مکہ میں قندیل اسلام روشن ہو چکی تھی
اور ہادیؑ برحق نے دعوت توحید کا آغاز فرما دیا تھا۔ ایک دن قبیلہ غفار کا
ایک شخص مکہ گیا وہاں اس کے کانوں میں دعوت توحید کی بھنک پڑ گئی۔ واپس
آ کر ابوذرؓ سے ملا اور کہنے لگا: ابوذر تمہاری طرح مکہ میں بھی ایک شخص
لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرتا ہے۔ ابوذرؓ تو ہادیؑ
رہبر کی تلاش میں تھے۔ یہ خبر سن کر بے اختیار ہو گئے۔ اپنے بھائی انیس کو
مکہ بھیجا کہ جا کر اس شخص سے ملو جو لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہے۔
اور پھر آ کر اس کے حالات بتاؤ۔ انیس ایک بلند پایہ شاعر اور نہایت زیرک
شخص تھے۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے سرور عالم کے ارشادات گرامی سنے تو بے حد
متاثر ہوئے۔ واپس آئے تو ابوذرؓ نے پوچھا "تم نے مکہ کے داعی توحید کو
کیسا پایا"۔ انیس نے جواب دیا "لوگ اسے شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔
لیکن خدا کی قسم میں نے اسے ایسا نہیں پایا۔ وہ شاعر ہے نہ کاہن اور نہ جادوگر
وہ تو لوگوں کو محض بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے"
اس مختصر جواب سے ابوذرؓ کی تشفی نہ ہوئی اور وہ خود تحقیق احوال کے لئے

چل کھڑے ہوئے۔

(۴)

مکہ پہنچ کر ابوذرؓ کعبہ میں ٹھہرے۔ رسول کریمؐ کو پہچانتے نہ تھے کسی سے پوچھنا خلافِ مصلحت سمجھا۔ اللہ کی طرف دھیان تھا کہ وہی داعیٔ حقؐ سے ملا دیگا کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن حضرت علیؓ نے ان سے کہا[1]۔ "بھئی میں تمہیں کئی روز سے یہاں دیکھ رہا ہوں۔ تم کس چیز کے متلاشی ہو" حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا۔ "اگر تم وعدہ کرو کہ مجھے میری منزلِ مقصود تک پہنچا دو گے تو بتائے دیتا ہوں" حضرت علیؓ نے فرمایا "تم مطمئن رہو تمہارا راز افشا نہ ہوگا" ابوذرؓ نے اپنا مقصد بتایا۔ حضرت علیؓ نے ان کی بات سن کر فرمایا۔ "تم نے ہدایت کا راستہ پالیا جن کی تلاش میں تم آئے ہو بے شک وہ خدا کے سچے رسول ہیں" حضرت ابوذرؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت علیؓ سے درخواست کی۔ "مجھے اس ذاتِ اقدس تک پہنچا دیجئے"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انہیں لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے حضورؐ کا جلالِ نبوت سے منور چہرہ دیکھ کر ابوذرؓ کے دل نے گواہی دی کہ

---

[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ پہلے دن ابوذرؓ کو اپنے گھر لے گئے۔ رات گزار کر وہ پھر کعبہ جا پہنچے۔ دوسرے دن حضرت علیؓ پھر انہیں اپنے گھر لے گئے اور کعبہ میں قیام کا مقصد پوچھا۔ حضرت ابوذرؓ نے ان سے رازداری کا وعدہ لے کر تمام حال بیان کیا۔

یہ واقعی خدا کے سچے رسول ہیں۔ بے اختیار ہو کر عرض کی "اے اللہ کے رسول مجھے اپنی دعوت کی تفصیل بتلائیے" حضورؐ نے ابوذرؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ان کا دل جوشِ ایمان سے لبریز ہو گیا۔ اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کا پانچواں ستون بن گئے۔ اب حضورؐ نے پوچھا۔ اتنے دن تمہارے خورد و نوش کا کیا انتظام رہا۔ عرض کی یا رسول اللہ کھانے کو تو کچھ ملا نہیں۔ چاہِ زمزم کا پانی پی کر پیٹ بھر لیتا۔ اس وقت صدیقِ اکبرؓ پاس ہی بیٹھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں ابوذرؓ کو کچھ کھلاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں ہاں ضرور۔

صدیق اکبرؓ حضرت ابوذرؓ کو اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ رسولِ اکرمؐ بھی ساتھ گئے۔ وہاں صدیقِ اکبرؓ نے طائف کا خشک انگور جنابِ رسالت مآبؐ اور ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ پہلی غذا تھی جو مکہ پہنچ کر ابوذرؓ کو نصیب ہوئی۔ اب رسولِ کریمؐ نے ابوذر غفاریؓ سے فرمایا۔ "ابوذر اب تم اپنے قبیلہ میں لوٹ جاؤ اور انہیں دعوتِ توحید دو۔ جب تمہیں میرے ظہور کی اطلاع ملے اسی وقت پھر یہاں آجانا۔ فی الحال کسی پر اپنا اسلام پوشیدہ رکھو۔" ابوذرؓ کا دل جوشِ توحید سے معمور تھا۔ عرض کی "یا رسول اللہ خدا کی قسم میں مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا۔" حضورؐ ان کا جوش اور ولولہ دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

اب ابوذرؓ سیدھے مسجد الحرام میں تشریف لے گئے وہاں مشرکین کا مجمع تھا۔ ابوذرؓ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر با آوازِ بلند کہا۔ [illegible]

کوئی پرستش کے لائق نہیں اور محمدؐ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

ابوذرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ مشرکین چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔ اتنے میں عباس بن عبدالمطلبؓ آ پہنچے۔ ایک غریب الوطن کو اس حال میں دیکھ کر دل بھر آیا۔ ابوذرؓ کے اوپر گر پڑے اور مشرکین سے کہا "اپنا ہاتھ روکو، کیوں اس غریب کی جان لینا چاہتے ہو۔" عباسؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے اس لئے مشرکین کو ان کی بات کا بہت پاس تھا۔ ان کے کہنے پر انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ لیکن توحید کے متوالے ابوذرؓ دوسرے دن پھر کعبہ پہنچے اور مشرکین کو دعوت توحید دینے لگے۔ مشرکین نے انہیں پھر پکڑ لیا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت بھی عباسؓ ان کے آڑے آئے اور مشرکین کو سمجھایا کہ "یہ شخص غفار ... جنگجو اور خون آشام قبیلے کا فرد ہے۔ اگر تم نے اسے ہلاک کر دیا تو تمہارا کوئی قافلہ تجارت منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔ غفاریوں سے خواہ مخواہ کی دشمنی کیوں مول لیتے ہو۔"

مشرکین کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور انہوں نے ابوذرؓ کو چھوڑ دیا۔ ابوذرؓ نے اب سوچا کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ ان پر میری بات کا اثر نہیں ہو گا۔ انہیں خدا کے سچے رسول ہی راہ ہدایت پر لا سکیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اپنے حلقۂ اثر میں جا کر اسلام کی تبلیغ کروں۔ یہ سوچ کر انہوں نے اپنے وطن کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے اپنے دو بھائیوں اور والدہ کو دعوت توحید دی۔ ان تینوں نے فوراً اس پر لبیک کہا۔ پھر انہوں

نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی طرف بلایا۔ آدھا قبیلہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گیا۔ اور آدھا ہجرتِ نبوی کے بعد دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوا۔

(۴)

حضرت ابو ذر غفاریؓ عرصہ دراز تک اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔ جب بدر، احد، خندق وغیرہ کے غزوات ختم ہو گئے تو انہوں نے بھی اپنے وطن سے ہجرت کی۔ مدینۃ الرسول پہنچ کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے آپ کو سرکارِ دو عالم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ جب غزوۂ تبوک پیش آیا تو ابو ذر غفاریؓ بھی اپنے آقا کی معیت میں تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کا اونٹ سست پڑ گیا اور وہ لشکرِ اسلام سے بچھڑ گئے۔ دل میں شوقِ جہاد موجزن تھا اونٹ کو وہیں چھوڑا اور سارا سامان پیٹھ پر لاد کر پیادہ پا منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ آگے جا کر لشکرِ اسلام نے ایک جگہ قیام کیا۔ ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کی "یا رسول اللہ وہ دور ایک شخص آ رہا ہے معلوم نہیں کون ہے" حضورؐ نے فرمایا "ابو ذرؓ ہوں گے" لوگوں نے غور سے دیکھا تو وہ واقعی ابو ذرؓ تھے۔ رسولِ کریمؐ سے عرض کی "یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ ابو ذرؓ ہی ہیں"

حضورؐ نے فرمایا "ابو ذرؓ اکیلے ہی چلتے ہیں۔ اکیلے ہی مریں گے اور قیامت کے دن اکیلے ہی اٹھیں گے"

حضرت ابو ذرؓ غفاری کے زہد و تقویٰ اور خدا اور خدا کے رسولؐ سے

عشق کا یہ عالم تھا کہ سرورِ کائنات ؐ نے انہیں مسیح الاسلام کا لقب عطا فرمایا۔
ایک دن حضرت ابوذرؓ نے رسولِ اکرم ؐ کی خدمت میں عرض کی "یا رسول اللہ ایک شخص بعض ہستیوں سے محبت رکھتا ہے لیکن ان کے اعمال کو اپنانے کی طاقت نہیں رکھتا اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟"
حضورؐ نے فرمایا "وہ شخص جن کے ساتھ محبت رکھتا ہے انہی کے ساتھ ہے"
ابوذر غفاریؓ عرض پیرا ہوئے۔ "یا رسول اللہ میں صرف آپ سے اور اللہ تعالٰی سے محبت رکھتا ہوں"
حضورؐ نے فرمایا "تم یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہو"
سرورِ کائنات ؐ ابوذر غفاریؓ پر اتنی شفقت فرماتے تھے کہ مرض الموت میں بھی انہیں بلا بھیجا۔ ابوذرؓ بارگاہ نبوی میں پہنچ کر والہانہ حضورؐ کے اوپر جھکے۔ حضورؐ نے ان کا دستِ مبارک اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ چمٹا لیا۔ ابوذرؓ پر وارفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ جب حضورؐ نے وفات پائی تو ابوذرؓ کے دل کی دنیا اجڑ گئی۔ مدینہ چھوڑ کر ارضِ شام میں جا بسے۔ ان کی زندگی زہد و ورع اور فقر و قناعت کا ایک عجیب نمونہ تھی۔ جو کچھ ہاتھ میں آتا اسے راہِ خدا میں لٹا دیتے محض ایک چادر زیبِ بدن ہوتی تھی۔ شیخین کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں مال و دولت سے رغبت پیدا ہو گئی ہے۔ سادہ لباس کی جگہ پر تکلف ملبوسات کا استعمال شروع ہو گیا ہے۔ فتوحات اور مالِ غنیمت کی کثرت نے تن آسانی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ سادہ مکانات کی بجائے

محلات کی تعمیر شروع ہو گئی ہے۔ ابوذرؓ یہ حالات دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ انہوں نے پوری قوت سے مسلمانوں کو پکارا کہ بھائیو مال و دولت جمع کرنے اور عیش و تنعم کی زندگی گزارنے میں سراسر ہلاکت ہے۔ اللہ کا حکم ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔

(جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی بشارت دو)

اگر تم نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی تو اس کا وعدہ کبھی نہیں ٹل سکتا۔

(۵)

ابوذر غفاریؓ کے نعرۂ حق سے شام میں تہلکہ مچ گیا۔ امیر معاویہؓ والی شام اور کئی دوسرے صحابہؓ کو حضرت ابوذرؓ کی رائے سے اختلاف تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ اس آیت کا تعلق اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہے۔ لیکن ابوذرؓ فرماتے تھے کہ ہرگز نہیں۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ اپنی اس رائے پر سختی سے جمے رہے اور ترغیب و تخویف کا کوئی حربہ بھی انہیں اپنی رائے کے برملا اظہار سے باز نہ رکھ سکا۔ ان کے پیغام کا خلاصہ یہ تھا۔

"اے دولت مند مسلمانو! اگر تم اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن تمہاری پیٹھ کی چربی دوزخ کے [illegible]"

پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ یاد رکھو مال میں تین چیزیں شریک ہیں۔ (۱) وارث جو اس کا منتظر ہے کہ تو کب اس دنیا سے رخصت ہو اور وہ تیرے اندوختہ پر قبضہ کرے (۲) تقدیر جو تجھ سے پوچھے بغیر اپنے فیصلے صادر کر دیتی ہے (۳) خود تو ۔۔۔۔ اگر تو ان دونوں سے بازی لے جانے پر قادر ہے تو ضرور ایسا کر۔ اللہ فرماتا ہے تم نیکی اور بھلائی کو کبھی نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی مرغوب چیزوں کو سب کے لئے عام نہ کرو۔"

مت بھولو کہ آدمی کے مرنے کے بعد صرف تین چیزیں اس کے کام آئیں گی (۱) نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرے (۲) صدقۂ جاریہ (۳) علم جس سے لوگ فیض اٹھائیں۔

غریب لوگ تو ابوذرؓ غفاری کا پیام سن کر ان پر پروانوں کی طرح گرے لیکن امراء ان سے کھنچنے لگے۔

(۱۴)

ایک دن امیر معاویہؓ اپنا محل الخضراء تعمیر کرا رہے تھے۔ اتفاق سے حضرت ابوذرؓ ادھر سے گزرے۔ محل کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر امیر معاویہؓ سے مخاطب ہو کر بولے۔

"اگر اس محل کی تعمیر اللہ کے مال سے ہو رہی ہے تو خیانت ہے اور اگر اس پر اپنا مال خرچ کر رہے ہو تو یہ اسراف ہے۔"

امیر معاویہؓ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن ان کے دل میں ابوذر غفاریؓ کی طرف سے کھٹک پیدا ہو گئی۔ چند دنوں کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ انہوں نے ابوذر غفاریؓ کو شام سے نکالنے کی ایک عجیب تجویز سوچی لشکر روانہ ہونے لگا تو ابوذر غفاریؓ کو بلا کر پوچھا "کیا آپ جہاد کے لئے جانا چاہتے ہیں؟" ابوذرؓ نے تو اپنی جان خدا کی راہ میں وقف کی ہوئی تھی۔ جواب دیا۔

"خدا کی راہ میں ایک دن جہاد کرنا ان ہزار دنوں سے بہتر ہے جو گھر میں گزار دیئے جائیں۔ میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ لشکرِ اسلام میں جا شامل ہوئے۔ جب مجاہدین اسلام نے قبرص فتح کر لیا تو ابوذر غفاریؓ نے شام میں واپس آکر پھر لوگوں کو اپنا پیغام سنانا شروع کر دیا۔ حکومت پر وہ اس شدت سے نکتہ چینی کرتے تھے کہ امیر معاویہؓ سے نزاع کی صورت پیدا ہو گئی۔ ایک دن امیر معاویہؓ نے ایک معقول رقم ابوذرؓ کی خدمت میں بھیجی۔ انہوں نے وہ رقم چند گھنٹوں کے اندر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ دوسرے دن امیر معاویہؓ نے امتحان لینے کی غرض سے ایک قاصد ان کے پاس بھیجا کہ کل وہ رقم غلطی سے آپ کو تقسیم ہو گئی ہے اسے واپس دے دیجئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر یہ رقم ابوذرؓ کے پاس موجود ہوئی تو ان سے پوچھا جا سکے گا کہ آپ تو ایک رات کے لئے بھی دولت جمع رکھنا حرام سمجھتے ہیں پھر یہ رقم کیوں اپنے پاس رکھی۔ جب قاصد ابوذرؓ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا "وہ رقم

تو ہم نے خود سحر سے پہلے ہی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔" قاصد امیر معاویہؓ کے پاس واپس گیا اور انہیں حضرت ابوذرؓ کا جواب سنایا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "ابو ذرؓ واقعی سچا ہے جو کہتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے۔"

(۷)

ایک دن امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو انہیں کھانے کی دعوت دی۔ دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ ابوذرؓ جیسے مرد درویش بھلا انہیں کب ہاتھ لگا سکتے تھے۔ دعوت قبول کرنے سے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا۔

"رسول اللہؐ کے زمانے سے میرا کھانا ہفتہ بھر کے لئے ایک صاع جَو رہا ہے۔ خدا کی قسم میں اس پر زیادتی نہیں کروں گا حتیٰ کہ اپنے خلیل رسولِ اکرمؐ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

(۸)

جب امیر معاویہؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے درمیان کشیدگی بہت بڑھ گئی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ بلا بھیجا۔ وہاں بھی انہوں نے اپنا مخصوص پیغام لوگوں کو سنانا شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے انتہا پسندانہ خیالات دیکھ کر انہیں فتویٰ دینے سے منع کر دیا لیکن ابوذر غفاریؓ کو یہ پابندی گوارا نہ ہوئی۔ انہوں نے فرمایا "خدا

کی قسم اگر میری گردن پر تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے سے قبل جو کچھ سرورِ کائنات سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔" حضرت عثمانؓ نے ابوذرؓ کو مشورہ دیا کہ آپ ربذہ چلے جائیں ربذہ صحرائے عرب میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ابوذر غفاریؓ خود بھی تنہا پسند تھے۔ اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیا اور بخوشی ربذہ جا بسے۔

(۹)

عراق کے لوگوں کو حضرت ابوذرؓ کے قیامِ ربذہ کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ عثمانؓ نے آپ کے ساتھ نامناسب سلوک کیا ہے اگر آپ ہماری قیادت فرمائیں تو ہم عثمانؓ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جواب میں کہلا بھیجا۔

"عثمانؓ نے جو کچھ کیا میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا ہوں۔ تم لوگ اس میں مت دخل دو اور امیر المومنین کے خلاف منصوبے نہ بناؤ کیونکہ جو اپنے امیر کو ذلیل کرتا ہے خدا اس کی توبہ قبول نہیں کرتا۔"

عراقی خاموش ہو گئے اور حضرت ابوذر غفاریؓ ہنگامہ ہائے دنیا سے الگ تھلگ اپنی زندگی کے دن صبر و قناعت سے کاٹنے لگے۔ ۳۱ھ یا ۳۲ھ کے ایامِ حج میں حضرت ابوذر غفاریؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ ربذہ کے تمام لوگ حج کے لئے روانہ ہو گئے تھے اور ابوذر غفاریؓ کے

پاس صرف ان کی رفیقۂ حیات اور ایک لڑکی موجود تھی۔ ابوذر غفاریؓ پر نزع کی حالت طاری ہوئی تو ان کی اہلیہ رونے لگیں۔ ابوذرؓ نے نحیف آواز میں پوچھا۔ "روتی کیوں ہو؟"

اہلیہ نے جواب دیا۔

"آپ ایک ویرانہ میں دم توڑ رہے ہیں نہ میرے پاس اتنا کپڑا ہے کہ آپ کو کفن دے سکوں اور نہ میرے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کی ابدی خوابگاہ تیار کر سکوں۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا "سنو ایک دن ہم چند لوگ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضورؐ نے فرمایا "تم میں سے ایک شخص صحرا میں جاں بحق ہوگا۔ اور اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت باہر سے آکر شرکت کرے گی۔" اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ سب شہری آبادیوں میں وفات پا چکے ہیں۔ اب صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ رسول اکرمؐ کی پیشگوئی کا مصداق نہ ہوں۔ تم باہر جاکر دیکھو۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آتی ہوگی۔"

پاس ہی ایک ٹیلہ تھا۔ حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ اس پر چڑھ کر انتظار کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد دور گرد اڑتی نظر آئی۔ پھر اس میں سے چند سوار نمودار ہوئے۔ جب قریب آئے تو ابوذرؓ کی زوجہ نے انہیں پاس بلا کر کہا "بھائیو قریب ہی ایک مسلمان سفر آخرت کی تیاری کر رہا ہے اس کے کفن دفن میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔" قافلے والوں نے پوچھا "وہ کون شخص ہے؟" جواب دیا

ابوذر غفاریؓ ابوذرؓ کا نام سنتے ہی قافلے والے بیتاب ہوگئے اور "ہمارے ماں باپ ان پر قربان ہوں" پکارتے ہوئے ان کی طرف لپکے۔

ادھر ابوذر غفاریؓ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا "جانِ پدر! ایک بکری جلد ذبح کرلے اور گوشت کی ہنڈیا چولہے پر چڑھا دے کچھ مہمان آنے والے ہیں جو میری تجہیز و تکفین کریں گے۔ جب وہ مجھے سپردِ خاک کرچکیں تو ان سے کہنا کہ ابوذرؓ نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ یہ گوشت نہ کھالیں یہاں سے رخصت نہ ہوں۔"

(۱۰)

جب قافلے والے حضرت ابوذرؓ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو ان کا دم لبوں پر آرہا تھا۔ اکھڑی ہوئی آواز میں فرمایا "تم لوگوں کو مبارک ہو کہ تمہارے یہاں پہنچنے کی خبر سالہا سال پہلے ہادیٔ برحق نے دی تھی۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نہ کفنائے جو حکومت کا عہدیدار ہو یا رہ چکا ہو۔" اتفاق سے اس قافلے میں ایک انصاری نوجوان کے سوا سب لوگ کسی نہ کسی صورت میں حکومت سے متعلق رہ چکے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اے رسول اکرمؐ کے محبوب رفیق! میں آج تک حکومت کی ملازمت سے بے تعلق ہوں۔ میرے پاس دو کپڑے ہیں جو میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بنے ہوئے ہیں۔ اجازت ہو تو ان میں آپ کو کفنا دوں۔"

حضرت ابوذرؓ نے اثبات میں سر ہلایا اور "بسم اللہ و باللہ و علی

ملنذ رسول اللہ" کہہ کر جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔
اس قافلے کے اکثر لوگ یمن کے رہنے والے تھے۔ اتفاق سے ان کے ساتھ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر سب نے مل کر اس آفتاب رشد و ہدایت کو سپرد خاک کر دیا۔

(۱۱)

حضرت ابوذر غفاریؓ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ باب علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دفعہ ان کے متعلق فرمایا۔
"ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے۔ اور اس تھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔"
رسول کریمؐ حضرت ابوذرؓ پر بے حد مہربان تھے۔ جب وہ مجلس میں موجود ہوتے تو حضورؐ سب سے پہلے انہیں ہی مخاطب فرماتے۔ اگر موجود نہ ہوتے تو انہیں تلاش کر کے لایا جاتا اور حضورؐ ان سے مصافحہ فرماتے۔ ایک دفعہ حضورؐ نے ابوذرؓ سے پوچھا "ابوذر جب تمہارے امیر عام لوگوں سے زیادہ حصہ لیں گے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟"
حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلوار سے کام لوں گا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "نہیں تلوار کی بجائے صبر سے کام لینا حتیٰ کہ میرے پاس آجاؤ۔"

حضرت ابوذرؓ نے رسولِ اکرمؐ کے اس ارشاد پر آخری دم تک عمل کیا۔ حق گوئی سے کبھی باز نہ رہے لیکن حاکم وقت کے خلاف کبھی تلوار نہ اٹھائی۔

حضرت خبّاب بن ارتؓ

(۱)

حضرت ابو عبداللہ خباب بن ارتؓ سے پہلے صرف پانچ مقدّس ہستیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت خبابؓ نے چھٹے نمبر پہ اسلام قبول کیا اس لئے تاریخ میں سادس الاسلام کہلاتے ہیں حضرت خبابؓ کے قبول اسلام کے وقت رسول کریمؐ ابھی حضرت زید بن ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت خدائے واحد کا نام لینا ہولناک مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ حضرت خبابؓ نے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ آپ کو زمانۂ جاہلیت میں غلام بنا کر مکّہ میں فروخت کیا گیا تھا۔ بھلا ایک غلام کا قبولِ اسلام مشرکین کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ اس مظلوم پہ وہ مظالم توڑے کہ پتھر کا کلیجا بھی شق ہوتا تھا۔

ان کے کپڑے اتروا کر دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور سینہ پہ بھاری سِل رکھ دیتے کبھی انگاروں پر لٹا کر ایک آدمی ان کے سینہ

پر بیٹھ جاتا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ خبابؓ صبر و استقامت کے ساتھ ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے۔ حتیٰ کہ زخموں سے خون اور پیپ رس رس کر ان انگاروں کو ٹھنڈا کر دیتی۔ اتنی سختی کے باوجود کیا مجال جوان کے ایمان نے ذرا بھی لغزش کھائی ہو۔ ایک دن ان کے شقی القلب آقا نے لوہے کی سیخ آگ میں تپا کر ان کا سر داغا۔ یہ ظلم کی انتہا تھی۔ حضرت خبابؓ نے اپنا سر رسول کریمؐ کو دکھایا اور عرض کی۔ "یا رسول اللہ دعا فرمایئے اللہ تعالےٰ اس عذاب سے میری خلاصی کرائے"۔ حضورؐ بہت متاثر ہوئے اور دعا فرمائی "اے اللہ خبابؓ کی مدد کر"۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ حضرت خبابؓ کی پیٹھ کھول کر دیکھی گئی تو تمام جلد پر جلنے کے نشانات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری پشت مبروص ہے۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ آج تک ایسی پیٹھ میں نے نہیں دیکھی۔ چنانچہ ازراہ تعظیم انہیں اپنے گدے پر بٹھایا۔

(۲)

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت خبابؓ ایک کافر عورت ام انمار بنت سباع الخزاعیہ کے غلام تھے۔ وہ سخت بے رحم تھی۔ حضرت خبابؓ کو قبول اسلام کی سزا میں کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹاتی اور کبھی تپتے ہوئے لوہے سے ان کا سر داغا کرتی تھی۔ جب رسول کریمؐ نے

حضرت خبابؓ کے حق میں دعا مانگی تو قدرتِ خداوندی سے ام انمار کے سر میں ایسا شدید درد شروع ہوگیا جو کسی طریقے سے کم نہ ہوتا تھا۔ لوگوں نے بتایا جب تک گرم لوہے سے تمہارا سر داغا نہ جائے گا اس درد میں کمی نہ ہوگی۔ وہ شدت کرب سے تڑپ رہی تھی۔ حضرت خبابؓ ہی کو یہ کام تفویض کیا کہ وہ گرم لوہے سے اس کا سر داغیں۔ چنانچہ جو گرم لوہا حضرت خبابؓ پر استعمال ہوتا تھا وہی اس پر استعمال ہوا باوجود اس علاج کے اسے کوئی فائدہ نہ ہوا اور چند دنوں کے بعد تڑپ تڑپ کر نہنگِ اجل کا لقمہ بن گئی۔

ایک مشرک عاص بن وائل کو حضرت خبابؓ کا کچھ قرض دینا تھا وہ کہتا جب تک محمدؐ کا دین ترک نہ کرو گے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا آپ فرماتے "یہ تو دنیا کا مال ہے اگر میری جان بھی چلی جائے میں خدا کے سچے رسول محمدؐ کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

مدتوں اسی طرح اذیتیں برداشت کرتے رہے جب ہجرت کی اجازت ملی تو مدینہ تشریف لے آئے اور سرورِ کائناتؐ کی رفاقت میں شروع سے لے کر آخر تک تمام غزوات میں نہایت پامردی سے شریک ہوئے خلفائے راشدین کے عہد میں جب فتوحات کا دروازہ کھلا تو حضرت خبابؓ بعض اوقات بہت رویا کرتے اور فرماتے "خدانخواستہ ہمارے مصائب کا بدلہ کہیں دنیا میں تو نہیں مل گیا۔"

حضرت خبابؓ کے انتقال کے بعد ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا گزر ان کی قبر پہ ہوا تو آپ نے فرمایا۔
"اللہ خباب رضؓ پر رحم کرے۔ اپنی رغبت سے مسلمان ہوا، خالصتہً
لوجہ اللہ ہجرت کی —— جہاد میں زندگی گزاری - اور مصائب
برداشت کئے۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور
اپنے اللہ کو راضی کرے۔"

حضرت ابوفکیہہ یسار ازدیؓ

(۱)

حضرت ابوفکیہہ یسار ازدیؓ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ بے کس اور بے یار و مددگار ہونے کے باوجود ان کے سینے میں شیر کا دل تھا۔ غریبوں کے والی اور بے کسوں کے مولیٰ ؐ نے جب ظلمت کدۂ عرب میں شمعِ توحید روشن کی تو ابوفکیہہ نے بے خوف و خطر اعلان کر دیا کہ وہ اس شمع کے پروانے ہیں۔ ان کا آقا امیہ بن خلف اپنے غلام کی اس جرأت رندانہ پر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے بے کس ابوفکیہہ پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ نت نئی دردانگیز سزا ان کے لئے تجویز کرتا۔ اپنے اہلِ خاندان کو بھی اس نے کھلی چھٹی دے دی کہ اس مظلوم کو جب جی چاہے اپنی مشقِ ستم کا نشانہ بنائیں۔ یہ ظالم مکہ کی جلتی ہوئی ریت پر دوپہر کے وقت حضرت ابوفکیہہؓ کو منہ کے بل لٹا دیتے اور کمر پر ایک وزنی پتھر رکھ دیتے۔ آپ مردانہ وار اس سزا کا مقابلہ کرتے حتیٰ کہ ہولناک گرمی اور ناقابلِ برداشت اذیت سے بے ہوش ہو جاتے۔ اتنی تکلیف کے باوجود کیا مجال کہ ان کی زبان شرک سے آلودہ ہو۔

(۴)

ایک دن شقی القلب امیہ نے حضرت ابو فکیہہؓ کے دونوں پاؤں میں رسی باندھی اور انھیں بری طرح گھسیٹتا ہوا تپتی ہوئی ریت پر جا پھینکا ۔ امیہ کا بیٹا صفوان بھی باپ کے پیچھے پیچھے وہاں جا پہنچا ۔ اور اپنے باپ کے شکارِ ستم سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا "کیا میرا باپ تیرا رب نہیں ہے؟" شمعِ توحید کے پروانے ابو فکیہہؓ نے فوراً جواب دیا "ہرگز نہیں میرا رب اللہ تعالےٰ ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور جو سب کو روزی دیتا ہے۔"

صفوان کو اس جواب پر سخت طیش آیا اور اس نے ابو فکیہہ کا گلا اس زور سے دبایا کہ ان کی زبانِ مبارک باہر نکل پڑی۔ اور وہ بالکل بے حس و حرکت ہو گئے ۔ صفوان اور امیہ نے سمجھا ختم ہو گئے ۔ لیکن ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ حسنِ اتفاق سے اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ ادھر سے گزرے۔ ابو فکیہہؓ کی دردناک بلاکشی کا منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور اسی وقت امیہ بن خلف سے خرید کر انہیں آزاد کر دیا۔ لیکن آزاد ہونے کے باوجود وہ مشرکین کے جور و ستم سے محفوظ نہیں تھے ۔ چنانچہ حبشہ کی دوسری ہجرت میں وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ تشریف لے گئے ۔ راہِ حق میں سختیاں جھیلتے جھیلتے صحت بگڑ گئی تھی۔ جنگ بدر سے کچھ عرصہ پہلے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت ابو فکیہہؓ ان ثابت قدم ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی جرأتِ ایمانی سے بتوں کی انجمن میں خدا کا نام لیا۔ بلاکشانِ اسلام میں ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضرت بلال حبشیؓ

(۱)

سلام اس مردِ حق شناس پر کہ جس کی رنگت شبِ دیجور کی مانند سیاہ تھی لیکن جس کا سینہ نورِ ایمان سے منور تھا۔ جس کے ہر موئے بدن میں رسول اللہ پر نثار ہونے کی تڑپ تھی۔ جس کی پاکیزہ سیاہ رنگت پر ہزار ظلمت بدوش سفیدیاں قربان کی جا سکتی تھیں۔ جس کے موئے حق گو ہونٹوں کے سامنے گلاب کی پنکھڑیوں کو شرمانے والے شرک آلود ہونٹ منہ چھپاتے تھے جس کے جذبۂ فدویت نے فخرِ موجودات کو اس کا سرپرست بنا دیا تھا۔

رسول اللہ کے یہ لاڈلے حضرت بلال بن رباح حبشی تھے۔ ابھی صرف سات آدمی ایمان لائے تھے۔ اور مکہ کے در و دیوار دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہونے والی آٹھویں ہستی کو دیکھنے کے منتظر تھے۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ ایک غریب الدیار و بے کس سیاہ فام یہ آٹھویں ہستی بننے کا شرف حاصل کر رہا تھا۔ یہ تھے حضرت بلال بن رباحؓ جو مشہور مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے۔

جب امیہ بن خلف کو حضرت بلال رضؓ کے قبولِ اسلام کا حال معلوم ہوا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ کہنے لگا: ”ارے میرے ایک ادنیٰ غلام کی یہ جرأت کہ وہ میرے جیتے جی محمدؐ کا دین اختیار کرے؟“

حضرت بلال رضؓ کو بلا کر پوچھا: ”تم کئی روز سے تنہائی میں عجیب قسم کی عبادت کرتے ہو، سچ بتاؤ کسے پوجتے ہو؟“

حضرت بلال رضؓ نے بے دھڑک جواب دیا۔ ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کو“

اُمیہ نے نگاہِ خشم آلود سے ان کی طرف دیکھا اور کہا ”محمدؐ کے خدا کی پرستش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ تو مقدس لات و عزیٰ کا دشمن ہو گیا ہے۔ سیدھی طرح سے راہِ راست پر آ جاؤ ورنہ ذلت کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ تم لات و ہبل ایک نام لیوا کے غلام ہو کر محمدؐ کے خدا کی پرستش کرو۔

حضرت بلال رضؓ صہبائے توحید کے نشہ میں مست ہو چکے تھے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر جواب دیا ”میرے جسم پر تمہارا بس چل سکتا ہے لیکن میں اپنا دل اور اپنی جان محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کے پاس رہن رکھ چکا ہوں۔ اب ذاتِ واحد کی عبادت ہی میری زندگی کا منتہا و مقصود ہے۔ تمہارے خود ساختہ معبودوں کو پوجنا میرے بس کی بات نہیں۔“

اُمیہ جھلّا اٹھا اور کہا اچھا تو پھر اپنی بے دینی کا مزہ چکھ۔ دیکھو نگا

کہ محمدؐ اور محمدؐ کا خدا انہیں کیسے چھڑاتے ہیں"

یہ کہہ کر اس ظالم نے حضرت بلالؓ پر جور و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا اس نے اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ اس نمک حرام کو اتنی اذیتیں دو کہ وہ محمدؐ اور محمدؐ کے خدا کو چھوڑ دے۔

یہ غلام اپنے ظالم آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں بری طرح مارتے پیٹتے۔ دن کے وقت ان کے کپڑے اتروا کر لوہے کی زرہ پہناتے اور دھوپ میں ڈال دیتے۔ شام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیتے اور رات کو انہیں تازیانے رسید کرتے رہتے۔ لیکن حضرت بلالؓ کی زبان سے اَحَد اَحَد کے سوا کچھ نہ نکلتا۔

ایک دن امیہ نے حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی باندھی اور محلہ کے شریر لونڈوں کو بلا کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دی وہ مشرک زادے اس مظلوم کو سارا دن شہر کے گلی کوچوں میں پھرایا کئے۔ حضرت بلالؓ کی گردن سخت زخمی ہو گئی۔ لیکن نشۂ توحید کچھ ایسا چڑھا تھا کہ کسی طرح نہ اترتا تھا۔

مکہ کی گرمی مشہور ہے۔ جب آفتاب نصف النہار پر پہنچتا ہے تو زمین تانبے کی طرح تپ جاتی ہے۔ امیہ حضرت بلالؓ کو دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹاتا۔ اور سینۂ مبارک پر بھاری پتھر رکھ دیتا۔ ظالم اسی پر ہی اکتفا نہ کرتا بلکہ زدوکوب کرنا شروع کر دیتا اور کہتا۔ لات

عزیٰ کو برحق مان ورنہ اسی طرح ہلاک ہو جائے گا" کبھی انہیں دہکتے ہوئے انگاروں اور جلتے ہوئے سنگریزوں پر لٹاتا اور انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتا لیکن وہ مردِ صدق و یقین ہر تازہ سے تازہ ستم رانی کے جواب میں ایک ہی نعرہ لگاتا تھا: "اَحَد - اَحَد - اَحَد - اَحَد......"

(۲)

ایک دن حضرت بلالؓ جب اسی طرح راہِ حق میں ستائے جا رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ادھر سے گزرے۔ حضرت بلالؓ کی بے کسی دیکھ کر دل بھر آیا اور حضرت بلالؓ کو امیہ کے پنجۂ ستم سے رہا کرانے کی تجویزیں سوچنے لگے۔ دوسرے دن امیہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور اسے کہا

"اے امیہ اس بے گناہ اور بے کس غلام پر اتنا ظلم نہ کر۔ تمہارا اس میں کیا نقصان ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتا ہے اگر تو اس پر احسان کرے تو یہ احسان آخرت کے دن تیرے کام آئے گا"

امیہ نے نہایت حقارت سے جواب دیا "میں تمہارے خیالی یوم آخرت کا قائل نہیں۔ جو میرے جی میں آئے گا کروں گا"

صدیق اکبرؓ اسے نرمی سے سمجھاتے رہے کہ تم صاحب قوت ہو اس بے کس اور غریب الدیار غلام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا تمہارے شایانِ شان نہیں۔ اس طرح عربوں کی قومی روایات کو بٹہ نہ لگاؤ"

حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو سے تنگ آکر اُمیّہ نے کہا "ابن ابی قحافہ تم اس غلام کے اتنے ہمدرد ہو تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے"

صدیق اکبرؓ نے جھٹ فرمایا "بولو کیا لو گے"

امیہ نے کہا "تم اپنا غلام فسطاس رومی مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ"

فسطاس بڑا کارگزار غلام تھا اور اہلِ مکہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی۔ امیہ کا خیال تھا کہ ابوبکرؓ اس مبادلہ پر رضامند نہ ہونگے لیکن حضرت ابوبکرؓ فوراً بولے "مجھے منظور ہے"

امیہ حیران رہ گیا۔ ڈھٹائی سے بولا "فسطاس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا" حضرت ابوبکر صدیقؓ اس پر بھی رضامند ہو گئے۔

امیہ نے بزعم خود بڑے نفع کا سودا کیا۔ جب صدیق اکبرؓ بلالؓ کو ساتھ لے کر چلنے لگے تو ہنس کر کہنے لگا "ابن ابی قحافہ تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس غلام کو درہم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا"

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا "امیہ تو اس غلام کی قدر و قیمت سے واقف نہیں۔ یمن کی بادشاہی بھی اس کی قیمت میں ہیچ ہے"

یہ کہہ کر حضرت بلالؓ کو آزاد کر دیا اور ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچے۔ سارا واقعہ حضورؐ کو سنایا۔ حضورؐ سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے پوری دلجمعی کے ساتھ ساری زندگی آقائے دوجہاںؐ کی خدمت میں گزار

دی۔ ان کی آواز بہت بلند اور دل کش تھی۔ حضورؐ نے انہیں اپنا مؤذن خاص مقرر فرمایا تھا۔

حضرت بلالؓ ہجرت کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے اور تمام مشہور غزوات میں رسولِ کریمؐ کے پہلو بہ پہلو شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں امیّہ بن خلف کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے جہنّم واصل کیا۔

(۲)

فتح مکّہ کے دن رسول اللہ کے دس ہزار مقدس ہمراہیوں میں حضرت بلالؓ بھی شامل تھے۔ حرمِ مقدس کی تطہیر کے بعد حضورؐ نے ایک ولولہ انگیز خُطبہ دیا جس میں فرمایا۔ اب خدا نے جاہلیّت کا غرور اور نسب کا غرور مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اس کے بعد حضرت بلالؓ سے فرمایا "اے بلال کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی صدائے تکبیر بلند کرو۔" حضرت بلالؓ نے حکم کی تعمیل کی جب وہ اپنی دلکش آواز سے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ او اشھد اَنَّ محمداً رسول اللہ پکار رہے تھے تو زمین و آسمان پر سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ حضرت عبدالحق محدّث دہلوی اس وقت اور اس اذان کے متعلق فرماتے ہیں۔

"یہ وقت بھی اپنے اندر نہایت نعمت و بزرگی رکھتا تھا۔ جس کے دامانِ جلال تک دستِ ادراک کی رسائی ناممکن ہے۔ اس وقت

کی عظمت کی حقیقت کو حاملانِ عرش سے پوچھنا چاہیئے کہ حضرت بلالؓ کی اس اذان کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی بلکہ اس سے بھی گزر گئی تھی۔ خداوند اس وقت کے طفیل ہمیں دینِ اسلام پر ثابت قدم رکھے اور کلمۂ اسلام کو اور بلند و بالا فرمائے۔

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت اختیار فرمایا تو حضرت بلالؓ پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اپنے آقا کے بعد مدینہ میں ان کا جی نہیں لگتا تھا۔ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ سے جہاد پر جانے کی اجازت چاہی۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ اے بلالؓ تمہارا یہاں رہنا بھی بے حد ضروری ہے خدا کے لئے ہمیں جدائی کے صدمے سہنے کے لئے نہ چھوڑو۔ حضرت بلالؓ کو اپنے محسن و مربیؓ کا بے حد خیال تھا۔ ان کی بات نہ موڑ سکے اور جب تک صدیق اکبرؓ زندہ رہے انہوں نے مدینہ نہ چھوڑا۔ تاہم اپنے آقا و مولیٰ کی وفات کا حضرت بلالؓ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی اور پکا ارادہ کر لیا کہ اب تا زندگی اذان نہ دوں گا۔ لیکن دو موقعے ایسے پیش آئے کہ وہ اذان دینے کے لئے مجبور ہو گئے۔

(۴)

فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں جب مسلمان شام پر حملہ آور ہوئے تو حضرت بلالؓ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ بیت المقدس کی فتح کے

موقع پر فاروقِ اعظمؓ نے شام کا تاریخی سفر کیا۔ ان کے وہاں پہنچنے پر عیسائیوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور خلیفۃ المسلمین نے عیسائیوں سے معاہدۂ صلح مرتب کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ لشکرِ اسلام میں حضرت بلالؓ بھی موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے ہمارے سردار بلال آج اسلام کے قبلۂ اول پر پرچم توحید لہرایا ہے۔ اس باعظمت موقع پر تم اذان دو تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے۔"

حضرت بلالؓ نے فرمایا "میں عہد کر چکا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لئے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اذان دیتا ہوں" یہ کہہ کر اذان کے لئے کھڑے ہو گئے جب ان کے منہ سے اللہ اکبر اللہ اکبر کے الفاظ نکلے تو صحابہ کرامؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے۔ انہیں رسولِ مقبولؐ کے عہد مبارک کا سماں یاد آ گیا۔ جب وہ اشہد ان محمدا رسول اللہ پر پہنچے تو صحابہ کرامؓ روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کی فراقِ رسولؐ میں روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ بڑی مشکل سے ان عاشقانِ رسولؐ کو صبر و قرار آیا۔

حضرت بلالؓ نے آخری اذان اپنے حبیب پاکؐ کے روضہ مبارک کے قریب مدینہ منورہ میں دی۔ ملک شام کے قیام کے زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ حضورؐ تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے بلال کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کے لئے آؤ۔ اس خواب نے

اس عاشق صادق کا دل و دماغ جھنجوڑ ڈالا۔ پرانے زخم ہرے ہو گئے
بیتابانہ مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر فراق
حبیب میں گریہ و بکا کرتے تھے اور اپنے محبوب کے نواسوں حسنین
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چوم چوم کر پیار کرتے تھے۔ انھوں نے خواہش کی کہ
کل صبح کی اذان روضۂ رسولؐ پر آپ دیں۔ بلالؓ اپنے مطلوب و محبوب کے
جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ صبح کو اذان کے لئے کھڑے
ہو گئے۔ تمام مدینہ ان کی اذان سننے کے لئے اُمڈ آیا۔ اذان شروع ہوتے
ہی مدینہ میں قیامت بپا ہو گئی۔ رسولِ اکرمؐ کا عہدِ مبارک لوگوں کی آنکھوں کے
سامنے آ گیا۔ جب حضرت بلالؓ نے روضۂ اقدس کی طرف انگلی کا اشارہ
کرکے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا تو پردہ نشین خواتین بھی بیتاب
ہو کر پردوں سے نکل آئیں۔ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔
ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہادیٔ برحق آج ہی دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی رحلت کے بعد ایسا دلدوز اور پراثر منظر آج
تک دیکھنے میں نہیں آیا جس دن حضرت بلالؓ نے سفرِ آخرت اختیار کیا
فاروقِ اعظمؓ روتے روتے نڈھال ہو گئے بار بار فرماتے تھے "آہ آج ہمارا
سردار بلال بھی ہمیں داغِ جدائی دے گیا۔"

حضرت سعید بن زیدؓ

(۱)

حضرت ابوالاعور سعید بن زیدؓ ان دس جلیل القدر ہستیوں میں سے ہیں جن کا نام لے کر سرورِ دو عالمؐ نے جنت کی بشارت دی۔ وہ ایک ایسے پاک نفس باپ کے فرزند تھے جس نے ظہورِ رسالت سے پہلے ہی بتکدۂ عرب میں دینِ حنیف کا جلوہ دیکھا تھا۔ زید بن عمرو بت پرستی سے سخت متنفر تھے اور ہر وقت دینِ حق کی جستجو میں رہتے تھے۔ لوگوں کو دختر کشی سے منع کرتے یہاں تک کہ معصوم بچیوں کی جان بچانے کے لئے خود ان کے کفیل بن جاتے۔ ہادیٔ برحقؐ نے ابھی دعوتِ اسلام کا باقاعدہ آغاز نہیں فرمایا تھا کہ زید نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اب دینِ حق کی خدمت ان کے فرزند سعیدؓ کے حصے میں آئی۔ جونہی فخرِ کائناتؐ نے مکہ میں صدائے توحید بلند کی۔ سعید لبیک کہ کر آگے بڑھے اور دینِ حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے۔ حضرت سعیدؓ کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب تھیں۔ وہ حضرت عمرؓ فاروق کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور نہایت عاقلہ، فاضلہ اور سلیم الفطرت خاتون تھیں۔ انھوں نے بھی اپنے شوہر

کا ساتھ دیا اور دونوں میاں بیوی سابقون اولون میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا۔ اور وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت خباب بن ارتؓ کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے۔ ان دنوں فدائیانِ توحید پر بڑے ابتلا کا وقت تھا۔ مشرکین کی شرانگیزیوں سے بچنے کے لئے رسول اکرمؐ چند جان نثاروں کے ہمراہ کوہ صفا کے دامن میں حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ کے گھر مقیم تھے۔

حضرت فاطمہؓ کے شجاع بھائی عمر بن خطابؓ ابھی تک کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹک رہے تھے۔ رسول اکرمؐ کے بہادر چچا حضرت حمزہؓ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے۔ ایک دن مکہ میں ایک عجیب واقعہ ہوا جو بڑے دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ رسول کریمؐ کوہ صفا کے دامن میں (یا بروایت دیگر خانہ کعبہ میں) لوگوں کو دعوت توحید دے رہے تھے کہ ابوجہل آ پہنچا اس نے سرورِ کائناتؐ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر دی مٹی اور گوبر پھینکا اور حضورؐ کے رخسار مبارک پر طمانچہ مارا۔ کمبخت نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ایک پتھر بھی کھینچ مارا جس سے حضورؐ زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ اس وقت شکار پر گئے ہوئے تھے۔ جب شکار سے لوٹ رہے تھے تو عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے انہیں بتایا کہ تمہارے بھتیجے کو آج ابوجہل نے بہت ستایا ہے۔ افسوس کہ بنی ہاشم کے یتیم کی حمایت میں کوئی ہاتھ بلند نہیں ہوا۔ حضرت حمزہؓ رسول اکرمؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ خون اور دودھ کے جوش نے انہیں بیقرار

کر دیا۔ فوراً اپنی کمان کھینچ کر ابوجہل پر چڑھ دوڑے وہ اس وقت قریش کے ایک مجمع میں بیٹھا لاف زنی کر رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ جوش اور غصہ سے بھرے ہوئے اس پر لپکے اور اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ لہولہان ہوگیا۔ بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اور اس کی جان بچالی۔ یہاں سے حضرت حمزہؓ سیدھے رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے اور کہا برادرزادے میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ عمِ محترم میرا دل تو تب ٹھنڈا ہوگا جب آپ بت پرستی ترک کر کے آغوشِ اسلام میں آ جائیں گے۔"

حضرت حمزہؓ نے کہا: "تو بھتیجے خوش ہو جاؤ کہ میں تمہاری دعوت قبول کرتا ہوں اور خدا اور خدا کے رسولؐ پر ایمان لاتا ہوں۔"

(۲)

حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کی خبر سن کر مشرکین میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ادھر مسلمانوں کے قلوب انبساط و ابتہاج سے معمور ہو گئے۔ سرورِ کونینؐ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگی "اے اللہ قریش کے دو ستونوں عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں سے بھی کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا کہ اس سے تیرے دین کو تقویت پہنچے۔"

ادھر ابوجہل نے مشرکین کو جمع کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"یا معشر قریش! ہماری رکاوٹوں کے باوجود محمد کا دین پھیلتا ہی جاتا ہے اور ہمارے بڑے بڑے بہادر ہمارے ہاتھوں سے نکلے جاتے ہیں۔ کیا ہی خوب ہو کہ اس فتنے کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص محمدؐ کو قتل کر کے اس کا سر میرے پاس لائے گا تو اسے ایک سو اونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی انعام دوں گا۔"

حضرت عمر بن خطابؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ شجاعانِ عرب میں شمار ہوتے تھے ابوجہل کی اشتعال انگیز تقریر سن کر خون نے جوش مارا۔ تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "اس کام کو میں انجام دوں گا۔"

یہ کہہ کر شمشیر بدست خانۂ ارقم کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ان کے قبیلہ بنو عدی کے ایک شخص نعیم بن عبداللہ مل گئے[1] وہ دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تیور دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے پوچھا "عمر کدھر کا قصد ہے؟"

حضرت عمرؓ:- میں آج اس شخص کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں جس نے قریش کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔

نعیمؓ:- تم نے محمدؐ کو قتل کر دیا تو کیا بنی ہاشم تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔

حضرت عمرؓ:- مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم بھی بے دین ہو گئے ہو۔ کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑا دوں۔

نعیمؓ:- تم مجھ کو تو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ یہ بزرگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔

اسلام تو تمہارے اپنے گھر میں داخل ہو چکا ہے "

(۳)

حضرت عمرؓ کو نعیمؓ کی باتیں سن کر بہت تاؤ آیا۔ سیدھے سعید بن زیدؓ کے گھر پہنچے۔ اس وقت حضرت خبابؓ بن ارت بھی حضرت سعیدؓ کے گھر آئے ہوئے تھے۔ اور دروازہ اندر سے بند کر کے سعیدؓ اور فاطمہؓ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے تلاوتِ قرآن کی آواز سنی، قرآن کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ دروازے پر زور سے دستک دی تینوں پرستارانِ حق سمجھ گئے کہ یہ عمرؓ ہیں۔ خبابؓ تو گھر کے پچھلے حصے میں چلے گئے اور حضرت فاطمہؓ نے کلامِ پاک کے اجزا جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا "یہ کیا آواز تھی؟" حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے ان کا منہ تکنے لگے۔

اب حضرت عمرؓ کے مزاج کا پارہ کھولاؤ کے درجے تک جا پہنچا۔ بولے "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو گئے ہو۔ میں تمہیں اس حرکت کا مزا چکھاتا ہوں"

یہ کہہ کر وہ حضرت سعید بن زیدؓ سے لپٹ گئے اور بالوں سے پکڑ کر انہیں زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت

فاطمہؓ شوہر کو پٹتے دیکھ کر بے تاب ہوگئیں اور بھائی کے ہاتھ سے انہیں چھڑانے کے لیے آگے بڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے جوشِ غضب میں ہاتھ کی لکڑی فاطمہؓ کے چہرے پر دے ماری۔ وہ لہولہان ہوگئیں لیکن استقلال کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں بولیں۔

قد اسلمنا وتابعنا محمداً افعل ما بدا لك

(ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلعم کی متابعت اختیار کر لی ہے تو جو کر سکتا ہے کر لے) اسلام کا نقشِ ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔

حضرت عمرؓ پر خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر بہت اثر ہوا۔ غصہ دھیما پڑ گیا۔ بولے "اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا "ہم خدا کا پاک کلام پڑھ رہے تھے۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کرو۔ اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے"

حضرت عمرؓ نے اسی وقت غسل کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورۂ طٰہٰ[1] ان کے سامنے آئی اسے ہی

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے سورۃ الحدید کی تلاوت کی اور وهو عليم بذات الصدور آمنوا بالله ورسوله تک پہنچے تو صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

پڑھنا شروع کیا۔

ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پہ لرزہ طاری ہو گیا۔ دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآن کریم کی شوکت الفاظ، ندرت بیان اور فصاحت زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی جب اس آیت پہ پہنچے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

"میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کر"

تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار پکار اٹھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

حضرت خبابؓ جو اندر چھپے ہوئے تھے اب باہر نکلے اور کہا۔

"اے عمر مبارک ہو کہ رسول اکرمؐ کی دعا تیرے حق میں قبول ہو گئی حضورؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ اے مولا کریم عمرو بن ہشام یا عمر بن خطابؓ میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔"

حضرت عمرؓ نے لجاجت آمیز لہجہ میں حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے جلد رسول اکرمؐ کی خدمت میں لے چلو۔

(۲)

خبابؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر خانۂ ارقم کی طرف روانہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ صحابہ کرامؓ نے دروازہ کھولتے ہیں تامل کیا۔ حضرت حمزہؓ نے تلوار کھینچ لی۔ اور کہا کہ عمر کی نیت اگر نیک نہیں ہے تو اس تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ حضرت عمرؓ اندر داخل ہو گئے۔ خبابؓ پیچھے رہ گئے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا۔ عمر کس نیت سے آئے ہو؟ حضرت عمرؓ کو جلالِ نبوت نے کپکپا دیا۔ دست بستہ عرض کی "یا رسول اللہ ایمان لانے کے لئے" حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے صحابہؓ کو بے حد مسرت ہوئی۔ انہوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔

حضرت عمرؓ اسلام کا ایک عظیم ستون ثابت ہوئے۔ انہوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا اور فاروق اعظمؓ کے عظیم الشان لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے قبولِ اسلام میں حضرت سعید بن زیدؓ اور فاطمہؓ بن خطاب کا بہت حصہ ہے۔ یہ انہی کی استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے سخت مزاج آدمی کا دل بھی پگھل گیا۔

(۵)

حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ نے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت سعیدؓ کو جنگ بدر کے موقع پر سرورِ کائنات نے ایک خاص کام کے لئے شام بھیجا ہوا تھا۔ اس لئے وہ جنگ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ باقی سب غزوات میں شرکت کی۔

صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انہوں نے شام کی خونریز جنگوں میں شرکت کی۔ اور اس شجاعت اور جانبازی سے لڑے کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔ ایک دفعہ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن حضرت سعیدؓ کے دل میں شوق جہاد کی آگ بھڑک رہی تھی دمشق کی حکومت سے استعفا دے دیا اور پھر میدان جہاد میں پہنچ گئے۔ فتح شام کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے اور سیاست ملکی میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ ۵۱ھ میں ستر سال کی عمر پا کر پیک اجل کو لبیک کہا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(۱)

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعودؓ تاریخ اسلام کے درخشندہ آفتاب ہیں آپ عشقِ خدا، محبتِ رسول اور شغفِ قرآن میں ایک مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ قبول اسلام سے پہلے آپ عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے دعوتِ حق کی ابتدا میں ایک دن سرورِ کونینؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں عبداللہ بن مسعود بکریاں چرا رہے تھے۔ صدیق اکبرؓ نے تشنگی رفع کرنے کے لئے عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ دودھ طلب کیا۔ نوعمر عبداللہ نے جواب دیا "یہ بکریاں کسی اور کی ملکیت ہیں اس لئے مالک کی اجازت کے بغیر میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا۔"

سرورِ کائناتؐ نے فرمایا "کوئی ایسی بکری لاؤ جو دودھ نہ دیتی ہو۔" عبداللہ نے کہا "ایسی بکری ہے تو سہی لیکن آپ ایسی بکری کو کیا کریں گے" حضورؐ نے فرمایا "تم لاؤ تو۔"

عبداللہ نے ایک بکری پیش کی۔ ذاتِ رسالتؐ نے اس کے تھنوں

پر دستِ مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے تھنوں کو دودھ سے بھر دیا۔ صدیق
اکبرؓ نے اس بکری کا دودھ دوہا۔ اتنا دودھ نکلا کہ تینوں نے خوب
سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد حضورؐ کی دعا سے بکری کے تھن پھر خشک
ہو گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ یہ نظارہ دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ ان کی
سرشت دل میں اسلام کا تخم ثبت ہو گیا۔ ایک دن سرورِ کائنات
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی " حضور مجھے بھی اپنی جماعت میں
شامل فرما لیجئے" حضورؐ نے ان کی استدعا قبول فرمائی۔ عبداللہؓ نے
مشرف بایمان ہو کر نہایت ذوق و شوق سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔
اس وقت صرف چند سعید الفطرت ہستیاں ہی مشرف باسلام ہوئی
تھیں۔ اور ہادیٔ اکرمؐ کے سوا کسی فرزندِ توحید کی جرأت نہ تھی کہ بلند
آواز سے قرآن حکیم پڑھ سکے۔ ایک دن شمعِ نبوت کے پروانوں نے
باہم مشورہ کیا کہ قریش کے کانوں میں آج تک قرآن حکیم کی آواز نہیں
پڑی۔ کوئی ایسی صورت ہو کہ ان کے کانوں کو کلامِ الٰہی سے آشنا
کیا جائے۔

عاشقِ قرآن عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا "اس کام کو میں انجام دوں گا"۔
صحابہؓ نے کہا۔ یہ کام بڑا کٹھن ہے ایسا نہ ہو کہ تم کسی مصیبت
میں مبتلا ہو جاؤ۔ تمہارا قبیلہ اتنا طاقتور اور وسیع نہیں ہے کہ تمہیں مشرکین
کے پنجۂ ستم سے نجات دلا سکے"۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے جوشِ ایمان سے سرشار ہو کر کہا۔ مجھے جانے دو۔

جو اللہ کو منظور ہے وہی ہوگا۔ مجھے اسی کا آسرا ہے۔"
صحابہؓ ان کا جوشِ ایمانی دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

(۲)

دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے بعد جب تمام مشرکین قریش ایک جگہ جمع تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نہایت بلند آہنگی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔

مشرکین یہ نامانوس کلام سن کر بہت حیران ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "یہ تو وہ کتاب پڑھ رہا ہے جو محمدؐ پر اتری ہے۔"

یہ سن کر سارا مجمع جوشِ غضب سے بیقرار ہو گیا اور عبداللہ بن مسعودؓ پر ٹوٹ پڑا۔ مظلوم عاشقِ قرآن کو اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ متورم ہو گیا اور جسم کے کئی حصوں سے خون بہہ نکلا۔ لیکن جوشِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ چوٹیں کھاتے تھے اور قرآن خوانی جاری تھی حتیٰ کہ مشرکین مارتے مارتے تھک گئے۔ عبداللہ اس وقت خاموش ہوئے جب قرآن کی سورۃ جو انہوں نے شروع کی تھی۔ ختم ہو گئی۔

جب وہ خستہ و پریشان حال صحابہ کرامؓ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا "ہم کو اسی بات کا خدشہ تھا اور اسی لئے ہم تمہیں جانے سے روکتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "خدا کی قسم مشرکین آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہیں ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کل پھر ان کو کلام الٰہی سناؤں گا"

صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ "جو کچھ تم نے کیا ہے وہ بہت کافی ہے اب پھر تمہارے جانے کی ضرورت نہیں۔ جس کلام کا سننا مشرکین کو ناگوار تھا تم نے ان کے کانوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا"

عبداللہؓ نے اپنے رفقاء کے اصرار سے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کر لی لیکن کفّار بھلا انہیں کب چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ آخر سرورِ کائنات نے انہیں حبش کو ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ارشادِ نبوی کی تعمیل میں حضرت عبداللہؓ نے دو مرتبہ حبش کی غریب الوطنی اختیار کی۔ ہجرت نبوی کے بعد تیسری مرتبہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

(۳)

مدینہ پہنچ کر فدائے ملت عبداللہ بن مسعودؓ نے تمام غزوات میں نہایت جوش و خروش سے حصّہ لیا۔ غزوۂ بدر میں جب دو انصاری نوجوانوں نے ابوجہل کو تہ تیغ کیا تو عبداللہ بن مسعودؓ بھی سرورِ کائنات کے حکم کی تعمیل میں ابوجہل کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ گئے۔ ابوجہل اس وقت دم توڑ رہا تھا عبداللہ بن مسعودؓ اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس کی داڑھی

پکڑ کر کہنے لگے۔ "او دشمن خدا تو ہی ابوجہل ہے۔ خدا نے تجھے خوب ذلیل کیا ہے"

ابوجہل نے کہا، "کاش مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا۔"[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کی بات سن کر اس کی گردن پہ اپنا پاؤں رکھ دیا۔

ابوجہل نے کہا "اے بھیڑیں چرانے والے تو بہت اونچی جگہ چڑھا ہے اتنا تو بتا کہ فتح کس کو ہوئی ہے"

عبداللہؓ نے جواب دیا "او دشمن خدا ——— اللہ اور اس کے رسول کو"

اتنا سن کر ابوجہل بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور سرورِ کائنات کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ حضورؐ نے ابوجہل کے ناپاک سر کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ۔ (حمد و ثنا کے لائق وہ اللہ ہے جس نے اے دشمن خدا تجھے ذلیل کیا)

پھر فرمایا "مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" (اس امت کا فرعون مر گیا)

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نہایت جوش اور پامردی

---

[1] کسان سے مراد انصار تھے۔ انصار کو زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے قریش حقیر سمجھتے تھے۔

کے ساتھ اُحد، خندق اور خیبر کے غزوات میں حصّہ لیا۔ حدیبیہ اور فتح مکہ میں بھی سرورِ کونین کے ہمرکاب تھے۔

(۴)

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں حنین کا خونریز معرکہ پیش آیا۔ اس کے اسباب یہ تھے کہ ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبائل کو شیطان نے بہکایا کہ اگر تم مسلمانوں کو شکست دے دو تو اہلِ مکہ کے جتنے باغات اور جاگیریں طائف میں ہیں وہ تمہارے قبضہ میں آجائیں گی اور خدائے واحد کے پرستاروں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے بنی ہلال، نصر، جشم اور بنی مضر کے قبیلوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ اور ہزارہا جنگجوؤں کی فوج لے کر مکہ کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ مقام اوطاس میں پہنچے تھے کہ سرورِ کائنات کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع مل گئی۔ حضور نے فوراً جنگ کی تیاری کی اور بارہ ہزار فرزندانِ توحید کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ اسلامی فوج میں مکے کے دو ہزار نومسلم بھی شامل ہو گئے تھے۔ کئی مسلمانوں کو اپنی قوت اور کثرتِ تعداد پر غرور سا تھا اور بار بار ان کی زبان سے نکلتا تھا۔

"آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"

اللہ کو یہ نازش پسند نہ آئی اور انہیں ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ جب لشکرِ اسلام وادیٔ حنین میں پہنچا تو وادی کے دونوں جانب

کمین گاہوں میں دشمن کے سپاہی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جب مسلمانوں کے ہراول دستے ان کی زد میں آئے تو انہوں نے بے پناہ تیر اندازی شروع کر دی۔ پھر کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہراول دستوں میں زیادہ تعداد نو مسلموں کی تھی وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے دوسرے مسلمان بھی حواس باختہ ہو گئے اور اکثر نے راہ فرار اختیار کی۔ اس نازک وقت میں سرور دو عالمؐ کوہ استقلال بن کر میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک مختصر سی جماعت آپ کے گرد فدویت کے جوہر دکھا رہی تھی۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ بھی شامل تھے۔ اس افرا تفری کے عالم میں سرور کائنات بآواز بلند فرما رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

حضورؐ اس وقت اپنے سفید خچر دلدل پر سوار تھے اس کی باگ حضرت ابوسفیان بن الحرثؓ نے تھام رکھی تھی کہ یکبارگی آگے نہ بڑھ جائے۔ لیکن دلدل بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کی طرف ہٹتا تھا۔ اسی حالت میں حضورؐ ایک دفعہ زین سے جھکے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ بیتاب ہو گئے۔ اور پکار کر کہا آپ سربلند ہیں اللہ نے آپ کو رفعت عطا فرمائی۔

حضورؐ نے فرمایا "عبداللہ مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو"۔

حضرت عبداللہؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ حضورؐ نے یہ خاک مشرکین کی طرف

پھینکی۔ ان کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں۔

اس کے بعد حضور نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا بروایت دیگر حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔

انہوں نے آواز بلند پکارنا شروع کیا

یا معشر الانصار　　　یا اصحاب الشجرۃ

اے جماعت انصار　　　اے اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان کرنے والو

پھر ہر قبیلہ کا نام لے لے کر بلانا شروع کیا۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مسلمان دفعۃً پلٹ پڑے اور کفار کو اپنی تلواروں پہ رکھ لیا۔ مشرکین نے بری طرح شکست کھائی اور اپنے بے شمار مقتولین میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بے حساب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اللہ تعالے نے اپنے کلام پاک میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکفرین ○ (توبہ)

"اور حنین کا دن یاد کرو جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن وہ کچھ کام نہ آئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں نازل کیں جو تم کو نظر نہ

آئیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا یہی ہے۔"

(۵)

جب سرورِ کائنات نے رحلت فرمائی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دل شکستہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں جذبۂ جہاد نے ابھارا اور ۱۵ھ میں لشکر مجاہدین میں شامل ہو کر شام پہنچے۔ یرموک کی ہولناک جنگ میں انہوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور نہایت ثابت قدمی اور جوش و تندہی سے داد شجاعت دی میدان جہاد سے واپس آئے تو فاروق اعظمؓ نے ۲۱ھ میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا اور ساتھ ہی نظارت خزانہ اور مسلمانوں کی تعلیم مذہبی کے شعبے بھی آپ کو تفویض کئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پورے دس سال تک اپنے فرائض نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے کسی بات پر آپ کو اس عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ ان کی معزولی کی خبر سن کر کوفہ میں ماتم بپا ہو گیا۔ لوگوں نے جمع ہو کر کہا۔

"آپ کوفہ سے نہ جائیں ہم سب آپ پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے"

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "میں امیر المؤمنین کی حکم عدولی کر کے در فتنہ ہرگز نہ کھولوں گا"

یہ فرما کر حج بیت اللہ کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے جب ربذہ کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابو ذر غفاریؓ کا دم واپسیں تھا۔ ان کی بیوی

نے عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے شوہر نامدار کی تجہیز و تکفین کے لئے بلایا۔ حضرت عبداللہ رضؓ اور ان کے ساتھی ابوذر رضؓ کا اسم گرامی سن کر "ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں" کہہ کر حضرت ابوذر رضؓ کی طرف لپکے انہوں نے اپنے کفن دفن کے متعلق ہدایات دیں اور پیک اجل کو لبیک کہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر انہیں آخری آرامگاہ میں پہنچایا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ دن رات یاد خدا میں مشغول رہتے۔ ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آپ سرور کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہیں اور حضورؐ فرماتے ہیں "ابن مسعود میرے بعد تمہیں تکلیف پہنچائی گئی آؤ میرے پاس چلے آؤ"۔ عبداللہ بن مسعود رضؓ نے یہ خواب سن کر فرمایا "میرا وقت آخر قریب ہے تم میرے جنازہ میں شریک ہو گے"۔

اس کے بعد جلد ہی صاحب فراش ہو گئے۔ جب علالت تشویشناک صورت اختیار کر گئی تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ دونوں بزرگوں کے تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضؓ نے دو سال سے ان کا وظیفہ بھی بند کر دیا تھا۔ عیادت کے موقع پر دونوں بزرگوں کے مابین یہ گفتگو ہوئی

حضرت عثمان رضؓ: آپ کو کیا بیماری ہے؟

ابن مسعودؓ: اپنے گناہوں کی

حضرت عثمان رضؓ: آپ کس چیز کے طلبگار ہیں؟

ابن مسعودؓ۔ خدا کی رحمت کا۔

حضرت عثمانؓ۔ آپ کے لیے معالج بھیجوں ؟

ابن مسعودؓ۔ معالج ہی نے تو مجھے صاحب فراش کیا ہے

حضرت عثمانؓ۔ آپ کا وظیفہ جاری کردوں ؟

ابن مسعودؓ مجھے اس کی حاجت نہیں

حضرت عثمانؓ۔ آپ کی بچیوں کے کام آئے گا

ابن مسعودؓ۔ آپ میری لڑکیوں کی عسرت اور احتیاج کی فکر نہ کریں۔ میں نے انہیں ہدایت کردی ہے کہ ہر شب کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرلیا کریں میں نے سرور کائناتؐ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ کی ایک دفعہ تلاوت کرے گا۔ وہ کبھی فقر و عسرت میں مبتلا نہ ہوگا"۔

اس گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہوگئے۔ چند دنوں کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رہگرائے عالم بقا ہوئے۔

(۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آسمانِ علم و فضل کے مہر منیر تھے۔ اُس دور میں وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم تسلیم کئے جاتے تھے۔ رسول کریمؐ نے ایک موقع پر فرمایا قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو۔ ان میں سب سے پہلے آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا نام لیا۔ وہ

خلوت وجلوت ہر موقع پر حضورؐ کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے۔ حضورؐ نے انہیں اپنے خدام خاص میں شامل فرمالیا تھا۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں سورہ نساء پڑھ رہے تھے۔ سرور کائناتؐ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی معیت میں مسجد تشریف لائے اور حضرت ابن مسعودؓ کے انداز تلاوت سے بے حد خوش ہوئے۔ ایک اور موقع پر حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سورۂ نساء پڑھوا کر سنی اور شدت تاثر سے حضورؐ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔ روایت حدیث میں آپؓ بے حد محتاط تھے۔ حدیث بیان کرتے وقت سرورکونینؐ کا اسم گرامی آتا تو ان کے بدن پر رعشہ طاری ہو جاتا۔ فاروق اعظمؓ ان کے متعلق فرمایا کرتے۔

"کیف ملئ علما" (ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے)

ایک دفعہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود کے زہد و اتقا اور خلق و حلم کی بے حد تعریف کی۔ شیر خدا نے فرمایا "تم لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے میں عبداللہ کو اس سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہوں۔ انہوں نے قرآن پڑھا۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا۔ وہ سنت کے عالم اور دین کے فقیہ تھے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سنت نبوی کی پیروی میں بے حد اہتمام فرماتے تھے۔ ان کی غذا نہایت درجہ صاف طیب اور سادہ ہوتی تھی۔ کثرت عبادات اور تلاوت قرآن مجید میں بہت کم لوگ ان کے برابر تھے۔ تفسیر، حدیث اور تفقہ فی الدین میں ان کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ انہیں بہت پتلی تھیں

کچھ لوگ ایک دن ان کی پتلی ٹانگوں کو دیکھ کر ہنسے۔ حضورؐ نے فرمایا: "تم ان کی پتلی ٹانگوں کو دیکھ کر ہنستے ہو۔ قیامت کے دن یہی ٹانگیں میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔"

حضرت طلحہؓ بن عُبید اللہ

(۱)

حضرت ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ ان دس جلیل القدر اصحاب میں سے ایک ہیں جنہیں سرورِ کائنات نے نہایت واضح الفاظ میں جنتی ہونے کی بشارت دی۔ جب آپ کی مسیں بھیگ رہی تھیں اور بمشکل سترہ یا اٹھارہ برس کا سن تھا۔ آپ بغرض تجارت بُصریٰ (واقع شام) تشریف لے گئے۔ اس وقت دینِ حق کا غلغلہ مکہ میں بلند ہو چکا تھا۔ حضرت طلحہؓ نے نوعمری کی وجہ سے دینِ حق کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ بصریٰ میں حضرت طلحہ کی ملاقات ایک راہب سے ہوئی۔ اس نے ان سے پوچھا۔ کیا تمہارے شہر میں احمد نبیؐ ظاہر ہو چکے ہیں؟ یہ راہب صحائفِ آسمانی کا زبردست عالم تھا اور اپنے علم کی بنا پر اس کا اندازہ تھا کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہو چکے ہیں۔

حضرت طلحہؓ نے پوچھا "کون احمد نبیؐ؟"

راہب نے کہا "احمد بن عبد اللہ۔ دیکھو اے نوجوان تمہارے شہر میں اگر کوئی شخص رسالت کا دعویٰ کرے تو اس پر ایمان لانے میں ہرگز دیر نہ کرنا کیونکہ یہ شخص خدا کا برگزیدہ اور آخری نبی ہوگا۔"

حضرت طلحہؓ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے راہب کا بیان سن کر مکہ پہنچنے میں بڑی عجلت برتی۔ وہاں ہر طرف چرچا تھا کہ محمد بن عبد اللہ نے ایک نیا دین نکالا ہے۔ بتوں کو برا کہتا ہے اور ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے۔ ابوبکر بن ابی قحافہ نے یہ نیا دین اختیار کر لیا ہے۔

میں فوراً حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں گیا اور ان سے رسول اللہؐ کی دعوت کی تفصیل پوچھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے دعوت حق سے آگاہ کیا اور کہا کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے صدق و صفا اور فیض صحبت نے حضرت طلحہ رضہ کے دل سے تمام شکوک رفع کر دئے اور ایک دن وہ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو گئے۔

حضرت طلحہ رضہ کے والد اس وقت وفات پا چکے تھے اور وہ اپنے بڑے بھائی عثمان بن عبید اللہ کی سرپرستی میں تھے۔ جب اسے ان کے اسلام لانے کی خبر ملی تو سخت غضبناک ہوا۔ اور انہیں سخت اذیتیں دینی شروع کیں۔ رسی سے باندھ کر انہیں بے تحاشا پیٹتا تھا اور کہتا تھا محمدؐ کا دین چھوڑ دو ورنہ تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔ لیکن طلحہؓ کو توحید کا نشہ کچھ ایسا چڑھا تھا کہ کسی ڈھب سے نہ اترا۔ اور وہ سنگین چٹان کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے۔ جب حضورؐ نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت طلحہؓ نے بھی متابعت رسول میں مدینہ کی غریب الوطنی اختیار کی۔

(۳)

جنگِ احد میں جب مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی۔ تو حضرت طلحہ رضوان چند اصحاب میں سے تھے جو شمعِ رسالت کے گرد پروانوں کی طرح جمع تھے۔ رسول اللہ کی حفاظت میں انہوں نے بے مثال شجاعت اور جاں نثاری دکھائی حضور کی طرف جو تیر آتا اسے اپنی ہتھیلی پر روکتے برچھی اور تلوار کے وار کے سامنے اپنے سینے کو ڈھال بنا لیتے۔ اور اپنی مقدس تلوار سے کفار کے دل بادل کو ذاتِ رسالت سے پرے ہٹا دیتے۔ کفار کے تیروں تلواروں کے وار روکتے روکتے ہاتھوں کی کچھ انگلیاں کٹ گئیں اور کچھ شل ہو گئیں اس وقت بے اختیار زبان سے نکلا:

"حسن"۔ اچھے خوب ہوا"

جب مشرکین کے حملوں کی شدت کم ہوئی تو حضرت طلحہ رضہ کو ایک اور عظیم سعادت نصیب ہوئی وہ خود بھی زخموں سے چور چور تھے لیکن سرورِ کائنات کا استقدر خیال تھا کہ اس حالت میں بھی حضور کو اپنی کمر پر سوار کر کے جبلِ احد پر ایک محفوظ مقام پر لے آئے۔ لڑائی کے بعد ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کیے گئے حضور نے اس جانبازی کے عوض انہیں "خیر" کا لقب عطا فرمایا۔ فاروق اعظم رض انہیں "صاحبِ احد" کے لقب سے خطاب کیا کرتے۔

جنگِ احد کے بعد حضرت طلحہ رض نے جنگِ حنین میں بھی نہایت ثابت

فدائی سے حق جانثاری ادا کیا۔

حضرت طلحہ رضؓ نے راہ خدا میں مال کی قربانی میں بھی بے پناہ ایثار سے کام لیا۔ ہر غزوہ کے موقع پر وہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر اپنا مال راہ خدا میں پیش کرتے تھے۔ حضورؐ نے ان کی اس وسعت قلب کی وجہ سے انہیں "فیاض" کا لقب مرحمت فرمایا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه یعنے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا اسے پورا کر دکھایا۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔

تو حضرت طلحہ رضؓ سے مخاطب ہو کر حضورؐ نے فرمایا۔

"طلحہ رضؓ تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی"۔

حضرت طلحہ رضؓ جنگ جمل میں رتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور میدان جنگ میں ہی مدفون ہوئے۔ یہ جگہ نشیب میں تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایک مرد مومن نے خواب میں حضرت طلحہ رضؓ کو دیکھا کہ وہ اسے وہاں سے اپنی لاش منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ اس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے ذکر کیا۔ حضرت عبداللہ نے دس ہزار درہم میں ایک مکان خرید کر حضرت طلحہ رضؓ کا جسد مبارک وہاں منتقل کر دیا۔ جب قبر کھودی گئی تو جسد مبارک بالکل محفوظ تھا حتیٰ کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی اسی حالت میں تھا

حضرت مقداد بن عمروؓ

"یا رسول اللہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جا اور اپنے خدا کو ساتھ لے کر لڑ ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے۔ آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے۔ واللہ جب تک ہماری جان میں جان ہے آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے"

جنگ بدر سے کچھ دیر پہلے ایک دراز قد تنومند اور وجیہ شخص رسول کریمؐ کی خدمت میں یہ الفاظ کہہ رہے تھے اور فرط مسرت سے حضورؐ کا رخ اقدس چمک رہا تھا۔ یہ عاشق رسول حضرت مقداد بن عمروؓ تھے۔ مقدادؓ بہراء کے رہنے والے تھے لیکن کسی وجہ سے ان کا خاندان مکہ میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ مکہ میں آباد ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ غلغلۂ توحید بلند ہوا۔ اس وقت اسلام قبول کرنا گویا جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ لیکن جس دل کو اللہ نے اپنی محبت سے معمور کر رکھا تھا وہ صدائے توحید پر لبیک کہنے سے کیسے باز رہ سکتا تھا

حضرت مقدادؓ کے سینے میں ایسا ہی دل دھڑک رہا تھا۔ انہوں نے فوراً خدائے واحد پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ مشرکین کو بھلا کب گوارا ہو سکتا تھا کہ ان کا ایک غریب الوطن حلیف محمدؐ کا دین قبول کر لے۔ حضرت مقدادؓ کی جان کے دشمن بن گئے اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ حضرت مقدادؓ نے تمام مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور پرچم توحید کو اور بھی مضبوطی سے تھام لیا۔ جب مشرکین کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے تو وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کچھ عرصہ وہاں گذارنے کے بعد مکہ واپس آگئے۔ رسول کریمؐ کی ہجرت کے بعد بعض مجبوریوں کی بنا پر تقریباً دو سال مکہ ہی میں رہے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب قریش نے جاسوسوں کا ایک دستہ مدینہ کی طرف روانہ کیا تو یہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر مشرکین کی نظر بچا کر راہ فرار اختیار کی، اور سیدھے رحمت دو عالمؐ کی خدمت اقدس میں جا پہنچے۔ بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضورؐ نے اپنے جان نثاروں سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے ولولہ انگیز تقریریں کیں اور ان کے بعد حضرت مقدادؓ نے وہ مجاہدانہ اور مخلصانہ الفاظ کہے جو اوپر درج ہو چکے ہیں۔ جنگ بدر میں حضرت مقدادؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ باقی تمام نفوس قدسی پیدل تھے۔ انہوں نے لڑائی میں اپنی شہسواری، اور نیزہ بازی کے وہ کرتب دکھائے کہ دشمن ہراساں ہو گیا۔ جدھر بھی پڑتے تھے کفار کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے تھے۔ لڑائی سے پہلے جو عہد

انہوں نے سرورِ کائنات سے باندھا تھا اپنی جانبازی سے اسے پورا کر دکھایا۔
جنگِ بدر کے بعد حضرت مقدادؓ نے اسد احزاب اور دوسرے مشہور غزوات
میں نہایت پامردی اور استقلال سے حقِ شجاعت ادا کیا۔ ان کی بے مثل
شجاعت کی وجہ سے وہ ایک ہزار سپاہیوں کے برابر مانے جاتے تھے۔
حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں یہ آفتابِ شجاعت ہمیشہ کے
لئے غروب ہو گیا۔ خلیفۂ وقت نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنگِ بدر میں حضرت
مقدادؓ کے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ عشقِ رسولؐ کا مظہر تھے۔ دوسرے
صحابہؓ ان پر رشک کیا کرتے تھے کہ اے کاش یہ الفاظ ہمارے منہ سے
نکلے ہوتے۔ رسولِ کریمؐ کو مقدادؓ اتنے محبوب تھے کہ حضورؐ نے اپنی بنتِ عم ضباعہؓ
بنت زبیر سے ان کی شادی کر دی تھی۔ رسولِ کریمؐ کی شفقت کی وجہ حضرت
مقدادؓ کے بے مثل جذبۂ فدویت تھا۔ ان ہستیوں کی خوش بختی کا کیا کہنا جو محبوب
خدا کی محبوب تھیں۔

حضرت عمیر بن ابی وقاص رضؓ

ابی وقاص مالک بن وہیب کے تین فرزندوں سعدؓ، عامرؓ اور عمیرؓ کو اللہ تعالےٰ نے وہ بلند مدارج عطا کئے کہ جن و ملائک کو ان پر رشک آتا تھا۔ سعدؓ کو جنگ احد کے دن سرورِ کائنات تیر دیتے تھے اور فرماتے تھے "تیر چلاتے سعد میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں"۔ ان کے حقیقی بھائی عامرؓ بھی شمعِ رسالت کے پروانے تھے۔ عمیر ان دونوں سے چھوٹے تھے بدر کے میدان میں جب باطل پورے ساز و سامان کے ساتھ حق پر حملہ آور ہوا تو حضرت عمیرؓ کی عمر صرف سولہ برس کی تھی۔ لیکن دل حق پسند میں باطل سے ٹکرانے کی تمنا انگڑائیاں لے رہی تھی۔ جب علمبردارانِ حق کا لشکر مدینہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت عمیرؓ ادھر ادھر چھپتے پھرتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے دیکھ لیا پوچھا "عمیر چھپتے کیوں پھرتے ہو؟" عمیرؓ نے کہا "بھائی میں اس لڑائی میں رسول اللہ پر اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ڈر ہے کہ کہیں رسول اللہ میری کم عمری کا خیال کر کے لڑائی میں شرکت سے روک نہ دیں"۔

حضرت سعدؓ نے فرمایا "تمہارا شوق شہادت لائق تحسین ہے۔ لیکن

رسول اللہ کی اجازت کے بغیر لڑائی میں شرکت مناسب نہیں تم حضورؐ کی خدمت میں پیش ہو جاؤ شاید اجازت مل جائے"۔

عمیرؓ جب سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا "تم ابھی بچے ہو تم پر جہاد فرض نہیں۔ یہاں مدینہ ہی میں ٹھہرو"۔

حضرت عمیرؓ کو حضورؐ کا ارشاد سن کر بہت مایوسی ہوئی۔ تمنائے شہادت اشکوں کا رنگ اختیار کرکے آنکھوں سے بہ نکلی۔ بے اختیار رونے لگے اور عرض کی "اے خدا کے سچے رسولؐ اللہ مجھے جہاد میں شرکت کے شرف سے محروم نہ فرمائیے"۔

حضورؐ نو عمر عمیرؓ کے اشتیاق جہاد سے بے حد متاثر ہوئے اور ان کو لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

جب لڑائی کا میدان گرم ہوا تو حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے عمیرؓ کے تلوار باندھی۔ حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ "عمیرؓ چھوٹے تھے اور تلوار بڑی تھی میں اس کے تسموں میں گرہیں لگاتا تھا کہ اونچی ہو جائے" نونہال اسلام نے تلوار ہاتھ میں لی اور مردانہ وار صف اعدا میں گھس گئے جوش کا یہ عالم تھا کہ جس طرف رخ کرتے کفار کا دل بادل چھٹ جاتا۔ بڑی دیر تک نہایت پامردی اور جرأت سے لڑتے رہے۔ آخر مشرکوں کا ایک نامی بہادر عمرو بن عبدود جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جھلا کر ان کی طرف آیا اور اپنی تلوار کے ایک وار سے اسلام کے اس نخلِ تازہ کو خاک و خون میں سلا دیا۔ یوں خدائے حکیم نے حضرت عمیرؓ کو فضیلت شہادت عطا

فرما کر ان کی دلی آرزو پوری کردی۔ شہدائے بدر کو اللہ تعالیٰ نے جن مراتب پر فائز کیا ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ کمسن عمیرؓ کا اشتیاقِ جاں سپاری بارگاہ الٰہی میں اتنا مقبول ہوا کہ انہیں شہدائے بدر میں جگہ ملی۔

حضرت عامر بن فہیرہؓ

(۱)

ابو عمرو عامر بن فہیرہؓ ایک سیاہ فام غلام تھے لیکن ان کا باطن نور ایمان سے منور تھا۔ مکہ کے ظلمت کدہ میں جب رسول عربیؐ نے شمع اسلام روشن کی تو عامرؓ فوراً اس شمع کے پروانے بن گئے بیکس غلام تھے۔ مشرکین نے کوئی ظلم نہ تھا جو ان پر نہ توڑا۔ کبھی انہیں سفاکی سے پیٹتے تھے کبھی کانٹوں پر گھسیٹتے تھے۔ عامر اگرچہ ضعیف العمر تھے لیکن انہوں نے نہایت ثابت قدمی اور استقلال سے ان مصائب کو سہارا اور ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے قدم جادۂ حق سے نہ ڈگمگائے۔ ایک دن دستگیر دردمنداں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اس حال میں دیکھ لیا کہ کفار انہیں کانٹے چبھو رہے تھے اور ان کی سفید ریش پکڑ کر طمانچے مار رہے تھے۔ صدیق اکبرؓ کانپ اٹھے اور اسی وقت انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اب عامرؓ تھے اور آستانۂ نبوی تھا۔ دن رات اسی دھن میں رہتے تھے کہ خدا اور خدا کے رسولؐ کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

(۳۱)

جب رسول کریمؐ اور صدیق اکبرؓ ہجرت فرما کر غار ثور میں رونق افروز ہوئے۔ تو حضرت عامرؓ بکریاں چراتے چراتے رات کو غار ثور کے منہ پر لے جاتے اور ان کا دودھ دوہ کر حضور کی خدمت میں پیش کرتے۔ غار ثور سے چلتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں اپنے اونٹ کے پیچھے بٹھا لیا۔ اور یوں انہیں اپنے آقا اور مولا کی معیت میں مدینہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مدینہ پہنچ کر سخت بیمار ہو گئے۔ زندگی کی کوئی امید نہ رہی حضور نے ان کی شدید علالت کی خبر سن کر دعائے صحت فرمائی اور حضرت عامرؓ کو اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی۔

غزوات بدر و احد میں رسول اکرمؐ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ سنہ ۴ھ میں ابو براء کلابی کی درخواست پر حضورؐ نے ستر صحابہ کی ایک جماعت نجد میں تبلیغ حق کے لئے روانہ کی۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ بھی اس جماعت میں شامل تھے جب یہ مقدس گروہ بیر معونہ کے مقام پر پہنچا تو مشرکین کی ایک کثیر جماعت نے اس پر حملہ کر دیا۔ سوائے دو صحابہ کے جو موقع جنگ پر اتفاق سے موجود نہیں تھے سب نے جام شہادت پیا۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ رضؓ ایک شخص جبار بن سلمیٰ کے نیزہ کا شکار ہو گئے۔ جب اس نے پوری قوت سے اپنا نیزہ حضرت عامرؓ کی پشت پر مارا تو انہوں نے گرتے ہوئے بے ساختہ فرمایا۔

فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ "قسم ہے رب کعبہ کی میں اپنی مراد کو پہنچ گیا" جبار یہ فقرہ سن کر حیران رہ گیا۔ کفر کی تاریکی اس کے نہاں خانۂ باطن سے کافور ہو گئی۔ سیدھا مدینہ منورہ پہنچا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کا بیان ہے کہ جب عامر میرا نیزہ کھا کر گرے تو ان کی تڑپتی ہوئی لاش آسمان کی طرف بلند ہو گئی۔ کچھ دیر آسمان و زمین کے درمیان معلق رہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی ہستی ان کی تجہیز و تکفین کا سامان کر رہی ہے۔ کچھ دیر بعد جسد اقدس زمین پر رکھ دیا گیا۔ میں نے یہ نظارہ دیکھ کر سر پیٹ لیا کہ افسوس میں نے اس بے گناہ اور مقدس ہستی کے خون سے ناحق اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ جب تک ذات واحد پر ایمان نہ لاؤں گا اور اپنے گناہ عظیم کی معافی نہ مانگوں گا میرا ضمیر ملامت کرتا رہے گا یہی وجہ میرے اسلام لانے کا باعث ہوئی۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ

مکہ کے رہنے والے ایک قریشی عبدنہم بن عفیف نے جب جام اجل پیا
تو اس نے اپنے پیچھے ایک خوردسال بچہ چھوڑا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبدنہم
کے بھائی نے یتیم بھتیجے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور نہایت شفقت
اور محبت سے اس کی پرورش کی۔ اس بچے کو اللہ تعالے نے فطرت سلیم عطا
کی تھی۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تو مکہ میں دین حق کا آوازہ بلند ہو چکا تھا
عبداللہ کا قلب سلیم دعوت حق سے فی الفور متاثر ہو گیا۔ اور اس نے تکلم
اسلام کو اپنانے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ چچا اپنے آبائی مذہب کا سخت پابند
تھا جب اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ نے محمدؐ کا "نیا دین" قبول کر لیا ہے
تو اسے بلا کر کہا "جان عم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے۔ اگر
یہ سچ ہے تو اس سے بڑھ کر میرے لئے صدمہ کی کوئی بات نہیں۔ کیا میں نے
اسی دن کے لئے تیری پرورش کی تھی کہ اپنے معبودوں کو جھٹلائے۔ بہتر یہی
ہے کہ یہ نیا دین فوراً ترک کر دے ورنہ جو کچھ تجھے دیا ہے سب چھین لوں گا۔"
عبداللہ نے جواب دیا چچا جان اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دامن
توحید تھامنے کی توفیق عطا کی اب تو خواہ میری جان چلی جائے میں اللہ اور

اللہ کے سچے رسول سے منہ نہ موڑوں گا۔"

چچا یہ جواب سن کر غضب ناک ہو گیا۔ اس نے توحید کے متوالے عبداللہ سے سب کچھ چھین لیا۔ حتیٰ کہ ان کے کپڑے تک اتروا لئے صرف کپڑے کی ایک دھجی باقی رہنے دی تاکہ اس سے ستر ڈھانک سکے۔

عبداللہ برہنہ تن لنگوٹی باندھے اپنی ماں کے پاس گئے بیوہ ماں کو اپنے بچے سے بے پناہ محبت تھی۔ جب اپنے لختِ جگر کو اس حال میں دیکھا تو بیتاب ہو گئی۔ اپنی چادر اسے دے کر کہا کہ اپنے جسم پر ڈال لو۔ عبداللہ نے چادر کے دو ٹکڑے کئے ایک کا تہ بند بنایا اور دوسرے کو جسم پر ڈال لیا۔ رات جوں توں گزاری صبح کو نمازِ فجر کے وقت رحمتِ دو عالمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ نماز کے بعد حضورؐ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ عرض کی عبدالعزیٰ بن عبد نہم

حضورؐ پہلے ہی عبداللہ کی مظلومی کا حال سن چکے تھے فرمایا تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادروں والے) ہو؟ عرض کی ہاں یا رسول اللہؐ۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "اچھا تو تم میرے دروازے پر رہا کرو۔" عبداللہؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے۔ انہیں درِ رسولؐ کیا ملا دونوں جہان کی نعمتیں مل گئیں جب تک زندہ رہے آستانۂ نبوی کو نہ چھوڑا۔ ہر وقت پرسوز آواز میں تہلیل و تسبیح اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے۔ حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا "عبداللہ پرسوز قلب رکھنے والوں میں سے ہے"۔ غزوۂ تبوک میں معمولی بیماری کے بعد داعئ اجل کو لبیک کہا۔ حضورؐ نے خود قبر میں اتارا اور دعا فرمائی "اے اللہ میں

اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی دعا سن کر میرا جی چاہا کہ اے کاش عبداللہ ذوالبجادین کی بجائے مجھے موت آجاتی۔

حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ

عتبہ بن ربیعہ مکہ کا ایک نامور رئیس تھا۔ مکہ اور طائف میں اس کی کافی جائداد تھی اور وہ بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ ایک پختہ کار اور شریف آدمی تھا۔ لیکن جب آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تو نامعلوم عتبہ نے کیوں اپنی آنکھیں اس طرف سے بند کر لیں۔ اس کی شرافت کا یہ عالم تھا کہ جب سرور کائنات ﷺ طائف کے سفر میں زخمی ہوئے تو اس نے اپنے باغ میں حضورؐ کو پناہ دی اور انگوروں سے آپ کی تواضع کی۔ لیکن اسلام دشمنی کی یہ کیفیت کہ غزوہ بدر میں وہی عتبہ سب سے پہلے اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید کو ساتھ لے کر لشکر کفار سے نکلا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔

اسی عتبہ کو اللہ تعالے نے ایک سلیم الفطرت بیٹا بھی دے رکھا تھا اس کا نام تھا ہشیم۔ ہشیم کی پرورش عتبہ نے بڑے ناز نعمت سے کی لیکن ہشیم زیادہ اپنی کنیت ابوحذیفہ سے مشہور ہوا۔ رؤسا کے دوسرے لڑکوں کی طرح اوباش اور خود سر نہ تھا بلکہ نہایت متین اور بردبار نوجوان تھا اور اس کی جوانی بے داغ تھی جب مکہ میں دین حق کا آوازہ بلند ہوا تو نیک فطرت ہشیم نے گوارا

دیکھا کہ وہ کفر و شرک کی ظلمتوں میں بھٹکتا پھرے۔ لیکن دعوتِ حق پر لبیک
کہنا کوئی کھیل نہ تھا۔ اس میں تو بہت سے خطرات مضمر تھے۔ ماں باپ اور بھائی بہنوں
سے جدائی ——— عیش و آرام سے محرومی اور مشرکین کا جور و ستم غرض راہ
حق اپنانا ایک مصیبت مول لینی تھی۔ لیکن پاک طینت ابو حذیفہؓ نے نتائج
و عواقب سے بے پروا ہو کر مردانہ وار صدائے حق پر لبیک کہی۔ اور بلا کشانِ
اسلام کی اس عظیم المرتبت جماعت میں شامل ہو گئے جس کے لئے سرورِ عالمؐ
نے جنت کی بشارت دی ہے۔ جب مشرکین کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے تو
حضورؐ نے صحابہ کرام کو حبش چلے جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابو حذیفہؓ
اپنی بیوی سہلہ بنت سہیلؓ کے ہمراہ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبش کو ہجرت
کر گئے۔ کچھ عرصہ بعد واپس آ گئے جب مسلمانوں نے دوبارہ ہجرت کی تو پھر ان
میں شامل ہو کر حبش جا پہنچے۔ کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گذارنے کے بعد
مکہ واپس آ گئے تو رسول اکرمؐ مدینہ کی ہجرت کے لئے آمادہ تھے۔ حضورؐ کی ہجرت
کے بعد ابو حذیفہؓ بھی اپنے آقا کے اتباع میں مدینہ پہنچے۔ بدر کے میدان میں
جب معرکۂ حق و باطل بپا ہوا تو ابو حذیفہؓ نہایت استقامت اور حوصلے کے
ساتھ لشکرِ باطل کے مقابلہ میں شمشیر بکف ہو گئے۔ اس لشکر میں ان کے باپ
بھائی اور دوسرے اہلِ خاندان بھی شامل تھے۔ لیکن ابو حذیفہؓ نے رضائے
حق کی خاطر تمام نسبی اور خونی رشتوں سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ ان کے دشمنِ اسلام
باپ عتبہ نے صف سے نکل کر مقابلہ کیلئے للکارا لیکن وہ خاموش رہے۔
کیونکہ انہیں توقع تھی کہ باپ عقل و شعور سے عاری نہیں ہے ایک نہ ایک

دن وہ نعمت حق سے متمتع ہوگا۔ ان کی بہن ہند بنت عتبہ بھائی کو لشکر اسلام میں دیکھ کر غصہ سے بے قابو ہوگئی اور اس نے ان دو شعروں میں ابو حذیفہ کو کوسا

الاحول الاثعل المشئوم طائرہ ابو حذیفۃ شر الناس فی دین

اما شکرت اباک ربّاک فی صغر حتی شببت شبابا غیر محجوت

(بھینگا بڑے دانت والا جس کے نصیبہ کا طائر سخت نحس ہے یعنی ابو حذیفہ جو دین میں سخت برا ہے۔ کیا تو اپنے باپ کا شکر گزار نہیں ہے جس نے تجھے بچپن سے پالا یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی۔)

معرکہ بدر میں ان کا باپ عتبہ اور بھائی ولید ہلاک ہوگئے جنگ کے بعد ان کا چہرہ کچھ اترا ہوا تھا۔ حضورؐ نے پوچھا کیا تم اپنے باپ کے قتل سے افسردہ ہو۔ حضرت ابو حذیفہؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ صلعم [illegible] باپ کی دور اندیشی اور عقل و خرد سے یہ توقع تھی کہ وہ [illegible] حق کو قبول کر لیں گے [illegible] میری افسردگی کی وجہ یہ ہے کہ اسے یہ دولت نصیب نہ ہوئی اور وہ کفر کی حالت میں [illegible]

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابو حذیفہؓ [illegible] کے خلاف یمامہ کی جنگ میں شریک ہوئے اور نہایت جانبازی سے [illegible] کر رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

لہ حضرت ابو حذیفہ کی ایک آنکھ ذرا بھینگی تھی اور سامنے کا [illegible]

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ

(١)

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ رسول کریمؐ کے عاشقانِ صادق میں سے تھے۔ دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں توحید و رسالت پر ایمان لائے۔ انہیں دو ہجرتوں کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلی ہجرت میں حبشہ گئے اور دوسری ہجرت میں مدینہ تشریف لے گئے۔ جب حضورؐ نے مختلف ممالک اور علاقوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی تو شاہ ایران کے نام حضورؐ کا مکتوب مبارک پہنچانے کی خدمت حضرت عبداللہؓ کے سپرد ہوئی۔

ایک دفعہ رسول اکرمؐ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک غزوہ میں امیر بنا کر بھیجا۔ راستے میں کسی بات پر اپنے ساتھیوں سے برہم ہو گئے۔ ان سے کہنے لگے "رسول اللہ نے تمہیں میری فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آگ جلا کر اس میں کود پڑو۔"

ان کے ساتھی اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کی خاطر اور اطاعت امیر کے جذبہ کے تحت فی الفور حضرت عبداللہؓ کے حکم کی تعمیل کے لئے

آمادہ ہو گئے۔ ادھر ادھر سے لکڑیاں جمع کر کے ایک بڑا الاؤ تیار کیا اور اس میں کودنے کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ حضرت عبداللہ کی ہنسی دور ہو گئی سوچا کہ یہ کیا غضب کر رہا ہوں۔ فوراً اپنے ساتھیوں کو آگ میں کودنے سے منع کر دیا۔ جب حضورؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا تم اس آگ میں کود جاتے تو خودکشی کرتے۔ صرف ان باتوں میں اطاعت امیر واجب ہے جن کی خدا نے اجازت دی ہے۔

(۲)

عہد فاروقی میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب شام میں داخل ہوا تو شامی عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی۔ اگر کوئی مسلمان ان کے ہاتھ آ جاتا تو اسے سخت اذیتیں دے کر شہید کر دیتے۔ انہوں نے تانبے کی ایک بہت بڑی گائے بنائی ہوئی تھی اس کے پیٹ میں روغن زیتون ڈال کر نیچے آگ جلاتے رہتے اگر مسلمان قیدی عیسائی مذہب قبول کر لیتا تو اس کو چھوڑ دیتے اگر وہ انکار کرتا تو اسے کھولتے ہوئے روغن زیتون میں ڈال دیتے۔ شام کے معرکوں میں بہت سے مسلمان قیدی ان کے ہاتھ آ گئے تھے انہیں باری باری بلا کر عیسائیت کی دعوت دیتے اور اس سے انکار کا خوفناک انجام بتاتے۔ لیکن اسلام کا کوئی شیدائی دین حق سے برگشتہ نہ ہوتا۔ اور نہایت خوشی سے کھولتے ہوئے تیل میں جلنا گوارا کر لیتا۔ اتفاق سے ایک لڑائی میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ ان ظالم عیسائیوں کے ہاتھ

گرفتار ہو گئے۔ ظالم انہیں خوفناک کڑاہے کے پاس لے گئے اور عیسائیت یا موت ان کے سامنے پیش کی۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا خواہ کچھ بھی کر دیں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس انکار کا انجام دکھانے کے لئے عیسائی ایک اور مسلمان قیدی کو ان کے سامنے لائے اور اسلام ترک کرنے کے لئے کہا اس فدائے ملت نے صاف انکار کر دیا۔ ظالموں نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ حضرت عبداللہؓ اس مظلوم کا انجام دیکھ کر رونے لگے۔ عیسائیوں نے کہا "آپ موت سے ڈر کر روتے کیوں ہو؟" فرمایا "موت سے ڈر کر نہیں روتا اس بات پر روتا ہوں کہ خدا اور خدا کے رسول پر قربان کرنے کے لئے صرف ایک جان ہے کاش میری لاکھوں جانیں ہوتیں تو انہیں راہ حق میں نثار کرتا۔" عیسائی ان کی قوت ایمانی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ایسے پختہ ایمان شخص کو اپنے دین میں داخل کرنے کے لئے اور بیتاب ہو گئے انہیں مال و دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیا لیکن انہوں نے سب کو ٹھکرا دیا۔ آخر عیسائی حاکم نے کہا کہ میری پیشانی چوم لو تو تمام مسلمان قیدی رہا کر دئے جائیں گے۔ مسلمانوں کی خاطر حضرت عبداللہ نے عیسائی حاکم کی پیشانی چوم لی اور اس کے عوض مسلمان قیدی جو تعداد میں اسی تھے رہا کرا لئے۔

اس کے بعد انہیں جب کبھی کوئی یہ واقعہ یاد دلاتا تو فرماتے "میں نے ایک بیدین کی پیشانی اسی فرزندان توحید کی قیمتی جانوں کی خاطر چومی" فاروق اعظمؓ نے ان کے جذبۂ ایمانی کو بے حد سراہا۔ اور جب وہ مدینہ واپس گئے تو فاروق اعظمؓ نے ان کی پیشانی چوم لی۔

حضرت ضرارؓ بن ازور

(۱)

ابو ازور ضرار بن مالک (ازور) بنو اسد کے ایک صاحب ثروت رئیس تھے۔ وہ تنہا ایک ہزار اونٹوں کے گلّے کے مالک تھے۔ تیغ زنی اور نیزہ بازی میں انہیں کمال حاصل تھا اور ان کی شہ زوری اور شجاعت کی علاقے بھر میں دھوم تھی۔ ان اوصاف کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلب گداز عطا فرمایا تھا جب ان کے کانوں تک دعوت اسلام کی آواز پہنچی تو اسی وقت صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔ اپنا سب مال و متاع چھوڑ کر سرورِ کائنات کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی۔

تركت الخمور وضرب القداح   واللهو تعللة وابتهالا

فيا رب لا تغبنن صفقتي   فقد بعت اهلي ومالي بدالا

(میں نے بادہ نوشی ترک کر دی اور ظروف بادہ توڑ ڈالے۔ اور اس ذات کی طرف آیا ہوں جو بہت بلند ہے اور جس کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اے میرے رب میرے مال میں کوئی کساد بازاری نہ ہو میں نے اپنا مال اور اپنے اقربا ہمیشہ کے لئے تیری راہ میں بیع کر دئیے ہیں۔)

حضورؐ نے فرمایا تمہاری تجارت خسارے میں نہیں ہے۔ اس کے بعد ضرار بن ازورؓ کو حکم دیا کہ بنی صید اور بنی ہذیل میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو۔ ضرار ارشاد نبوی کی تعمیل میں فوراً اس مقدس مشن پر روانہ ہو گئے۔ اور سرور دو عالم کی رحلت تک تبلیغ اسلام کا مقدس فرض ادا کرتے رہے۔

(۳)

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں تمام عرب میں ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ جب جیوش اسلام مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو ضرارؓ بن ازور بھی حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے میں شامل ہو گئے۔ مرتدین کا استیصال کرتے ہوئے خالد بن ولیدؓ بطاح پہنچے وہاں کا سردار مالک بن نویرہ تھا۔ اس شخص نے نیچے دروں بیروں کی حکمت عملی اختیار کی ہوئی تھی۔ مرتدین سے اس کے گہرے روابط تھے اور اس کا دلی منشا یہ تھا کہ اگر مرتدین کامیاب ہو جائیں تو کھلم کھلا مرتد ہو جائے اور اگر مسلمان کامیاب ہوں تو مسلمان ہی بنا رہے ویسے مالک بن نویرہ کی روش سے نفاق کی بو آ رہی تھی۔ اس کے قبیلہ بنی تمیم کے دوسرے سرداروں نے زکوٰۃ کی رقمیں بارگاہ خلافت میں بھیج دی تھیں لیکن مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ نہیں بھیجی تھی۔ کچھ دن جھوٹی نبیّہ سجاح کے ساتھ بھی اس کا میل ملاپ رہا جب سجاح نے راہ فرار اختیار کی تو بنی تمیم کے اکثر مرتد دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ اب مالک بن نویرہ بھی اسلام کا دم بھرنے لگا۔ حضرت خالد بن ولید نے بطاح پہنچ کر مسلمانوں کی ایک جماعت بطاح کے لوگوں کو اسلام کی طرف

بلانے کے لئے بھی۔ اور ہدایت کی کہ ہر ایک بستی میں پہنچ کر پہلے اذان دینا
اگر جواب میں وہ لوگ بھی اذان دیں تو انہیں چھوڑ دینا۔ اگر سکوت اختیار
کریں یا کوئی شرارت کریں تو ان سے جنگ کرنا۔ اثنائے تبلیغ میں مسلمانوں
نے مالک بن نویرہ اور اس کے چند ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ اور خالد بن ولید
کے سامنے پیش کیا۔ ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف رائے تھا
بعض کہتے تھے کہ مالک بن نویرہ کی بستی سے اذان کی آواز آتی تھی اس لئے
ان لوگوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ دوسروں کا بیان تھا کہ ان لوگوں نے اذان
کے جواب میں سکوت اختیار کیا اس لئے ان کی گرفتاری ضروری تھی۔
دونوں بیانات سن کر حضرت خالد نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو فی الحال
زیر حراست رکھو۔ چنانچہ انہیں ایک خیمے کے اندر محبوس کر دیا گیا۔

ان کی نگرانی پر حضرت ضرار بن ازور مقرر ہوئے۔ رات کو شدت کی
سردی پڑ رہی تھی۔ حضرت خالد بن ولید نے منادی کرائی کہ ادفئوا اسراکم
یعنی اپنے قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ۔ عرب کے بعض قبائل کی زبان میں ان
الفاظ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ اپنے قیدیوں کو قتل کر دو۔ ضرار بن ازور
نے یہی مطلب سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھیوں
کو قتل کر دیا۔ مشہور صحابی حضرت ابو قتادہ بھی لشکر میں موجود تھے۔
ان کے بیان کے مطابق مقتولین کی بستی سے اذان کی آواز آتی تھی اس
لئے وہ ان کے قتل کے مخالف تھے۔ اس واقعہ سے وہ اتنے ناراض ہوئے کہ حضرت
صدیق اکبر کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے۔ اور خالد بن ولید کے خلاف

شکایت کی کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو ناحق قتل کرایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مدینہ منورہ بلا کر جواب طلبی کی۔ انہوں نے جو واقعہ گذرا تھا سچ سچ عرض کر دیا۔ صدیق اکبر رضؓ نے ان کا عذر قبول کر لیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ پاس ہی تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ خالدؓ بن ولید سے بے احتیاطی ضرور ہوئی ہے۔ اس لئے انہیں معزول کر دینا چاہئے۔ صدیق اکبر رضؓ نے جواب دیا۔

"لا اشیم سیفا سلہ اللہ علی الکٰفرین" (جس تلوار کو اللہ نے کفار پر کھینچا ہو میں اس کو نیام میں نہیں ڈال سکتا۔"

(۳)

اس واقعہ کے بعد حضرت ضرارؓ بن ازور یمامہ کی خونریز جنگ میں شریک ہوئے۔ اس جنگ میں مسیلمہ کذاب چالیس ہزار اور بعض روایتوں کے مطابق ایک لاکھ جنگجوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا ہوا تھا۔ مسلمانوں اور مرتدوں کے درمیان جتنی جنگیں ہوئیں یہ ان میں سب سے سخت جنگ تھی۔ ضرارؓ بن ازور اس جنگ میں اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ سارا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا۔ جانبری کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن خدا کو ابھی ان سے اور کام لینا منظور تھا۔ کچھ مدت کے بعد زخم مندمل ہو گئے اور وہ پھر دشمنان خدا کو تہ تیغ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔[1]

[1] واقدی کی روایت کے مطابق حضرت ضرارؓ نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی [illegible]

(۴)

جب مسلمانوں نے شام پر لشکر کشی کی تو ضرارؓ بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے ان کی بہادر بہن خولہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ شام کی جنگوں میں ان دونوں بہن بھائیوں نے ایسے محیر العقول کارنامے سر انجام دیئے کہ ان کا حال پڑھ کر خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ضرارؓ نے اپنی جانبازی، سخت کوشی اور بے خوفی کی دھاک بٹھا دی تھی۔ لڑائی کے وقت وہ اپنا کرتہ اتار دیتے تھے اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اپنی ہیبت کذائی کی وجہ سے عیسائیوں میں "جن" مشہور ہو گئے تھے۔ جدھر رخ کرتے عیسائی "جن آیا جن آیا" کہہ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ضرارؓ بن ازور نے جنگ اجنادین میں نہایت جانبازی سے لڑ کر جامۂ شہادت نوش کیا۔ لیکن اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ضرارؓ بن ازور نے یرموک اور اس کے بعد کی جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ اور ۱۸ ہجری میں جب سارا شام فتح ہو چکا

بقیہ ص ۱۱۳: لڑتے لڑتے ان کے دونوں پاؤں شہید ہو گئے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر لڑتے رہے حتیٰ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلے گئے اور اس طرح شہادت پائی لیکن واقدی کی یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے۔ دوسرے تمام مؤرخین نے حضرت ضرارؓ کا شام کی جنگوں میں شامل ہونا تسلیم کیا ہے۔

تھا۔ طاعون کی وبا میں پچیس ہزار دوسرے مجاہدین کے ساتھ جام اجل پیا
ہم نے انہی روایات کو ترجیح دی ہے۔ اجنادین فحل اور یرموک کی جنگوں
کے سن وقوع کے متعلق بھی مورخین کی روایت میں خاصہ تناقض پایا جاتا
ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یرموک کی جنگ ۱۳ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ
کے عہد خلافت میں ہوئی اور اجنادین فحل وغیرہ کی جنگیں بعد میں پیش آئیں
لیکن ہمارے خیال کے مطابق صحیح یہ ہے کہ یرموک کی جنگ نومبر ۶۳۶ء
مطابق ۱۵ھ میں اجنادین، فحل، دمشق وغیرہ کی جنگوں کے بعد بعہد خلافت
فاروق اعظمؓ پیش آئی۔ حضرت ضرارؓ بن الازورؓ نے ان تمام معرکوں میں بہت
اہم حصہ لیا۔ انھوں نے ان معرکوں میں انتہائی بے جگری سے داد شجاعت
دی کہ دوست دشمن سبھی سے اپنی شجاعت کا سکہ منوا لیا۔ یہاں تک کہ ایک ہزار
شجاعان عرب کے برابر تسلیم کئے گئے۔

(۵)

جب مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو ایام محاصرہ میں ایک دن
حضرت خالدؓ بن ولید کو اطلاع ملی کہ محصورین کی مدد کے لئے رومیوں کا
ایک بھاری لشکر آ رہا ہے۔ انہوں نے حضرت ضرارؓ بن ازورؓ کو پانچ سو سوار
دے کر کہا کہ جس طرح ہو سکے اس لشکر کو راستہ ہی میں روک لو۔ حضرت ضرارؓ
اپنے رفیقوں کے ہمراہ طوفان باد کی طرح اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دشمن کے
لشکر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد دس بارہ ہزار سے کم

نہیں۔ بعض ہمراہیوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تعداد بہت قلیل ہے۔ اس وقت دشمن کی اتنی عظیم جمعیت سے لڑنا خلاف مصلحت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مزید کمک لے کر ان پر حملہ آور ہوں۔ حضرت ضرارؓ نے جوش میں آکر کہا۔ خدا کی قسم میں تو یہاں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں۔ بے شک چلے جائیں۔ میں تو اپنی جان راہ خدا میں بیچ چکا ہوں۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی جوش آگیا۔ انہوں نے کہا یہ تو محض ایک مشورہ تھا ہم بھی سر سے کفن باندھ کر نکلے ہیں۔ یہ کہہ کر سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بجلی کی طرح دشمن پر جا گرے۔ رومیوں کا خیال تھا کہ مٹھی بھر آدمیوں کو ہم چند لمحوں میں ٹھکانے لگا دیں گے۔ لیکن یہ مٹھی بھر فدائیان توحید ان کے لئے سنگ گراں ثابت ہوئے حضرت ضرارؓ نے حسب معمول اپنا کرتہ اتار دیا اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لے کر شیر کی طرح رومیوں پر جھپٹے۔ اس زور کا رن پڑا کہ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ حضرت ضرارؓ کا نیزہ رومیوں کے لئے پیغام قضا بنا ہوا تھا۔ لاشوں پر لاشیں گراتے رومیوں کے سردار وردان کی طرف بڑھے۔ بہت سے جنگجو رومی اپنے سردار کی حفاظت کر رہے تھے وہ حضرت ضرارؓ کے مزاحم ہوئے اور انہیں اپنے گھیرے میں لے کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ وردان کا بیٹا حمران بھی اسی دستے میں شامل تھا وہ ایک نامی جنگجو تھا۔ اس نے حضرت ضرارؓ پر نیزے کا وار کیا۔ ان کا بایاں دست بازو زخمی ہوا۔ لیکن اسی حالت میں پوری قوت سے اپنا نیزہ حمران کو مارا اور اسے خاک و خون میں لوٹا دیا۔ رومیوں نے اب اپنا گھیرا تنگ کر لیا۔ دوسرے مسلمان بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ ضرارؓ

بن ازور یکہ و تنہا لڑتے رہے۔ جب ضعف و ناتوانی نے غلبہ کیا تو بے بس ہو گئے اور رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

(۶)

جب حضرت خالدؓ بن ولید کو ضرارؓ بن ازور کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ بے حد ملول ہوئے۔ انہوں نے ایک ہزار آدمیوں کو دمشق کے باہر چھوڑا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر موقع جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ یکایک حضرت خالدؓ بن ولید نے دیکھا کہ لشکر اسلام کے آگے آگے ایک نقاب پوش سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار بڑی تیزی سے میدان جنگ کی طرف جا رہا ہے وہ حیران ہوئے کہ یہ کون شخص ہے لیکن تحقیق کا موقع نہ تھا خاموش ہو رہے۔ جب رومی لشکر سے مسلمانوں کا سامنا ہوا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے دیکھا کہ یہ نقاب پوش اس بے جگری سے لڑ رہا ہے کہ جدھر جھک پڑتا ہے قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ زخم پر زخم کھاتا ہے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے اس نقاب پوش کا نام پوچھا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اتنے میں وہ نقاب پوش مارتا کاٹتا رومی فوج کے قلب سے خون میں نہایا ہوا نکلا۔ حضرت خالدؓ بن ولید اپنا گھوڑا دوڑا کر اس کے پاس پہنچے اور کہنے لگے اے مرد مجاہد تو نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ تو اللہ اور اللہ کے رسول کے سامنے سرخرو جائے گا۔ تیرے جیسے جوانمردوں کو نقاب پوشی زیبا نہیں۔ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تاکہ میں دیکھ سکوں کہ تو کون شیر بیشۂ شجاعت ہے۔ نقاب

پوش مجاہد پہلے تو خاموش رہا۔ لیکن جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے بہت اصرار کیا تو یوں گویا ہوا "اے امیر میں ضرار بن ازور کی بہن خولہ بنت ازور ہوں۔ میں اپنے پیارے بھائی کی گرفتاری سے سخت بے چین ہوں۔ خدا کی قسم اپنے بھائی کو دشمن کے پنجہ سے رہا کراؤں گی یا اسی کوشش میں جان دے دوں گی"۔

حضرت خالدؓ خولہؓ کی دلیری دیکھ کر حیران رہ گئے۔ فرمایا "خولہ تم مطمئن رہو اگر ضرار زندہ ہے تو انشاء اللہ میں اسے چھڑا کر رہوں گا۔ اگر وہ شہید ہو گیا ہے تو میں نے بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کے لئے کمر باندھی ہوئی ہے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے فوج کے چند چیدہ دستے ساتھ لئے اور رومیوں پر سیف اللہی حملہ کیا۔ خولہؓ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

ابن الضرار لا اراہ یومی　　　　ولا یراہ معشری و قومی
یا واحدی یا ابن امی　　　　کدرت عیشتی وازلت نومی

(اے ضرار تو کہاں ہے کہ آج تو مجھے نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی تو میرے قبیلہ اور قوم کو نظر آتا ہے۔ اے میرے اکلوتے بھائی! اے میری ماں کے بیٹے تو نے میرا عیش مکدر کر ڈالا اور میری نیند حرام کر دی)۔

خولہؓ کے پردرد اشعار نے مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ وہ دیوانہ وار ضرارؓ کو تلاش کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں رومیوں کا ایک دستہ گرفتار ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا "ہمارا ایک ساتھی جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر لڑ رہا تھا آج تمہارے ہاتھوں

گرفتار ہوا ہے۔ اب تم نے کہاں رکھا ہوا ہے۔"

رومیوں نے جواب دیا: "اُس شخص کو ہمارے سردار نے سو سواروں کی حفاظت میں حمص روانہ کر دیا ہے تاکہ شاہ روم کے سامنے اسے پیش کر کے بتایا جائے کہ ہمیں کس قسم کے جنگجوؤں سے واسطہ پڑا ہے۔"

(۷)

حضرت خالدؓ بن ولید نے فوراً سو مجاہدین کو حمص کے راستے پر روانہ کیا کہ رومیوں کے پنجہ سے ضرارؓ کو چھڑا لائیں۔ ان مجاہدین کے سردار رافعؓ طائی تھے۔ خولہؓ بھی اس دستے کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد مسلمانوں کو رومیوں کا دستہ نظر آیا۔ انہوں نے ضرارؓ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک اونٹ پر سوار کر رکھا تھا اور خود ہنستے کھیلتے جا رہے تھے۔ ضرارؓ اس وقت دردناک لہجے میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

الا ابلغا قومی وخولة اننی — اسیر من موثق الید با لقید

وحولی علوج الشام من کل کافر — وما منهم الا محصن بالمشد

فیا قلب مت ہما وحزنا وحسرة — ویا دمع جد بفیض علی الخد

اتراک اری اہلی وخولة مرة — واذکر ما لنا علیہ من العہد

یعنی اے خبر پہنچانے والے میری قوم کو اور خولہؓ کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں اسیر ہوں، بے بس ہوں اور جکڑا ہوا۔ میرے ارد گرد شام کے زرہ پوش اور ہتھیار بند کافر کھڑے ہوئے ہیں۔ دل آفریں کہ تو ایسے رنج و غم اور اتنی حسرت برداشت کر رہا ہے

اے آنسو جا اتر دین اور کھل کر میرے رخساروں پر ڈھلک جا۔ آیا تو جانتا ہے کہ میں اپنے عزیزوں اور خولہؓ کو ایک بار دیکھ لوں اور اپنا حال ان کو سنا لوں۔"

خولہؓ یہ اشعار سن کر بے تاب ہو گئیں اور پکار کر کہا۔ بھائی میرے پیارے ماں جائے بھائی میں آ پہنچی۔ یہ کہہ کر تیر کی طرح رومیوں کی طرف جھپٹیں۔ دوسرے مجاہدین بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر رومیوں پر جا پڑے اور چند لمحوں میں انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ بھائی بہن گلے ملے اور فرطِ مسرت سے اس قدر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(۸)

دمشق ابھی فتح نہیں ہوا تھا کہ حضرت خالد بن ولید کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے ایک زبردست فوج اجنادین میں بھیجی ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے مشورے کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید نے دمشق کا محاصرہ عارضی طور پر اٹھا لیا اور دوسرے محاذوں کے سپہ سالاروں کو خطوط روانہ کیے کہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اجنادین پہنچو۔ جب مسلمان دمشق سے روانہ ہوئے تو حضرت خالدؓ بن ولید نے ہراول فوج کی کمان سنبھالی اور حضرت ابو عبیدہؓ عورتوں اور بچوں کو اپنی نگرانی میں لے کر لشکر کے پیچھے روانہ ہوئے۔ محصور دمشقیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان واپس جا رہے ہیں تو وہاں کے دو سرکردہ پادریوں کی باسی کڑھی میں ابال آیا۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ایک کا نام پیٹر (بطرس) تھا اور دوسرے کا پال (بولص)۔ دونوں سولہ ہزار پیادہ اور سواروں کو ساتھ لے کر دمشق سے نکلے۔ اور مسلمانوں کے عقب میں حملہ کر دیا۔ چونکہ حملہ ناگہانی تھا۔ مسلمانوں کے ادھر متوجہ ہونے تک رومی فوج کچھ مسلمان

عورتوں کو گرفتار کر کے پیچھے لوٹ گئے۔ ان عورتوں میں ضرارؓ کی شجاع بہن خولہؓ بھی
تھیں جب ایک جگہ سستانے کے لئے رومیوں نے پڑاؤ ڈالا تو خولہؓ نے
اپنی قیدی بہنوں سے کہا "بہنو! ہم شجاعانِ عرب کی بیٹیاں ہیں اور ہادیٔ برحق
کی نام لیوا ہیں ہمیں ان مشرکوں کی اطاعت قبول کرنے کی بجائے جان پر کھیل لینا
چاہیئے"۔ ان عورتوں میں تبع اور حمیر کے قبائل کی عورتیں بھی تھیں۔ جو
نیزہ بازی اور شہسواری میں مردوں کے برابر تھیں۔ خولہ کی جرأت انگیز تقریر
سن کر ان کے خون میں حرارت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس نہ ہتھیار
ہیں نہ گھوڑے۔ رومیوں سے مقابلہ ہو تو کیونکر۔ خولہ نے کہا کہ بہادری تو یہی ہے
کہ مادی سامان کے بغیر محض اللہ کے بھروسے پر باطل کے سامنے ڈٹ جائیں۔ آؤ
خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور ان سے عیسائیوں کے سر توڑ ڈالیں۔ اس طرح اگر
رہائی مل گئی تو اپنے لشکر سے جا ملیں گی ورنہ شہید ہو جائیں گی"۔ اب تمام عورتیں اٹھ
کھڑی ہوئیں اور خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر لڑنے مرنے پر کمربستہ ہو گئیں۔ خولہؓ نے
انہیں ایک دائرے کی صورت میں منظم کیا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے کفار پر حملہ آور ہوئیں

نحن بنات تبع وحمير   وضربنا فيكم ليس منكر

لاننا فى الحرب نار تسعر   اليوم تلحون العذاب الاكبر

(ہم تبع اور حمیر کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے نزدیک تمہیں ہلاک کرنا کار ثواب ہے
اس لئے ہم لڑائی میں جان سوز آگ بن جاتی ہیں۔ یاد رکھو آج تم عذاب عظیم میں
ڈالے جاؤ گے۔)

رومیوں نے چاروں طرف سے عورتوں کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن وہ خیموں کی

چوبوں سے ان کا سر توڑ دیتی تھیں اور کسی کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیتی تھیں۔ کافی دیر اسی طرح مقابلہ جاری رہا۔ اور کئی رومی مسلمان عورتوں کے ہاتھوں سے جہنم واصل ہو گئے۔ آخر انہوں نے مغلوب الغضب ہو کر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ادھر حضرت خالدؓ بن ولید اور ضرارؓ بن ازور کو عورتوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو وہ فوج کے ایک تیز رفتار دستے کے ساتھ رومیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ عین اس وقت جب رومی مسلمان عورتوں پر آخری حملے کے لئے ہتھیار سنبھال رہے تھے انہوں نے مسلمان مجاہدوں کی شیرانہ دھاڑ سنی اسی وقت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگے۔ حضرت ضرارؓ نے برق رفتاری سے بڑھ کر پیٹر کو جا لیا اور اپنا خون آشام نیزہ اس کے جسم کے پار کر دیا۔ مسلمانوں نے دمشق کے دروازے تک بزدل رومیوں کا تعاقب کیا۔ عورتیں اس امداد غیبی پر خدا کا شکر بجا لائیں۔ اور ضرارؓ اپنی شجاع بہن سے مل کر بہت مسرور ہوئے

(۹)

اجنادین اور دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے فحل کی طرف پیش قدمی کی یہاں ہرقل کا ایک سردار سقلاب بن مخراق ایک جرار لشکر لئے پڑا تھا۔ فحل کی طرف روانہ ہوتے وقت حضرت ابوعبیدہؓ نے میسرہ کی کمان سنبھالی۔ خالد بن ولیدؓ مقدمۃ الجیش کے، شرجیلؓ بن حسنہ قلب لشکر کے، عمروؓ بن عاص میمنہ کے اور ضرار بن ازورؓ سواروں کے افسر مقرر ہوئے۔ فحل کے مقام پر مسلمانوں

اور رومیوں کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔ جنگ فحل شام کی اہم جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ جنگ کئی دن تک مسلسل جاری رہی۔ رات دن میدان جنگ گرم رہتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلے میں نہایت قلیل تھی۔ لیکن انہوں نے بے حد حوصلہ اور پامردی کا ثبوت دیا اور باوجود مسلسل زخم و پیکار کے انہوں نے تھکان کو اپنے آپ پر غالب نہ آنے دیا۔ ضرارؓ اور ان کے سوار دشمن کے لئے قہر و غضب کا طوفان ثابت ہوئے انہوں نے اس قدر رومی ہلاک کئے کہ میدان ان کی ناپاک لاشوں سے اٹ گیا۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ کم از کم اسی ہزار رومی جنگ فحل میں مقتول ہوئے۔ آخر ان کا سپہ سالار بھی کسی مسلمان کی تلوار کا شکار ہوگیا اور باقی ماندہ رومی فوج بھاگ گئی۔

(۱۰)

سنہ ۱۵ھ میں یرموک کی ہولناک جنگ پیش آئی جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس ہزار تھی۔ اور عیسائیوں کی تعداد باختلاف روایات دو لاکھ سے دس لاکھ کے درمیان تھی اس جنگ میں دو خطرناک مواقع پر حضرت ضرارؓ بن ازور نے چند دوسرے مجاہدین کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید اور عکرمہؓ بن ابی جہل کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی کہ شہید ہو جائیں گے یا فتح مند ہو کر رزمگاہ سے واپس آئیں گے ان اولوالعزم مجاہدین کی جانبازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یرموک میں عیسائیوں کے ٹڈی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور شام کی قسمت

کا فیصلہ ہوگیا۔ اس جنگ میں مسلمان خواتین کی ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر جب عیسائی لشکر یلغار کرتا ہوا عورتوں کے خیموں تک آپہنچا تو انھوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور انہیں سے کفار کے منہ پھیر دیئے۔ جن مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے مسلمان عورتوں نے انہیں غیرت دلائی کہ ایام جاہلیت میں تو تم بہت ثابت قدم تھے۔ اب اللہ کی راہ میں لڑنا پڑا ہے تو قدم پیچھے ہٹاتے ہو" مسلمان غیرت کھا کر پیچھے پلٹے اور اس جوش سے لڑے کہ عیسائیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ان جانباز عورتوں میں خولہ بنت ازور رضی تھیں۔ وہ ہند بنت عتبہ کے ساتھ مل کر رجزیہ پڑھتی تھیں اور دوسری عورتوں کو لڑائی کے لئے ابھارتی تھیں۔ اور پیچھے ہٹنے والے مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

ایک موقع پر خولہ رضہ لڑتے لڑتے ایک رومی کی تلوار سے زخمی ہوگئیں ان کی ساتھی عفیرہ حمیریہ رضہ نے بڑھ کر اس رومی کو ہلاک کر دیا۔ اثنائے جنگ میں مشہور صحابی حضرت شرجیل بن حسنہ رضہ کا مقابلہ ایک قوی ہیکل رومی سے ہوگیا۔ شرجیل صوم و صلوٰۃ کی کثرت سے ضعیف ہوگئے تھے۔ رومی نے انہیں زمین پر گرا لیا اور چاہتا تھا کہ ان کا سر کاٹ لے کہ ضرار بن ازور تیر کی طرح اس کے سر پر جا پہنچے اور تلوار کے ایک ہاتھ سے اس کا سر اڑا دیا۔ یرموک کی جنگ کے بعد حضرت ضرار نے حلب، انطاکیہ وغیرہ کی جنگوں میں جانبازانہ شرکت کی۔ اور بڑے بڑے اہم کارنامے سر انجام دیئے۔ ۱۸ھ کی وبائے طاعون میں اس سرفروش مجاہد نے سرزمین شام میں پیک اجل

کو لبیک کہا اور امتِ مسلمہ کے لئے یہ پیغام چھوڑا سے

موت کیا ہے دھیان میں مجھ کو نہ لانا چاہئے

کس طرح جیتے رہیں یہ مر کے دکھانا چاہئے

حضرت سلمان فارسیؓ

(۱)

فارس کے ضلع اصفہان میں ایک قصبہ "جی" تھا۔ اس قصبہ کے باشندے فارس کے عام لوگوں کی طرح آتش پرست تھے۔ یہاں کا چودھری "بوذخشان بن مورسلان آب الملکی" ایک متمول اور صاحب اثر آدمی تھا۔ اللہ نے اسے ایک لڑکا دیا جس کا نام اس نے مابہ رکھا۔ مابہ کی پرورش بوذخشان نے بڑے ناز و نعمت سے کی۔ لیکن مابہ ایک آسودہ حال خاندان میں پرورش پانے کے باوجود ایک نہایت سادہ اور خاموش طبع لڑکا تھا۔ اپنے ہم عمر لڑکوں میں کھیلنے کی بجائے وہ ہر وقت آتشکدوں میں آگ جلانے میں مصروف رہتا اور اس کی کوشش یہی ہوتی کہ کسی وقت آگ بجھنے نہ پائے۔ ایک دن بوذخشان نے مابہ سے کہا کہ آج میں ایک ضروری کام کی وجہ سے اپنے کھیتوں پر نہ جا سکوں گا۔ اس لئے کھیتوں کی دیکھ بھال تمہارے سپرد ہے۔ مابہ والد کے حکم کی تعمیل میں کھیتوں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا۔ اس وقت وہ عبادت میں مصروف تھے۔ اور بہ آواز بلند مناجات پڑھ رہے تھے۔ مابہ ان کی آواز سن کر گرجا میں چلا گیا۔ عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور اپنے مذہب

آتش پرستی سے بیزار ہو گیا۔ جب عیسائی عبادت سے فارغ ہوئے تو مابہ نے
ان کے سردار سے کہا مجھے تمہارا دین بہت پسند آیا ہے۔ آج سے میں آتش پرستی
ترک کرتا ہوں اور تمہارے دین میں داخل ہوتا ہوں۔ عیسائی بہت خوش
ہوئے۔ اور انہوں نے اسی وقت اس نوخیز نوجوان کو بپتسمہ دے کر دین مسیحی
میں داخل کر لیا۔ مابہ کے دل میں جستجوئے حق کی تڑپ تھی۔ عیسائیوں سے پوچھا
دین عیسوی کا مرکز کہاں ہے۔ انہوں نے کہا ملک شام میں۔ مابہ شام تک
گرجا ہی میں ٹھہرا۔ جب آفتاب غروب ہونے کا وقت آیا تو گھر لوٹا۔ والد
نے پوچھا کھیتوں کو دیکھ آئے ہو۔ مابہ نے جواب دیا "نہیں راستے میں ایک
گرجا تھا وہاں کچھ لوگ مصروف عبادت تھے۔ مجھے ان لوگوں کا طریق عبادت
بہت پسند آیا اور میں سارا دن انہی لوگوں کے پاس رہا"۔ بوذخشان بیٹے
کی گمراہی پر سخت غضب ناک ہوا۔ اس نے کہا ان لوگوں کا مذہب بہت
واہیات ہے اور ہمارے پاک مذہب سے اسے کوئی نسبت نہیں آج
سے تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے لخت جگر
کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اسے محبوس کر دیا۔ مابہ نہایت حوصلہ سے قید
تنہائی میں دن کاٹنے لگا۔ کسی ذریعہ سے اس نے عیسائیوں کے پاس پیغام
بھیجا کہ اگر شام کو جانے والا کوئی قافلہ ہو تو مجھے مطلع کرنا۔ اتفاق سے
تھوڑے دنوں کے بعد کچھ لوگ بغرض تجارت وہاں آئے جب وہ شام
واپس جانے لگے تھے تو عیسائیوں نے مابہ کو اطلاع دی۔ مابہ
نے کسی طریقے سے بیڑیوں سے نجات حاصل کی اور شام جانے والے قافلے

میں شامل ہو گیا۔

(۲)

ارضِ شام میں پہنچ کر مابہ نے لوگوں سے وہاں کے سب سے بڑے مذہبی راہنما کا پتہ دریافت کیا اور پھر اس کی خدمت میں پہنچ کر درخواست کی کہ "مجھے دینِ مسیحی کی تعلیم سے سرفراز فرمائیں۔ اسی کے حصول کے لئے میں فارس سے یہاں پہنچا ہوں۔"

اسقف نے مابہ کی درخواست قبول کر لی اور وہ اسقف کے پاس رہنے لگا۔ یہ اسقف ایک ریاکار شخص تھا اس کی ظاہری زندگی تو نہایت زاہدانہ تھی لیکن اندرونِ خانہ اسے عیش و عشرت اور مال و دولت جمع کرنے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ سات مٹکے سونے چاندی کے اس نے جمع کر رکھے تھے۔ مابہ اس کی حرص و آز اور بدکاریوں کو دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھتا تھا۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ لوگ اسقف کو نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اسقف کو پیغامِ اجل آ گیا۔

لوگ اس کی تجہیز و تکفین کے لئے جمع ہوئے تو مابہ نے اس کا کچا چٹھا کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور انہیں اس کی جمع شدہ دولت کے سر بہ مہر مٹکے دکھا دیئے۔ لوگ سخت مشتعل ہوئے اور انہوں نے اسقف کی لاش کو دار پر لٹکا کر خوب پتھر مارے اور پھر ایک اور عابد و زاہد پادری کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ یہ شخص واقعی نیک فطرت اور لذائذِ دنیوی سے متنفر تھا۔ مابہ کے دل میں اس

سے بے حد عقیدت پیدا ہو گئی اور وہ دل و جان سے اس کی خدمت میں مصروف رہتا۔ پادری نے بھی جہاں تک ہو سکا مابہ کو فیض پہنچانے کی کوشش کی۔ آخر اس کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو گیا۔ دم نزع اس نے مابہ سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد تم موصل فلاں شخص کے پاس چلے جانا جو دین مسیحی کا سچا عاشق ہے۔ اس کے سوا تمہیں مشکل سے ہی کوئی دوسرا حق پرست ملے گا۔ مابہ مرحوم پادری کی وصیت کے مطابق موصل پہنچا اور جس شخص کا پتہ اسے دیا گیا تھا۔ اس کی خدمت میں پہنچ کر حصول علم میں مصروف ہوا۔ خدا کی قدرت تھوڑے دنوں کے بعد اس نے بھی سفر آخرت کی تیاری کی مرتے وقت اس نے مابہ کو وصیت کی "اے بیٹے مجھے حوالۂ خاک کر کے فلاں شخص کے پاس نصیبین چلے جانا میرے علم میں وہی شخص ہے جو تمہیں دین حق پر چلائے گا۔ دوسرے لوگوں نے دین کو بدل ڈالا ہے اور گمراہ ہو گئے ہیں"۔

(۴)

مابہ جستجوئے حق میں نصیبین پہنچا۔ وہاں کے پادری نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ ابھی تھوڑے ہی دن اس مرد پاکباز کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ پیک اجل نے اس کا دروازہ بھی آ کھٹکھٹایا۔ جب وہ جان جان آفرین کے سپرد کر رہا تھا تو مابہ نے پوچھا "میرے مقدس سرپرست میرے لئے کیا ارشاد ہے؟" پادری نے کہا "بیٹے جس نور حق کے تم متلاشی ہو وہ تمہیں عموریہ میں فلاں شخص کے پاس ملے گا۔ میرے مرنے کے بعد سیدھے اس کے پاس

سے چلے جانا۔

(۴۷)

مایر نصیبین کے مرحوم پادری کے کفن دفن سے فارغ ہو کر سیدھا عموریہ پہنچا۔ اور وہاں کے اسقف کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ یہ ایک نہایت پاکباز اور پرہیزگار شخص تھا۔ اللہ نے اسے علم کے ساتھ عمل بھی عطا فرمایا تھا۔ مایر نے اس کی صحبت سے خوب خوب فیض اٹھایا اور دین مسیحی کا سچا پیرو بن گیا۔ اپنے استاد کی طرح وہ بھی دن رات عبادت میں مشغول رہتا۔ کچھ بکریاں خرید لیں۔ ان کے دودھ سے جسمانی غذا حاصل کرتا۔ کچھ عرصہ کے بعد عموریہ کے پاکباز اسقف کو بھی پیغام اجل آ گیا۔ جب وہ دم توڑ رہا تھا تو مایر نے عرض کی "میں سینکڑوں میل کا پرصعوبت سفر طے کرنے اور کئی دروازوں کی خاک چھاننے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا تھا۔ لیکن اب آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ چلے ہیں آپ کے بعد میں کہاں جاؤں گا۔"

عموریہ کے مرد درویش نے اکھڑی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"اے حق کے متلاشی بیٹے میں تمہیں کیا مشورہ دوں؟ اس وقت ساری دنیا بحر عصیاں میں غرق ہے۔ کفر و شرک کی بجلیاں چاروں طرف کوند رہی ہیں اس دنیا میں مجھے

کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کے پاس تجھے بھیجوں۔
البتہ اب اس نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب ہے
جو صحرائے عرب سے اٹھ کر دین حنیف کو زندہ کرے گا
اور اس زمین کی طرف ہجرت کرے گا جس پر کھجور کے درختوں
کی کثرت ہوگی۔
اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی
وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا
اگر تم اس پاک نبی کا زمانہ پاؤ تو اس کی خدمت میں ضرور
حاضر ہونا"
یہ کہہ کر اسقف بالکیا زستے آخری ہچکی لی اور مولائے حقیقی سے جا ملے۔

(۵)

اب ماہبہ تھا اور نبی آخر الزمان کی جستجو۔ وہ ہر وقت اسی ٹوہ میں رہتا کہ کوئی قافلہ ملے تو اس کے ساتھ اس سرزمین میں پہنچ جائے جہاں نبی آخر الزمان نے مبعوث ہونا ہے۔ آخر ایک دن اس کی دلی مراد بر آئی۔ قبیلہ بنو کلب

گا ایک قافلہ عموریہ سے گذرا۔ ماہبہ کو معلوم ہوا کہ اس قافلہ کو عرب جانا ہے تو وہ فوراً رئیس قافلہ کے پاس پہنچا اور اس سے ملتجی ہوا کہ میرے مویشی آپ لے لیں اور مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلیں۔ رئیس قافلہ فوراً رضامند ہو گیا۔ اور ماہبہ کی گائیں اور بکریاں اپنے قبضے میں کر کے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب قافلہ وادی القریٰ میں پہنچا تو قافلہ والوں کی نیت اس سادہ دل نوجوان کے متعلق بدل گئی۔ اور اسے غلام بنا کر ایک یہودی کے پاس بیچ دیا۔ ماہبہ کچھ دن اس یہودی کے پاس رہا۔ ایک دن اس یہودی کا رشتہ دار جو یثرب کا رہنے والا تھا۔ اس سے ملنے آیا۔ اسے ایک غلام کی ضرورت تھی۔ اپنے میزبان سے ذکر کیا تو اس نے ماہبہ کو اپنے مہمان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ شخص ماہبہ کو اپنے ہمراہ یثرب لے آیا۔ یثرب پہنچ کر ماہبہ نے ہر طرف کھجور کے جھنڈ دیکھے تو اسے یقین ہو گیا۔ کہ جس نبی آخر الزمان کا ذکر عموریہ کے راہب پاکباز نے کیا تھا وہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے ایک دن اس کھجوروں والی سرزمین کو مشرف فرمائیں گے۔ اب دن رات ماہبہ کی کیفیت یہ تھی:۔

؎ شوقِ دید آنکھوں میں ہے دل میں تمنائے رسولؐ
صدقے اے مولا دکھا دے روئے زیبائے رسولؐ
ہے بیابانِ مدینہ ہر قدم خلد نظر
سر میں ہے دیوانہ بنا کے سودائے رسولؐ

(٦)

آخر ایک دن وہ ساعت مسعود آ ہی گئی جس کا ماہبہ کو ہر گھڑی انتظار تھا۔

وہ اپنے یہودی آقا کے باغ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا۔ آقا نیچے بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک یہودی شہر سے بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا "خدا بنو قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس بھاگے جا رہے ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ ان لوگوں نے اس کے دعویٰ پر یقین کر لیا ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں تک میں ہیجان بپا ہے۔" مابہ کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچے تو اس کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی اس کے دل نے گواہی دی کہ میرا مطلوب و مقصود آ پہنچا۔ بدحواس ہو کر درخت سے نیچے اترا اور آنے والے یہودی سے بے تحاشا پوچھا "تم کیا کہہ رہے تھے ذرا پھر بیان کرنا۔" اس کا آقا اپنے غلام کے تجسس اور بدحواسی پر چراغ پا ہو گیا۔ زور سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور کہا "جا کم بخت اپنا کام کر تمہیں ان باتوں سے کیا غرض"۔ مابہ دل پہ پتھر رکھ کر خاموش ہو گیا۔ لیکن متاع صبر و قرار لٹ چکی تھی۔ چند دنوں کے بعد موقع ملا تو کھانے کی کچھ چیزیں خرید کر بارگاہ رسالت میں پہنچا۔ اور یوں عرض پیرا ہوا "اے خدا کے برگزیدہ بندے آپ اور آپ کے ساتھی غریب الوطن ہیں۔ یہ چند اشیاء ہیں جو میں نے صدقہ کے لئے رکھی تھیں ہم آپ سے بڑھ کر ان کا مستحق کسی کو نہیں پاتا انہیں قبول فرمائیے" حضورؐ نے مابہ سے یہ چیزیں لے کر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیں اور خود کوئی چیز نہ کھائی۔ مابہ نے دل میں کہا "نبی آخر الزمان کی ایک علامت تو دیکھ لی۔ کہ وہ صدقہ قبول نہیں کرتے"۔ دوسرے دن پھر کھانے کی کوئی چیز خریدی اور دربار رسالت میں پیش ہو کر عرض کی "یہ ہدیہ ہے اسے قبول فرمائیے" حضورؐ

نے یہ ہدیہ قبول کر لیا۔ اس کا کچھ حصہ نوش فرمایا اور باقی صحابہ میں تقسیم کر دیا۔ مابہ کو یقین ہو گیا کہ صدقہ سے اعراض فرمانے اور ہدیہ قبول کرنے والے یہی نبی آخر الزمان ہیں۔ لیکن ابھی مہرِ نبوت کا مشاہدہ کرنا باقی تھا۔ چند دنوں کے بعد مابہ نے سنا کہ رسول اکرمؐ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع غرقد تشریف لے گئے ہیں۔ کشاں کشاں وہاں پہنچا۔ حضورؐ کو مؤدبانہ سلام کیا اور پشت اطہر کی طرف جا کر منتظر رہا کہ کسی وقت کپڑا ہٹے تو مہرِ نبوت دیکھ لوں۔ حضورؐ نے مابہ کی دلی کیفیت بھانپ لی۔ پشت مقدس سے کپڑا ہٹا دیا۔ مابہ کے سامنے مہرِ نبوت اپنی پوری ضوفشانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ اس نے بصد احترام و عقیدت جھک کر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ مہرِ نبوت پر ثبت کر دئیے اور پھر بے اختیار رونے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا "سامنے آؤ"۔

مابہ سامنے حاضر ہوا اور جستجوئے حق میں جن مراحل سے اسے گزرنا پڑا تھا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیے۔ حضورؐ نے مابہ کی بلاکشی کی داستان تمام صحابہؓ کو بھی سنوائی اور پھر مابہ کو مشرف باسلام کر کے اسے "سلمان الخیر" کا نام عطا فرمایا۔ اس دن سے مابہ بن بوذخشان سلمان فارسی کے عظیم القدر نام سے مشہور ہوئے۔

(۷)

سلمانؓ اب اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی زندگی میں انقلاب بپا ہو گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ دن رات آقائے دوجہاںؐ کی خدمت میں حاضر رہا کریں لیکن یہودی کا طوقِ غلامی گردن میں ایسا پڑا تھا کہ کسی ڈھب اس سے چھٹکارہ

نہ ہوتا تھا۔ بدر اور احد کے غزوات یونہی گذر گئے۔ اس غلامی نے انہیں ان غزوات میں شرکت سے محروم رکھا۔ حضورؐ کو سلمانؓ کی مجبوری کا حال معلوم تھا ایک دن ان سے فرمایا "سلمان تم اپنے آقا کو معاوضہ ادا کر کے اپنی گلو خلاصی کرالو"۔ سلمانؓ تو دل سے یہی چاہتے تھے۔ یہودی آقا سے اپنی قیمت طے کی۔ اس نے چالیس اوقیہ سونا اور تین سو پودے لگانے کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے اس مکاتبت کا حال سنا تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ "تم لوگ سلمانؓ کو ایک دشمن اسلام کی غلامی سے آزاد ہونے میں مدد دو"۔ صحابہؓ نے بصد مسرت سلمانؓ کی مدد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ہر ایک نے بقدر استطاعت زیادہ سے زیادہ پودے جمع کئے۔ تا آنکہ پورے تین سو ہو گئے۔ پھر سب نے مل کر گڑھے کھودے حضورؐ خود تشریف لائے اور صحابہ کے ساتھ مل کر تمام پودے یہودی کی زمین میں لگا دئے۔ اب صرف ایک شرط باقی رہ گئی تھی۔ اللہ نے اس کے پورا کرنے کی صورت بھی جلد ہی پیدا کر دی۔ چند دنوں کے بعد حضورؐ کو ایک غزوہ میں چالیس اوقیہ سونا مل گیا۔ حضورؐ نے یہ سونا سلمانؓ کو دیدیا اور فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ سلمانؓ دوڑے دوڑے گئے۔ یہ سونا یہودی کو دیا اور اس کا طوق غلامی گردن سے اتار کر اپنے حقیقی آقا کے قدموں میں آ گرے اس دن کے بعد سلمان فارسیؓ سفر و حضر خلوت و جلوت ہر حال میں سرور کائناتؐ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔

(۸)

ماہ ذوالقعدہ ۵ھ ہجری میں سرور کائنات کو غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اس

غزوہ میں مشرکین کا ایک لشکر گراں مدینہ پر چڑھ آیا۔ حضورؐ نے جنگ کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایران کے جنگی طریقوں سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ دشمن کے ٹڈی دل کے مقابلے میں ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اس لئے کھلے میدان میں لڑنا مناسب نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا جائے" حضورؐ نے سلمان فارسیؓ کی تجویز کو بہت پسند فرمایا اور خندق کھودنے کا کام جاری کر دیا۔ رسول کریمؐ کے ہمراہ تین ہزار صحابہؓ اس کام میں شریک ہوئے۔ اور تقریباً پندرہ دن کی محنت شاقہ کے بعد پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق تیار ہو گئی۔ تقسیم کار کے وقت انصار اور مہاجرین میں حضرت سلمانؓ کے متعلق ایک دلچسپ بحث چھڑ گئی۔ انصار کہتے تھے "سلمان ہمارے ساتھ ہیں"۔ اور مہاجرین کہتے تھے "ہمارے ساتھ ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بحث کا حال سنا تو فرمایا۔

سَلْمَانُ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ

(سلمان میرے اہل بیت سے ہے)

اللہ اللہ فارس کے غریب الدیار اور مسکین سلمانؓ کا مقدر کہ سرکار دو عالم اپنی زبان مبارک سے انہیں اپنے اہل بیت میں شامل فرما رہے ہیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مشرکین مدینۃ الرسول کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کر کے آئے تھے

لیکن اس خندق نے انہیں شہر تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ اور ستائیس دن کے بعد وہ محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔

غزوۂ احزاب کے بعد بھی حضرت سلمانؓ ہر غزوہ میں شریک رہے ان کا عشقِ رسولؐ اور شوقِ جہاد دیکھ کر ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا: جنت تین آدمیوں کا اشتیاق رکھتی ہے۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کا۔

(۹)

سرورِ کائناتؐ کی رحلت کے بعد سلمان فارسیؓ نے عرصہ تک مدینہ میں قیام کیا۔ فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے عراق کی سکونت اختیار کر لی۔ ایران پر لشکر کشی کے وقت وہ بھی مجاہدینِ اسلام میں شریک ہو گئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ فاروق اعظمؓ ان کے مرتبہ شناس تھے۔ انہوں نے سلمانؓ کو مدائن کی گورنری پر مقرر فرمایا۔ اور تقریباً چار یا پانچ ہزار درہم ان کی تنخواہ مقرر کی۔ لیکن اس مرد درویش کی گورنری کی کیفیت عجیب تھی۔ جو تنخواہ ملتی اسے مساکین میں تقسیم کر دیتے اور خود چٹائی بُن کر روزی کماتے۔ چٹائی کی آمدنی کا ایک تہائی بھی خیرات کر دیتے۔ خطبہ دیتے تو ایک معمولی عبا پہن کر۔ کہیں جاتے تو بغیر زین کے ایک معمولی گدھے پر سوار ہو کر اور ایک تنگ اور چھوٹی سی قمیص میں ملبوس ہو کر۔ لوگ ان کو دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے لیکن وہ صاف صاف کہہ دیتے "خیر و شر کا اندازہ تو اس زندگی کے بعد ہو گا آج جتنا جی چاہے ہنس لو۔" ان کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک بوسیدہ

کمبل تھا۔ دن کے وقت اسے اپنے بدن پر ڈال لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے جب وہ اپنے درویشانہ لباس میں ملبوس باہر نکلتے تو لوگ کہتے گرگ آمد گرگ آمد۔ ایک دن مدائن کے بازار میں جا رہے تھے کہ ایک ناواقف شخص نے انہیں مزدور سمجھ کر اپنا سامان اٹھانے کے لئے کہا حضرت سلمانؓ اس کا سامان اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل دئے۔ راستے میں لوگوں نے دیکھا تو کہا "اے صاحب رسولؐ اے امیر آپ نے یہ بوجھ کیوں اٹھا رکھا ہے۔ لائیے ہم اسے پہنچا دیں"۔ سامان کا مالک ہکا بکا رہ گیا۔ نہایت شرمندہ ہو کر حضرت سلمانؓ سے معافی مانگی اور ان کے سر سے سامان اتروانا چاہا۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا۔ "بھائی تو نے یہ سامان اٹھوا کر اپنے مکان تک لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اب میں اسے منزل مقصود پر پہنچا کر ہی دم لوں گا"۔

(۱۰)

ایک دفعہ ایک شخص حضرت سلمان فارسیؓ کے گھر گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ پوچھا خادم کہاں ہے۔ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا "کسی کام سے بھیجا ہے۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ دو دو کاموں کا بوجھ اس پر ڈالوں"۔

ایک دن کسی شخص نے حضرت سلمان فارسیؓ کو گالیاں دیں۔ آپ نے فرمایا بھائی اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہوگا تو جو کچھ تو نے کہا ہے میں اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر میرے گناہوں کا پلہ ہلکا ہوا تو تیری بات

سے مجھے کیا ڈر ہے"۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت سلمانؓ سے کہا آپ بے گھر اور بے در ہیں میں آپ کے لئے ایک مکان بنانا چاہتا ہوں"۔ حضرت سلمانؓ نے انکار کیا لیکن وہ شخص پیہم اصرار کرتا رہا۔ آخر حضرت سلمانؓ نے فرمایا "بھائی اگر تجھے میرے لئے مکان ضرور ہی بنانا ہے تو اس طرح بناؤ کہ اگر لیٹوں تو پیر دیواروں سے لگیں اور اگر کھڑا ہوں تو سر چھت سے مل جائے"۔ اس شخص نے ان کی خواہش کے مطابق مختصر سی جھونپڑی بنا دی۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے ۳۵ھ میں بعمر ڈیڑھ سو سال وفات پائی۔

مرض الموت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ حضرت سلمانؓ زار زار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ نے پوچھا۔ "ابو عبداللہ (سلمانؓ فارسی کی کنیت) رونے کا کونسا محل ہے۔ رسول کریمؐ تم سے راضی رخصت ہوئے اب تو خلد بریں میں اپنے آقا سے ملاقات ہو گی"۔

حضرت سلمانؓ نے جواب دیا "خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا۔ اور نہ مجھے دنیا کی خواہش ہے۔ بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ سرور کائناتؐ نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ دنیا جمع نہ کرنا اور دنیا سے اس طرح جانا جس طرح میں جاتا ہوں۔ اب میرے پاس اسباب جمع ہو گیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں اپنے آقا کے جمال سے محروم نہ ہو جاؤں"۔

یہ اسباب جس کی وجہ سے حضرت سلمانؓ گریہ و زاری کر رہے تھے محض ایک بڑے پیالے ایک لوٹے ایک بوسیدہ کمبل اور ایک تسلہ پر مشتمل تھا تکیہ

کی جگہ سر کے نیچے دو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے حضرت سعدؓ اور دوسرے لوگوں کو نصیحت کی کہ ہر حال میں خدا کو یاد رکھو اور کوشش کرو کہ حج یا جہاد کرتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کرو۔ اور خیانت کی حالت میں نہ مرو"۔

حضرت خالد بن سعید اموی رضہ

(۱)

ابو سعید خالد بن سعید اموی رضہ نے ابھی منزل شباب میں قدم رکھا ہی تھا کہ آفتاب رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا۔ خالد کے والد اور دوسرے اہل خاندان سخت مشرک تھے۔ لیکن خالد کو اللہ تعالےٰ نے قلب گداز عطا فرمایا تھا۔ ایک رات نیند کی حالت میں ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک غار کے دہانے پر کھڑے ہیں جس میں آگ بھڑک رہی ہے۔ ان کے والد انہیں اس غار میں دھکیل رہے ہیں۔ لیکن سرور کونین صلعم انہیں گریبان سے پکڑ کر بچا رہے ہیں۔ بیدار ہوئے تو دل کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو رویا کی تعبیر میں خاص مہارت تھی۔ ان کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا "تمہیں فوراً سرور کائنات کا دامن اقدس تھام لینا چاہیئے۔ تمہارے خواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ راہ ہدایت پر چل کر تم اس آتشیں غار میں گرنے سے بچ جاؤ گے اور اس غار کی بھڑکتی ہوئی آگ تمہارے باپ کو نصیب ہوگی"۔

حضرت خالد فوراً سرور دو عالم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

حضور آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟"

رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ میری دعوت یہ ہے کہ "اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ بتوں کی پوجا چھوڑ دو اور مجھ کو خدا کا رسول مانو۔"

خالد نے عرض کی "یا رسول اللہ میں خدائے واحد اور آپ کی رسالت پر صدق دل سے ایمان لاتا ہوں اور تبلیغ حق میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

(۲)

جب خالدؓ کے باپ سعید کو ان کے قبول اسلام کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور اپنے دوسرے بیٹوں کو ان کے پکڑ لانے کے لئے بھیجا۔ وہ خالد کو پکڑ کر باپ کے پاس لے گئے۔ اس نے ان پر ایک نگاہ خشم آلود ڈالی اور کہا محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو ورنہ تمہاری خیر نہیں"۔ لیکن خالد دل وجان سے اسلام پر فدا ہو چکے تھے بولے۔ "ہرگز نہیں ہرگز نہیں میری جان بھی چلی جائے تو محمد مصطفٰےؐ کا دامن اقدس ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔"

سعید نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر اس نے سخت غضب ناک ہو کر انہیں بیدردی سے مارنا شروع کیا۔ ہاتھ کی لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی لیکن اس کا غصہ فرو نہ ہوا۔ جب تھک گیا تو ایک بار پھر خالدؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اور کہا۔ "تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ محمدؐ نے ساری قوم سے علیحدگی اختیار کر لی ہے وہ اور ان کے ساتھی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو باطل پرست کہتے ہیں۔ تجھے شرم نہیں

نہیں آتی کہ ان باتوں میں تو ان کا ساتھ دیتا ہے" لیکن خالدؓ کا نشہ ایسا نہ تھا جسے خاندانی عصبیت کی ترشی اتار دے۔ بولے "خدا کی قسم محمدؐ جو فرماتے ہیں سچ فرماتے ہیں۔ اور میں ہرگز ان کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔"

جب سنگدل باپ کے دوسرے تمام حربے بیکار ہو گئے تو اس نے حضرت خالد کو قید کر دیا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا۔ خالد کئی دن تک بھوکے پیاسے قید تنہائی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ آخر ایک دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور نواح مکہ میں کہیں چھپ گئے۔

کچھ عرصہ بعد جب بلاکشانِ اسلام کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا۔ تو خالدرضؓ مکہ واپس آئے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اس قافلہ کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئے۔

غزوہ خیبر کے زمانہ میں حضرت خالدؓ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ اور فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں سرورِ کائناتؐ کا حق رفاقت ادا کیا۔

ان کے دونوں بھائی ابانؓ بن سعید اور عمرؓو بن سعید بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ سرورِ کائناتؐ نے تینوں بھائیوں کو یمن، بحرین اور تیماء کی حکومت عطا فرمائی۔ آقائے نامدار کی رحلت کی خبر سن کر تینوں بھائی اپنے عہدوں سے مستعفی ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔ صدیق اکبرؓ نے انہیں دوبارہ ان عہدوں پر مقرر کرنا چاہا۔ لیکن انہوں نے جواب دیا "ہم رسول اکرمؐ کے بعد کسی کے عامل نہیں بن سکتے۔"

(۳)

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن سعید نے فتنۂ ارتداد کے خلاف بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور اس زمانے کے مشہور بہادر عمرو بن معدیکرب کو زخمی کیا۔ عمرو بن معدیکرب بدقسمتی سے چند دنوں کے لیے اسود عنسی کے مریدین کر مرتد ہو گئے تھے بعد میں مسلمان ہو کر انہوں نے جہاد شام میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ فتنۂ ارتداد کے خاتمے کے بعد صدیق اکبرؓ نے خالد بن سعید کو فوج کے ایک دستے کی سرداری پہ مقرر کیا۔ دمشق اور واقوصہ کے درمیان اپنی ناتجربہ کاری کی بدولت باہان رومی کی فوجوں کے نرغے میں آ گئے۔ ان کے صاحبزادے سعید کو رومیوں نے شہید کر دیا۔ خالد اس صدمہ کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹ آئے۔ کچھ دنوں بعد مدینہ آئے تو صدیق اکبرؓ نے اس کمزوری پر انہیں تنبیہ کی۔ اس کے بعد وہ ایک عام سپاہی کی طرح مجاہدین میں شامل ہوئے اور گذشتہ غلطی کی تلافی کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔ فحل اور دمشق کی جنگوں میں اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ اپنے بیگانے عش عش کر اٹھے۔ ان معرکوں کے بعد حضرت خالد نے ام حکیمؓ سے نکاح کر لیا[1]۔ اور مرج صفر پہنچ کر بیوی سے ملنے کی تیاری کی۔ ام حکیمؓ نے کہا "دشمن سر پہ کھڑا ہے بہتر یہ ہے کہ اس سے نبٹ کر اطمینان سے ملئے"۔

---

[1] ام حکیم بنت حارث پہلے حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی بیوی تھیں۔ جب عکرمہ رضؓ نے جہاد شام میں شہادت پائی تو ام حکیمؓ نے خالدؓ بن سعید سے نکاح کر لیا۔

حضرت خالدؓ نے کہا مجھے اس معرکے میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے ۔ دنیا سے رخصت سفر باندھنے سے پہلے تم سے مل لوں تو کیا حرج ہے" ام حکیمؓ راضی ہو گئیں اور وہیں ایک خیمہ میں ان کی رخصتی ہوئی ۔ صبح کو حضرت خالدؓ نے دعوت ولیمہ کی ۔ ابھی لوگ کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا ۔ حضرت خالدؓ تلوار پکڑ کر دشمن کی طرف لپکے اور مردانہ وار لڑ کر جام شہادت پیا حضرت ام حکیمؓ نے شوہر کو شہید ہوتے دیکھا تو اپنے خیمے کی چوب اکھاڑ کر رومیوں پر جھپٹیں اور سات آدمیوں کو خاک و خون میں سلا کر اپنے شوہر کا انتقام لے لیا ۔

حضرت حذیفہ بن حسیل الیمانؓ

(۱)

محرم اسرار نبوت ابو عبداللہ حذیفہ بن حسیل الیمانؓ ان جلیل القدر ہستیوں میں تھے جنہیں سالار انبیاء فخر رسل نے اپنی زبان مبارک سے قیامت میں اپنی معیت کی بشارت سنائی۔ حضرت حذیفہؓ نے ہجرت نبوی سے قبل ہی قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔ البتہ ان کے والد حسیلؓ بن جابر نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔ اتفاق سے غزوۂ بدر کے موقع پر دونوں باپ بیٹا مکہ میں تھے۔ غزوہ کا حال سنا تو اس میں شرکت کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے۔ راستے میں مشرکین مزاحم ہوئے۔ انہوں نے کہا ہم تو صرف مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ مشرکین نے کہا تمہارے مدینہ جانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم محمدؐ کی حمایت میں ہمارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے۔ دونوں نے طوعاً وکرہاً کفار کی شرط مان لی اور ان کے پنجہ سے چھوٹ کر سرور کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم اپنا عہد پورا

کر دو اور جنگ میں شرکت سے اجتناب کرو"۔
حضرت حسیلؓ اور حذیفہؓ نے سرورِ کائناتؐ کے حکم کی تعمیل کی۔

(۲)

جنگ احد میں دونوں باپ بیٹا نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوئے حضرت حسیلؓ اگرچہ بہت ضعیف العمر تھے۔ لیکن شوق شہادت میں گھر بیٹھنا گوارا نہ ہوا۔ ان کے اسلام کا حال اکثر مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا۔ اثنائے جنگ میں چند مسلمانوں نے انہیں مشرک سمجھ کر حملہ کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے پکارا "یہ میرے والد ہیں یہ میرے والد ہیں"۔ لیکن ہنگامۂ کارزار میں ان کی آواز کسی نے نہ سنی اور حسیلؓ شہید ہو گئے۔

حضرت حذیفہؓ کو اپنے والد کے اس طرح شہید ہونے سے رنج تو بہت ہوا۔ لیکن صبر و ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ یہ واقعہ مسلمانوں سے غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا تھا۔ منہ سے صرف اتنا بولے۔

یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ "اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے"۔

حضورؐ نے یہ واقعہ سن کر حضرت حذیفہؓ سے اظہار ہمدردی فرمایا اور انہیں خون بہا دینا چاہا۔ باحمیت حذیفہؓ نے اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔

(۳)

حضرت حذیفہؓ نے غزوۂ احزاب (خندق) میں نمایاں حصہ لیا۔ مشرکین

کے ایک لشکر جرار لے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ایک رات خوفناک آندھی چلی جس سے کفار کا سخت نقصان ہوا اور انہوں نے حواس باختہ ہو کر کوچ کرنے کی ٹھانی۔ ادھر مدینہ میں سرور کائنات ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا: "کون ہے جو جا کر مشرکین کے لشکر کی خبر لائے جو یہ کام کرے گا میں اسے جنت میں اپنی معیت کی خوشخبری سناتا ہوں"۔

اس وقت نہایت سرد اور تند ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ حضورؐ نے تین مرتبہ اپنے الفاظ کا اعادہ کیا۔ لیکن کسی کو اٹھنے کی ہمت نہ پڑی۔ چوتھی بار حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کا نام لے کر پکارا کہ "حذیفہ جاؤ یہ کام تمہارے سپرد ہے۔ لیکن اتنا خیال رکھنا کہ کسی مشرک پر حملہ نہ کر بیٹھنا"۔

آقائے نامدار کے فرمان کی تعمیل میں حضرت حذیفہؓ نہایت تیز رفتاری سے مشرکین کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوسفیان کو پیٹھ پر چوٹ لگ گئی تھی۔ اسے آگ سے سینک رہا تھا کہ حذیفہ سر پر پہنچ گئے۔ چاہتے تھے کہ اس کا خاتمہ کر دیں لیکن سرورِ کونینؐ کی ہدایت یاد آ گئی اس لئے اس کام سے باز رہے مشرکین کی شکستہ حالی اور بددلی کا جائزہ لے کر مدینہ واپس آئے اور تمام حالات حضورؐ کے گوش گذار کئے۔ حضورؐ ان کی کارگذاری سے بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنا کمبل اوڑھایا۔ حذیفہؓ سفر کی تکان اور سردی سے بے حال ہو رہے تھے حضورؐ کا کمبل اوڑھ کر بے خبر سو گئے۔ صبح ہوئی تو سرور کائنات ﷺ نے یہ کہہ کر انہیں خود جگایا۔ "قم یا نومان" اے سونے والے اب اٹھ"۔

(۴)

حضرت حذیفہؓ نے خندق کے بعد دوسرے غزوات میں بھی مجاہدانہ حصہ لیا
آپ رفتار گفتار اور عادات ہر چیز میں سرورِ کائناتؐ کی متابعت کرنے کی کوشش
کرتے تھے۔ حضورؐ طہارت فرماتے تو حذیفہؓ پانی دیتے۔ سرورِ کائنات کے ساتھ
کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تو جب تک حضورؐ شروع نہ کرتے حذیفہؓ کھانے کو ہاتھ
تک نہ لگاتے۔ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ظہر سے لے کر عشاء تک
آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے۔ لوگ انہیں "محرم رازِ نبوت" کہہ کر پکارتے تھے

سرورِ دو عالمؐ کی رحلت پر حذیفہؓ نے شکستہ دل ہو کر عراق میں توطن اختیار کر
لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ انہیں بہت مانتے تھے۔ جب سریر آرائے خلافت ہوئے
تو حذیفہؓ کو نواحِ دجلہ کے علاقے کا امیر مقرر کیا۔ حذیفہؓ فقیر منش آدمی تھے
اس علاقہ کے شریر لوگوں نے ان کے فقر و استغنار کا تمسخر اڑایا۔ لیکن وہ اپنی
روش پر قائم رہے۔

(۵)

۱۸ھ میں مسلمانوں نے نہاوند پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ حضرت حذیفہؓ ان دنوں
کوفہ میں اقامت پذیر تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ کوفہ سے مجاہدین کا لشکر لے
کر نکلو اور نعمان بن مقرن کی مدد کو پہنچو۔ نعمان بن مقرن اس وقت اسلامی فوج کے
امیر تھے۔ جب سب اطراف کی اسلامی افواج ان کے پاس جمع ہو گئیں تو وہ نہاوند

کی طرف بڑھے۔ جہاں ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں کا لشکر جرار ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے پیغام بھیجا کہ اگر نعمان رضؓ ایرانیوں سے لڑائی میں شہید ہوجائیں تو حذیفہ رضؓ امیر ہوں گے۔ مجاہدین اسلام نے نہاوند سے چند میل کے فاصلے پر قیام کیا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنکر ان پر حملہ کر دیا۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ دو دن کی خونریز لڑائی کے بعد ایرانی پسپا ہوگئے اور شہر کے اندر گھس کر دروازے بند کر لئے۔ چند دن کے محاصرہ کے بعد اسلامی فوج پیچھے ہٹ آئی اور پھر ایک تجویز کے مطابق حضرت قعقاعؓ فوج کا ایک دستہ لے کر شہر کے سامنے نمودار ہوئے۔ ایرانیوں نے تھوڑی سی فوج دیکھ کر شہر کے دروازے کھول دئے اور باہر نکل کر مسلمانوں پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ قعقاع پیچھے ہٹتے ہٹتے ایرانی فوج کو شہر سے بہت دور لے آئے۔ اسلامی لشکر تاک میں بیٹھا تھا۔ اس نے نعرۂ تکبیر لگا کر ایرانیوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ ایرانی بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا راستہ روک لیا۔ اس افراتفری میں حضرت نعمانؓ بن مقرن شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے فاروق اعظم رضؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت حذیفہؓ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ حضرت نعیم بن مقرن اپنے بھائی کی شہادت کے بعد علم اسلام ہاتھ میں لے کر مجاہدین کو لڑا رہے تھے۔ انہوں نے بھی فوراً حضرت حذیفہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد حضرت حذیفہؓ فوج لے کر شہر کی طرف بڑھے اور بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہوگئے۔ اہل شہر امان کے طالب ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضؓ نے ان پر جزیہ عاید کر کے امان دیدی۔ ایک آتشکدہ کے موبد نے ان کی خدمت

میں چند گراں قدر جواہرات پیش کئے۔ آپ نے یہ جواہرات مال غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دئے فاروق اعظمؓ نے یہ جواہرات اس ہدایت کے ساتھ واپس بھیجدئے کہ انہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت حذیفہؓ نے یہ جواہرات کئی لاکھ درہم پر فروخت کر کے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی

(۶)

نہاوند کی فتح کے بعد حضرت حذیفہ رضا نے آذربائیجان پر چڑھائی کی اور ایک سخت لڑائی کے بعد رئیس آذربائیجان کو اسلامی سلطنت کا باج گذار بنالیا۔

اس کے بعد حضرت حذیفہ رضا کو مدائن کی ولایت سپرد کی گئی — وہ مدائن میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ایک خچر پر سوار تھے۔ جس پر زین بھی نہ تھی اور حقیر سا لباس زیب بدن تھا۔ معززین شہر استقبال کے لئے جمع تھے۔ حضرت حذیفہ رضا ان کے پاس سے گذر گئے اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ کہ والئ مدائن شہر کے اندر پہنچ گئے ہیں۔ کافی دیر گذر گئی تو معززین مدائن نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ والئ شہر آنے والے تھے۔ ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔ مسلمانوں نے بتایا کہ وہ تو ابھی تمہارے سامنے سے گذرے ہیں۔ اکابر شہر حیران رہ گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت حذیفہ رضا نے تمام مسلمانوں اور اہل مدائن کو جمع کیا

اوران کے سامنے خلیفۃ المسلمین کا فرمان پڑھا۔ اس میں یہ لکھا تھا "حذیفہ رضہ بن یمان تمہارے امیر مقرر کئے جاتے ہیں ان کا حکم سنو اوران کی اطاعت کرو اور یہ جو کچھ تم سے طلب کریں ان کو دو"۔

جب وہ فرمان پڑھ چکے تو چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں "آپ اپنی ضرورتیں بیان کریں ہم انہیں پورا کریں گے"۔

حضرت حذیفہ رضہ مقام فقر کی معراج پر تھے۔ فرمایا "مجھے صرف اپنے پیٹ کے لئے کھانا اور گدھے کے لئے چارہ چاہیئے۔ جب تک میں یہاں رہوں گا اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں مانگوں گا"۔

اور واقعی حضرت حذیفہ رضہ نے اپنا قول پورا کر دکھایا۔ جب تک مدائن میں رہے۔ امارت میں فقیری کی شان رہی۔ کچھ عرصہ بعد دربار خلافت سے طلبی ہوئی۔ اپنی فقیرانہ شان سے روانہ ہوئے۔ فاروق اعظم رضہ راستے میں بیٹھے تھے۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر فرط محبت سے لپٹ گئے اور فرمایا "حذیفہ رضہ تم نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں"۔

فاروق اعظم رضہ کے بعد حضرت حذیفہ رضہ نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کفار کے خلاف کئی جنگوں میں شرکت کی اور نہایت ثابت قدمی سے لڑے ۳۶ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ دم نزع زبان پر یہ کلمات تھے "الٰہی اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کرنا کہ میں تجھے نہایت محبوب رکھتا ہوں"۔

حضرت سعد الاسود سہمیؓ

(۱)

حضرت سعدؓ قبیلہ بنی سہم کے ایک بلند پایہ رکن تھے۔ وہ بہت سیاہ فام اور کم رو تھے۔ اس لئے لوگ انہیں سعد الاسود کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنی زشت روئی سے وہ خود بیزار ہو گئے تھے۔ ایک دن سرور کونین ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا محمدؐ کیا جنت میں میرے جیسا کریہہ منظر آدمی بھی داخل ہو سکتا ہے"

حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمہیں تمہاری کم روئی جنت میں داخلہ سے ہرگز نہ روکے گی۔ بشرطیکہ تم توحید اور رسالت پر ایمان لاؤ۔"

حضرت سعدرضؓ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ اور اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

پھر حضورؐ سے پوچھا "یا رسول اللہ میرے حقوق و فرائض کیا ہیں"۔

فرمایا "وہی جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اب تم ان کے بھائی ہو"۔

حضرت سعدرضؓ خوش خوش گھر چلے گئے۔

(۴)

چند دنوں کے بعد سعدرضا پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی "یا رسول اللہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری بدصورتی کی وجہ سے کوئی شخص اپنی بیٹی میرے عقدِ نکاح میں دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔"

حضور نے فرمایا "تم عمرو بن وہب ثقفی کے پاس جاؤ۔ اس کی ایک جوان لڑکی ہے۔ اس کے لئے پیغام دو۔"

عمرو بن وہب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے مزاج میں ابھی زمانہ جاہلیت کی درشتی موجود تھی۔ سعدؓ نے انہیں رسول اکرمؐ کے فرمان سے مطلع کیا۔ تو وہ ان کی صورت دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور لڑکی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ لڑکی نے اپنے باپ اور سعدؓ کی گفتگو سنی تو فرمانِ نبوی کی عدم تعمیل سے لرز گئی۔ جھپٹ کر دروازہ پر آئی اور کہا "اگر واقعی سرورِ کائناتؐ نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کے لئے تیار ہوں"۔ پھر اس نیک بخت لڑکی نے اپنے باپ سے کہا: "ابا قبل اس کے کہ خدا آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کریں"۔ عمرو بن وہب اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے اور دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوی میں پہنچے اور عرض کی "یا رسول اللہ ہمیں اس شخص کی بات کا اعتبار نہ تھا۔ اس لئے لاعلمی میں اس کا پیغام رد کر دیا۔ للہ معاف فرمائیے۔ ہم نے اپنی لڑکی اس شخص کے ساتھ بیاہ دی"

حضورؐ نے سعدؓ سے فرمایا "سعد تمہارا عقد ہو چکا۔ اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ"

سعدرضا کو بے حد مسرت ہوئی۔ بارگاہ نبوی سے اٹھ کر سیدھے بازار گئے

کہ بیوی کے لئے کچھ تحائف خریدیں — ابھی کوئی چیز نہیں خریدی تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو کہہ رہا تھا۔

یا خیل اللہ ارکبی و بالجنۃ ابشری۔ (اے خدا کے شہسوارو جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو)

سعدؓ نوجوان تھے۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ دل میں ہزار امنگیں اور ارمان تھے۔ صدہا مایوسیوں کے بعد شادی کا مژدہ فردوس گوش ہوا تھا۔ لیکن منادی کی آواز سن کر ان کے تمام ولولے اور جذبات سرد پڑ گئے۔ اور سینے میں راہ حق میں سر کٹانے کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ نو عروس اور اس کے تحائف کا خیال دل سے کافور ہو گیا۔ جو رقم اس مقصد کے لئے ساتھ لائے تھے۔ اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا اور سر پر عمامہ باندھ کر جماعت مجاہدین میں جا شامل ہوئے۔ اس سے پہلے نہ ان کے پاس گھوڑا تھا نہ نیزہ و تلوار۔ اور نہ انہوں نے کبھی عمامہ اس طرح باندھا تھا۔ اس لئے کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ یہ سعد الاسود ہیں۔ حتیٰ کہ سرور کائنات ؐ نے بھی انہیں نہ پہچانا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر بڑے جوش و شجاعت سے لڑے۔ ایک موقع پر گھوڑا اڑ گیا تو اس کی پشت پر سے کود پڑے اور آستینیں چڑھا کر پیادہ پا ہی لڑنا شروع کر دیا۔ اس وقت حضور ؐ نے ان کے ہاتھوں کی سیاہی دیکھ کر شناخت کر لیا اور آواز دی "سعدا"۔

لیکن سعد اس وقت ہوش میں نہ تھے۔ جنت عدن اور اس کی حوریں ان کی نظر کے سامنے تھیں اور وہ اس جوش و وارفتگی کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ سرور کونین ؐ

کی آواز کی خبر بھی نہ ہوئی — اسی طرح دادِ شجاعت دیتے ہوئے جرعۂ شہادت نوش کیا۔ اور عروس نو کی بجائے حورانِ جنت کے آغوش میں جا پہنچے۔

(۳)

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو سعدؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ سعدؓ کی لاش کے پاس پہنچے۔ ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا "میں نے سعدؓ کا عقد عمرو بن وہب ثقفی کی لڑکی سے کر دیا تھا۔ اس لئے اس کے متروکہ سامان کی مالک وہی لڑکی ہے۔ سعدؓ کے ہتھیار اور گھوڑا اسی کے پاس پہنچا دو اور سعدؓ کے سسرال والوں سے جا کر یہ بھی کہہ دو کہ اب خدا نے تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی سعدؓ کو عطا کر دی اور اس کی شادی جنت میں ہو گئی"

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ

(۱)

ابھی ابو محمدؐ عبداللہ بن مخرمہؓ کی مسیں بھیگ رہی تھیں کہ مکہ کے لوگوں میں انہوں نے ایک عجیب چرچا سنا: "ارے عبدالمطلب کا یتیم پوتا کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ بت پرستش کے لائق نہیں۔ بلکہ اس کا خدا عبادت کے لائق ہے"۔

نوجوان عبداللہ نے سوچا: "اگر ابن عبداللہ یہ کہتے ہیں تو لوگ اس پہ یقین کیوں نہیں کر لیتے۔ یہ لوگ تو ان کی پاکبازی، دیانتداری اور حق گوئی کے گیت گایا کرتے تھے۔ اب اس بات پہ چراغ پا کیوں ہو گئے ہیں۔ ابن عبداللہ کسی کھوٹے خاندان میں پیدا نہیں ہوئے کہ انہیں کوئی جھوٹ گھڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ بخدا محمدؐ اور محمدؐ کا خدا سچا ہے۔ میں اس پہ ایمان لاؤں گا"۔

(۲)

جب عبداللہ نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو یتیم مکہ کے ماننے والوں کو

طرح طرح کے مصائب میں مبتلا پایا۔ لیکن ابن مخرمہ کی رگوں میں ایک شریف اور شجاع خون دوڑ رہا تھا۔ ان کے ضمیر اور دل نے پکارا "عبداللہ جور وستم اور بلاؤں کے ہجوم سے گھبرا کر دعوت حق سے آنکھیں چرانا بزدلی ہے آگے بڑھو اور رحمت دو عالمؐ کا دامن تھام لو۔"

عبداللہ بن مخرمہ مردانہ وار آگے بڑھے اور ہادیٔ اکبرؐ کے دست مبارک سے بادۂ حق کا مقدس جام لے کر غٹاغٹ پی گئے۔ اب وہ تھے اور جور وستم کی ہوا کے جانسوز تھپیڑے۔ سرور کونینؐ نے نوعمر عبداللہ کو کرب و بلا میں مبتلا پایا تو انہیں ہدایت کی کہ حبش چلے جاؤ۔

حضرت عبداللہؓ نے فوراً ارض مکہ کو الوداع کہا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کی جب سرور کائناتؐ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو عبداللہؓ بن مخرمہ بھی اپنے حبیبؐ کے قدموں میں یثرب آ گئے۔ جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب اور دیگر تمام غزوات میں اپنے آقا کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ ان کے دل میں ہر وقت شوق شہادت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے اور زبان پر یہ دعا جاری رہتی تھی "الٰہی مجھ پر اس وقت تک موت وارد نہ فرما جب تک میرے جسم کا ایک ایک بند تیرے راستے میں چور نہ ہو جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں جب مجاہدین اسلام مدینہ سے مرتدوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن مخرمہؓ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ مرتدوں کے خلاف ایک معرکہ میں اس جوش اور ثابت قدمی سے لڑے کہ تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ آخر زخموں

سے چور چور ہو کر گر پڑے۔ ان کے جسم کا بند بند زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ لوگ میدان سے اٹھا کر خیمہ میں لے گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا عبد اللہ بھی روزے سے تھے۔ زخموں نے نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن روزہ توڑنا گوارا نہ کیا۔ شام کے وقت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ان کی خبر لینے آئے۔ چونکہ اب افطار کا وقت تھا ان سے کہا۔ ابن عمرؓ مجھے روزہ افطار کرنا ہے پانی لاؤ"۔ ادھر وہ پانی لینے گئے ادھر ابن مخرمہؓ حوض کوثر پر جا پہنچے اور ساقئ کوثر کے مقدس ہاتھوں سے روزہ افطار کیا۔

اصحابِ صُفّہ

(۱)

جب مرکزِ رسالت مکہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوا۔ تو نہ صرف عرب کے گوشہ گوشہ سے بلکہ عرب سے متصلہ دوسرے ممالک سے بھی متلاشیانِ حق مدینہ پہنچنے شروع ہوگئے۔ یہ لوگ راہِ حق میں بیوی بچوں اور مال و دولت سے منہ موڑ لیتے تھے اور اپنا وطنِ عزیز ترک کر کے اپنی جانوں کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ سفر کی صعوبتیں اور غریب الوطنی کی تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کر لی تھی۔ حالتِ امن میں وہ خدا کے مسکین ترین بندے تھے اور میدانِ جہاد میں شیران تر سے بڑھ کر تھے۔ جب ان غریب الدیار درویشانِ اسلام کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ تو سرورِ کائناتؐ نے ان کی مستقل رہائش کے لئے مسجدِ نبوی سے جانبِ شرق ایک مسقف چبوترہ بنوایا۔ عربی میں سائبان یا مسقف دالان کو صفہ کہتے ہیں اس لئے یہ مردانِ حق آگاہ بھی اصحابِ صفہ کہلانے لگے۔ ان لوگوں کو اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد کے بارے

میں مختلف روایتیں ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ان مسکین صحابہ کرام کی کم از کم تعداد تقریباً اسّی تھی جو بعض اوقات بڑھ کر چار سو تک پہنچ جاتی تھی۔ ان بزرگوں میں سے جو شخص شادی کر لیتا تھا اور اہل و عیال کے حقوق و فرائض پورے کرنے کا پابند ہو جاتا تھا وہ ان کے حلقے سے خود بخود نکل جاتا تھا۔

اصحاب صفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم میں سے پچاس بہت مشہور ہیں ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضؓ
(۲) حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضؓ
(۳) حضرت عبداللہ بن خالد غفاریؓ
(۴) حضرت براء بن مالک رضؓ
(۵) حضرت ابو ثعلبہ انصاری رضؓ
(۶) حضرت جلیبیب بن زید بن عاصم انصاریؓ
(۷) حضرت خالد بن زید بن حارثہ انصاریؓ
(۸) حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضؓ
(۹) حضرت ثابت بن ضحاک خزرجیؓ
(۱۰) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضؓ
(۱۱) حضرت شبیبہؓ مولیٰ رسول کریمؐ
(۱۲) حضرت ابو کبشہؓ مولیٰ رسول کریمؐ
(۱۳) حضرت یسار راعیؓ مولیٰ رسول کریمؐ
(۱۴) حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضؓ
(۱۵) حضرت عکاشہ بن محصن اسدیؓ
(۱۶) حضرت ابو سعید خدری رضؓ
(۱۷) حضرت سفینہؓ مولیٰ رسول کریمؐ
(۱۸) حضرت شقرانؓ مولیٰ رسول کریمؐ
(۱۹) حضرت ابو ثعلبہ انصاری رضؓ
(۲۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضؓ
(۲۱) حضرت خبیب بن اساف انصاریؓ
(۲۲) حضرت ابو مویہبہ مولیٰ رسول کریمؐ
(۲۳) حضرت سعد بن مالک خزرجیؓ
(۲۴) حضرت سالم بن عمیر رضؓ
(۲۵) حضرت سائب بن خلاد رضؓ
(۲۶) حضرت صفوان بن بیضا فہریؓ

(٢٧) حضرت قرہ بن ایاس رضؓ — (٢٨) حضرت مسطح بن اثاثہ رضؓ

(٢٩) حضرت ابو فراس ربیعہ بن کعب سلمی رضؓ — (٣٠) حضرت ابو موہیبہ مزنی رضؓ مولی رسول کریم ﷺ

(٣١) حضرت اوس رضؓ بن اوس ثقفی — (٣٢) حضرت ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ رضؓ

(٣٣) حضرت مسعود بن ربیع رضؓ — (٣٤) حضرت عبداللہ بن قرص لیثی رضؓ

(٣٥) حضرت عویم بن ساعدہ بدری رضؓ — (٣٦) حضرت شداد بن اسید سلمی رضؓ

(٣٧) حضرت سالم بن عبید اشجعی رضؓ — (٣٨) حضرت ابو البشر بشیر بن معبد اسلمی رضؓ

(٣٩) حضرت عبداللہ بن بدر جہنی رضؓ — (٤٠) حضرت طلحہ بن عمرو نضری رضؓ

(٤١) حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضؓ — (٤٢) حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضؓ

(٤٣) حضرت حرملہ بن ایاس عنبری رضؓ — (٤٤) حضرت ابو سعید ثابت بن ودیعہ اوسی رضؓ

(٤٥) حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضؓ — (٤٦) حضرت حارثہ بن ضمیر اشجعی رضؓ

(٤٧) حضرت عبداللہ بن اسود سدوسی رضؓ — (٤٨) حضرت ابو محمد فضالہ بن عبید اوسی رضؓ

(٤٩) حضرت واثلہ بن اسقع کنانی رضؓ — (٥٠) حضرت والصعہ بن معبد اسدی رضؓ

اصحاب صفہ رضؓ کے فقر و استغناء کا عجیب عالم تھا۔ ان پر کبھی کبھی وقت کے فاقے گذر جاتے تھے۔ لیکن زبان پر حرف شکایت نہ آتا تھا۔ جب رسول کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ان میں سے بعض نحیف البنیہ اصحاب ضعف اور گرسنگی سے عین حالت نماز میں گر پڑتے اور بیہوش ہو جاتے حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر انہیں اٹھاتے اور فرماتے تھے۔ عباد الله المہاجرین اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ بارگاہ الٰہی میں تمہارا کیا درجہ ہے تو خدا کی قسم اس فقر و فاقہ کو تم اور بھی زیادہ محبوب رکھو۔ اور پھر صحابہ رضؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے

بھوکا پیٹ ستر عقلمندوں کا یا دو ں سے بھی اللہ کو پیارا ہے"۔
" اللہ تعالٰے نے حضورؐ کو اسی مقدس گروہ کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم الخ

حضورؐ ان درویشان راہ حق کو بیحد محبوب رکھتے اور ہر معاملہ میں ان کا خاص خیال رکھتے جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو حضورؐ یہ تمام کھانا اصحاب صفہ کو بھیج دیتے کبھی انہیں مہاجرین اور انصار پہ تقسیم فرما دیتے۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق ان میں سے ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ اور کھانا کھلاتا۔ اگر کوئی صحابی حضورؐ کو کھانے کی دعوت دیتا تو آپ اصحاب صفہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالٰی تھوڑے کھانے میں بھی برکت دیتا تھا۔ حضورؐ کو اصحاب صفہ کا جتنا خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ کی جگر گوشہ سیدۂ پاک فاطمۃ الزہرا ؓ نے یہ کہہ کر ایک کنیز کے لئے درخواست کی کہ "ابا جان چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں اور شدید محنت و مشقت نے مجھے نحیف و نزار کر دیا ہے"۔

حضورؐ نے ان کی بات سن کر فرمایا "بیٹی سب سے پہلے مجھے اصحاب صفہ کی خورد و نوش کا انتظام کرنا ہے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اصحاب صفہ تو بھوک سے مر رہے ہوں اور میں اپنی بیٹی کے آرام کے لئے اسے کنیز دوں۔ بیٹی صبر و شکر سے اپنا وقت گذارو"۔

حضورؐ کو اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت کا بھی خاص خیال تھا خود بھی انہیں نہایت محبت سے تعلیم دیتے اور معلم سے بھی پڑھواتے جو خاص طور پر ان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ حضورؐ کی شفقت و عنایت سے ان بزرگوں کو حدیث، قرآن، اور قرات میں خوب مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ حفظ قرآن سے بھی انہیں خاص شغف تھا۔ اور انہیں اوصاف کی بدولت وہ "قراء" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ غزوۂ بیر معونہ میں رسول کریمؐ نے اسلام کی تعلیم کے لئے جو ستر اصحاب بھیجے تھے ان میں کافی تعداد اصحاب صفہ کی تھی جب مشرکین نے ان سے دھوکا کیا تو وہ سب نہایت بہادری سے لڑ کر شہید ہو گئے

(۳)

حضورؐ نے ایک دفعہ اصحاب صفہ کے زہد و فقر کو دیکھ کر فرمایا۔

"اے درویشانِ راہِ حق جو کوئی میری امت میں اس طرح عمر گذارے جس طرح تم گذار رہے ہو تو قیامت کے دن وہ میرے رفیقوں میں ہوگا"

حضرت سعد بن عبادہ رضا کو اکثر یہ سعادت نصیب ہوتی کہ وہ تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلاتے۔ اللہ تعالے نے انہیں دولت دنیا سے سرفراز کیا تھا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کے لئے وہ اس دولت کو بے محابا اصحاب صفہ پر خرچ کرتے تھے۔

اصحاب صفہ کی زندگی راہبانہ نہ تھی اور محض محتاج ہو کر بیٹھ رہنا انہیں گوارا نہ تھا چنانچہ وہ صبح کو جنگل جا کر گری پڑی لکڑیاں چن لیتے اور انہیں فروخت کر کے

گذر اوقات کرتے جس دن کچھ نہ ملتا صبر شکر کرکے پڑ رہتے۔ مدینہ کے قیام اور سفر و حضر میں رسول کریمؐ کی خدمت و اطاعت ان کا محبوب مشغلہ تھی تحصیل علم ہی ان کا مقصد وحید نہیں تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا تو یہی مسکین بلبع اصحاب مجاہدین اولوالعزم بن جاتے اور شمشیر بکف ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دیتے تھے۔

(۳)

اصحاب صفہ کے لباس کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس تہبند اور چادر دونوں چیزیں ہوں۔ ایک چادر یا کلیم کے سوا ان کے پاس کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا وہ اس چادر کو اپنے گلے میں اس طرح باندھ لیتے تھے کہ بعض کے نصف ساق تک لٹک آتی تھیں اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچ جاتی تھیں جب نماز پڑھتے ہوئے وہ سجدہ میں جاتے تو اپنی چادروں کو سمیٹ لیتے تاکہ ستر کی جگہ نہ کھلے حضورؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقبل میں یہی بزرگ جن کا لباس پھٹے پرانے چیتھڑے ہوتا تھا اور جنہیں روٹی کا ایک ٹکڑا بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا۔ دنیائے اسلام میں بڑی شخصیتوں کے مالک بنے۔ ایک وقت تھا کہ اہل یثرب بھی ان کے ناموں سے آشنا نہ تھے۔ پھر وقت آیا کہ بڑے بڑے وسیع اور عریض صوبے ان کے زیر نگیں تھے جن پر انہوں نے نہایت لیاقت اور دیانت سے گورنری کی آقائے دوجہاں کے فیض صحبت نے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ان میں سے بہترین عالم بہترین سیاستدان۔ بہترین معلم بہترین شجاع۔ بہترین حکمران۔ بہترین مدبر

اور بہترین تاجر پیدا ہوئے۔ یہ لوگ صبر و استقامت کے اس بلند مقام پر تھے جہاں فرشتوں کے پر بھی جلتے ہیں۔ ان کی بلاکشی نے شجر اسلام کی اس طرح آبیاری کی کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں بڑھ کر ایک تناور درخت بن گیا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

چار مُقدّس قیدی

(۱)

ابو عبد الرحمٰن عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومی اور ابو جہل
دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا تھا۔ لیکن قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ
ایک بھائی (عیاشؓ) تو دینِ حق کا جاں نثار سپاہی بنا اور دوسرا (ابو جہل) دینِ حق
کا سخت ترین دشمن۔ عیاشؓ ان مقدس صحابہ میں سے ہیں جن کے لئے السّابقون
الاوّلون کا خطاب آیا تھا۔ وہ دولتِ اسلام سے اس وقت بہرہ ور ہوئے جب
سرورِ کونینؐ حضرت ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔ ابو جہل
نے بہتیری کوشش کی کہ اپنے بھائی کو اسلام لانے سے روکے۔ لیکن ناکام رہا۔
جب مشرکین مکہ نے فدایانِ توحید پر ظلم و ستم کے پنجے کھول دیئے تو دوسرے مسلمانوں
کے ساتھ حضرت عیاشؓ اور ان کی بیوی اسماءؓ نے بھی حضورؐ کی اجازت سے
حبشہ کو ہجرت کی۔ کچھ مدت غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد مکہ واپس آگئے
اور کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

(۴۳)

ابوجہل اپنے بھائی کے قبول اسلام سے سخت آزردہ تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مدینہ آیا (ایک روایت کے مطابق سرورِ کائنات ؐ ابھی مدینہ تشریف نہیں لائے تھے) حضرت عیاش ؓ سے مل کر کہنے لگا۔ "جانِ برادر ہماری بوڑھی ماں تمہاری آتشِ فراق میں جل رہی ہے۔ اس نے عہد کیا ہے کہ جب تک تمہاری صورت نہ دیکھ لے گی نہ سایہ میں بیٹھے گی نہ سر میں تیل ڈالے گی ایک دفعہ اسے اپنی صورت دکھا آؤ۔" حضرت عیاش ؓ کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ بڑے بھائی کی باتوں میں آگئے۔ اور اس کے ہمراہ ماں کو تسکین دینے کے لئے چل پڑے جب مکہ پہنچے تو فوراً ہی ابوجہل نے آنکھیں بدل لیں اور اپنے مددگاروں کو بلا کر فریب خوردہ عیاش ؓ کی مشکیں کس کر انہیں زندانِ بلا کے حوالے کیا۔ جہاں ان سے پہلے شمعِ رسالت کا ایک اور پروانہ بھی طوق و سلاسل میں پابند تھا۔

راہِ حق کے یہ اسیر حضرت سلمہ ؓ بن ہشام تھے جو ابوجہل کے حقیقی اور حضرت عیاش ؓ کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت سلمہ ؓ بھی دعوتِ توحید کے ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ اور اپنے سنگدل بھائی اور دوسرے مشرکین کی مشقِ ستم کا نشانہ بن گئے تھے جب مشرکین کی سختیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو وہ بھی حضور ؐ سے اجازت لے کر عازمِ حبشہ ہوئے۔ وہاں کچھ مدت کے بعد ان کے کانوں میں یہ افواہ پہنچی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے فوراً مراجعت فرمائے مکہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ پھر حبشہ واپس جانے کا قصد کیا لیکن ابوجہل

مزاحم ہوا۔ اس نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں محبوس کر دیا۔
کھانا بند کر دیا اور ہر وقت وحشیانہ طور پر مارتا پیٹتا رہتا۔ لیکن کیا مجال کہ اس مرد
حق کی جبین استقامت پر شکن تک آ جائے۔ فرماتے خواہ مار ڈالو لیکن جس رستے پر قدم
رکھ چکا ہوں اس سے پیچھے نہ ہٹوں گا۔ غرضیکہ اسی طرح طرح کی روح فرسا مصیبتیں جھیلتے
گذر گیا یہاں تک کہ ان کے دوسرے ساتھی حق بھائی عیاش رضی بھی ان کی بلا کشی میں شریک
ہو گئے۔ یہ دونوں ثابت قدم بھائی قید محن میں گرفتار تھے کہ ایک تیسرے فدائی توحید
ولید اپنے قوم پر ستم رسیدہ ہو کر ان کے زندان بلا کو رونق بخشی۔

یہ تھے خالد بن ولید کے بھائی حضرت ولید بن ولید۔ ولید حضرت اسلام کی ابتدا
میں مسلمان نہ ہوئے اور جنگ بدر میں مشرکین کے ہمراہ مسلمانوں سے لڑنے گئے۔
جب مشرکین کو شکست ہوئی تو ولید حضرت عبد اللہ بن جحش رضی کے ہاتھ گرفتار ہو گئے
ان کے بھائیوں خالد رضی اور ہشام بن ولید نے فدیہ دے کر رہا کرایا اور اپنے ہمراہ
مکہ لے چلے۔ لیکن حضرت ولید رضی بن ولید کا دل نور اسلام سے منور ہو چکا تھا۔ ذو الحلیفہ
میں پہنچ کر وہ اپنے بھائیوں کی نظر بچا کر بھاگ نکلے۔ اور سیدھے رسول کریم ص کی
خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ حضور نے پوچھا "تم فدیہ سے پہلے کیوں نہ
مسلمان ہو گئے"

عرض کی "یا رسول اللہ اس طرح قریش یہ کہتے کہ فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہو گیا
حالانکہ میں صرف اللہ اور اللہ کے رسول کی خوشنودی کے لئے مسلمان ہونا چاہتا تھا"۔
مشرف با اسلام ہونے کے بعد حضرت ولید رضی بن ولید مکہ واپس تشریف لے گئے
ان کے مغلوب الغضب بھائیوں نے انہیں طوق و سلاسل میں جکڑ کر حضرت سلمہ رضی بن

ہشام اور عیاشؓ بن ابی ربیعہ کو زندانِ بلا میں جا پھینکا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔

سرورِ کائنات ﷺ نے جب ان تینوں مظلوم قیدیوں کی قیدِ محن کا حال سنا تو دعا فرمائی

"اے اللہ سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن ولید کو دشمنانِ اسلام کی سختیوں سے نجات دلا۔"

(۴)

ان اسیرانِ بلا کو یہ پرمصیبت زندگی کاٹتے کئی برس گزر گئے۔ ایک دن ولیدؓ بن ولید نے موقع پا کر طوق و سلاسل سے اپنے آپ کو آزاد کیا اور بھاگ کر مدینے پہنچے حضور نے جب سلمہؓ اور عیاشؓ کا حال پوچھا تو عرض کی یا رسول اللہ وہ سخت تکلیف میں ہیں۔ مشرکین نے دونوں کے پاؤں ایک بیڑی میں جکڑ دیے ہیں اور ان پر سخت مظالم ڈھاتے ہیں۔

حضور ﷺ دونوں مظلوموں کا حال سن کر آبدیدہ ہو گئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تم میں کون ایسا اللہ کا بندہ ہے جو سلمہ اور عیاش کو قید سے چھڑا لائے؟"

حضرت ولیدؓ بن ولید کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ خدمت مجھے ہی تفویض فرمائیے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "اچھا تم ہی جاؤ اور مکہ پہنچ کر وہاں کے لوہار کے ہاں ٹھہرو۔ وہ دینِ حق قبول کر چکا ہے۔ اس کی وساطت سے در پردہ سلمہ اور عیاش

سے ملو اور ان سے کہو کہ میں رسول کریمؐ کا فرستادہ ہوں دونوں میرے ساتھ نکل چلو"

رسول کریمؐ کی ہدایت کے مطابق حضرت ولیدؓ در پردہ مکہ پہنچے اور وہاں کے مسلمان لوہار کے ہاں فروکش ہوئے۔ اس نے بتایا کہ "مشرکین سلمہ اور عیاشؓ کا قید خانہ تمہاری فراری کے بعد بدلتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آج کل وہ کہاں محبوس ہیں"

حضرت ولیدؓ قید خانے کا پتہ لگانے کی ٹوہ میں رہے ایک دن ایک عورت کو دیکھا کہ سر پہ کھانا رکھے کہیں جا رہی ہے۔ اس سے پوچھا "بہن کس کا کھانا لئے جاتی ہو" بولی "سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو جو بے دین ہو گئے ہیں یہ کھانا دینے جا رہی ہوں"۔

حضرت ولیدؓ نے بظاہر کمال بے اعتنائی سے اس کی بات سنی۔ لیکن جب وہ آگے بڑھی تو یہ اس کی نظر بچا کر پیچھے پیچھے چلنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے وہ مکان دیکھ لیا جس میں دونوں پرستاران حق مقید تھے۔ قیام گاہ پر واپس آ کر لوہار کو سارا قصہ بتایا اور کہا کہ سلمہ اور عیاش کے طوق و سلاسل کاٹنے کی کوئی ترکیب بتاؤ۔ اس نے کہا کہ زنجیر کے نیچے ایک مضبوط پتھر رکھنا اور اس کی کڑی پہ تلوار رکھ کر اس پہ ایک اور پتھر سے ضربیں لگانا۔ زنجیر آہستہ آہستہ کٹ جائے گی۔

رات کی تاریکی میں حضرت ولیدؓ اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لئے نکلے۔ اتفاق سے قید خانہ بغیر چھت کے تھا۔ حضرت ولیدؓ دیوار پھاند کر قید خانے میں جا کودے اور دونوں اسیران بلا سے مل کر سرور کائنات ﷺ کا پیغام دیا۔ لوہار کی ہدایت کے مطابق عمل کر کے وہ زنجیر کاٹنے میں کامیاب ہو گئے اور سلمہؓ اور عیاشؓ دونوں کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ اپنا اونٹ باہر باندھ آئے تھے تینوں اس پہ سوار ہو کر مدینہ کی طرف

چل دیئے۔ صبح ہوئی تو قیدیوں کو نہ پا کر مشرکین نے سر پیٹ لیا۔
کئی شوریدہ سروں نے تیز رفتار سانڈنیوں پر تعاقب کیا۔ لیکن ناکام رہے
کیونکہ تینوں فدائیان اسلام بہت دور نکل گئے تھے۔ خداوند کریم نے انہیں بخیرو
عافیت مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ حضورؐ انہیں دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے

---

(۴۷)

حضرت ہشامؓ بن عاص

حضرت ہشامؓ بن عاص حضرت عمروؓ بن عاص فاتح مصر کے بھائی تھے۔
وہ دعوت حق کے آغاز ہی میں مشرف بایمان ہو گئے تھے۔ کفار کی ایذا رسانی سے
مجبور ہو کر حبشہ تشریف لے گئے اور کئی برس عالم غربت میں زندگی کے دن کاٹتے رہے
جب رسول کریمؐ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ہشام بن عاص اس ارادے سے مکہ واپس آئے
کہ گھر والوں سے مل کر ہمیشہ کے لئے دیار رسولؐ میں جا بسیں۔ باپ اور بھائی اسلام کے
سخت دشمن تھے انہوں نے پکڑ کر قید کر دیا۔ طویل عرصہ تک قید و بند کے مصائب
برداشت کرتے رہے لیکن اف تک نہ کی۔ دین حق کا نشہ کچھ ایسا تیز تھا کہ قید و بند
اور دوسری اذیتوں کی ترشی اسے اتارنے میں ناکام ہو گئی۔ جنگ خندق کے بعد موقع
پا کر بھاگ نکلے اور سرور کائناتؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ جا پہنچے۔ اسیری
کی وجہ سے بدر احد اور خندق کے غزوات میں شرکت نہ کر سکے۔ بعد میں جو غزوات
پیش آئے ان میں نہایت جوش و خروش سے شامل ہوئے اور شجاعت کا حق ادا کیا
حضورؐ نے انہیں مومن کے خطاب سے نوازا۔ فاروق اعظم کے عہد خلافت میں

اجنادین کے معرکے میں بھی شریک تھے۔ جب معرکۂ کارزار میں مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھے تو جوش میں آکر خود سر سے اتار کر پھینک دی اور للکارے "مسلمانو! میں عاص کا بیٹا ہشام ہوں آؤ میرے ساتھ آؤ افسوس کہ تم جنت سے بھاگتے ہو" یہ کہہ کر اس جوش سے حملہ کیا کہ غنیم کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ آخر کفار نے نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔ فاروق اعظمؓ نے ان کی شہادت کی خبر سن کر فرمایا۔ خدا ہشام پر رحمت کرے وہ اسلام کا بہترین مددگار تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہشامؓ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ ساری رات شہادت کے لئے دعا مانگتے رہے صبح کو اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کر دی۔

جنگ موتہ کے چار علمبردار

(۱)

سنہ ہجری میں رسول اکرمؐ نے بصریٰ (جو شام کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ تھا) کے عیسائی حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی کو حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ دعوت اسلام کا خط بھیجا۔ بدبخت شرحبیل نے سفیر اسلام حضرت حارث بن عمیرؓ کو شہید کرا ڈالا۔ یہ بین الاقوامی آداب سفارت کی صریح خلاف ورزی تھی۔ سرور کائناتؐ کو حضرت حارثؓ کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تو آپ کو سخت رنج پہنچا۔ سفیر کا قتل معمولی بات نہیں تھی جسے نظرانداز کر دیا جاتا۔ حضورؐ نے حارثؓ کے قصاص کے لئے اعلان جہاد کر دیا۔ مدینہ منورہ میں بے پناہ جوش پھیل گیا اور ہر ایک بچہ بوڑھا جوان شوق جہاد میں سرپکف ہو گیا۔ حضورؐ نے تین ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور فرمایا: "زید بن حارثؓ اس لشکر کے علمبردار یا امیر مقرر کئے جاتے ہیں اگر وہ لڑائی میں شہید ہو جائیں تو امیر لشکر جعفرؓ بن ابی طالب ہوں گے اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکر اسلام کی امارت سنبھالیں گے وہ بھی شہید ہوں تو مسلمان جسے چاہیں امیر مقرر کر لیں۔"

حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے ایک سفید علم تیار کیا اور حضرت زیدؓ کو دے کر فرمایا۔

"زیدؓ مقتلِ حارثؓ میں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اس پر لبیک کہیں تو بہتر ورنہ ان سے لڑنا۔"

لشکر روانہ ہوا تو حضورؐ نے وداع کی گھاٹی تک خود مشایعت کی۔ وہاں پہنچ کر مجاہدین کو ہدایت فرمائی "کہ تقویٰ اور نیکی اختیار کرنا۔ پھلدار اور سبز درخت نہ کاٹنا۔ مکان برباد نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا اور اللہ کا نام لے کر راہ حق میں ثابت قدمی سے لڑنا۔"

کوچ کے وقت اہل مدینہ نے با آواز بلند دعا کی "اللہ تعالیٰ تمہیں دشمنوں سے بچائے اور صحیح سلامت واپس لائے۔"

سب نے آمین کہی لیکن عبداللہ بن رواحہؓ نے اشکبار ہو کر فرمایا۔

"مگر میں تو خدا سے بخشش اور ایسے کاری زخم کی دعا مانگتا ہوں جس سے تازہ خون ابلے یا ایسے نیزے کا وار جو جگر کے پار ہو جائے۔ حتیٰ کہ میری قبر پر گزرنے والے پکار اٹھیں کہ مرحبا اللہ کی راہ میں کیا خوب لڑا۔"

لشکر اسلام منزل بہ منزل آتا موتہ کے قریب وادی القریٰ میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں مسلمانوں کی مڈبھیڑ شرحبیل کے بھائی سدوس بن عمرو سے ہوئی۔ سدوس اپنے چند ساتھیوں سمیت مقتول ہوا۔

یہاں سے کوچ کرکے لشکر اسلام معان پہنچ کر مقیم ہوا۔ یہاں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ہرقل شاہ روم ایک عظیم لشکر کے ساتھ اس علاقے میں آیا ہوا ہے۔ اور مقام مآب میں ٹھہرا ہوا ہے اور شرقی عیسائیوں کے ایک لاکھ آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہیں۔ مسلمانوں نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ کسی نے بعض مجاہدین نے یہ رائے دی کہ دشمن کی عظیم جمعیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کی جائے اس پر عبداللہ بن رواحہ کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے فرمایا:

"برادران اسلام ہمیں دشمنوں کی کثرت کی کیا پروا۔ ہم تو شہادت کے طلب گار ہیں۔ اللہ کے بھروسے پر دین حق کے دشمنوں سے لڑیں گے اٹھو خدا کا نام لو اور دشمنانِ اسلام پر جا پڑو۔"

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی تقریر سے مجاہدین کے دلوں میں شوق شہادت کے شعلے بھڑکا دئے اور سب لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

موتہ کے مقام پر جو قریب ہی تھا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ ایک طرف قلیل جمعیت تھی جو صرف تین ہزار علمبرداران حق پہ

مشتمل تھی۔ دوسری طرف شامی جنگجوؤں اور عرب عیسائیوں کا ایک لشکر جرار تھا جو ہر قسم کے سازوسامان سے لیس تھا۔

مسلمانوں نے اپنے لشکر کو اس طرح ترتیب دی کہ حضرت قطبہؓ بن قتادہ میمنہ کے سردار تھے اور حضرت عبایہؓ بن مالک انصاری میسرہ کے حضرت زید بن حارثہؓ قلب لشکر میں علم اسلام تھامے کھڑے تھے۔ اللہ اکبر کے فلک بوس نعرے لگا کر مجاہدین دشمنوں کے ٹڈی دل سے گتھم گتھا ہو گئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ موتہ کا میدان محشر کا میدان بن گیا۔ محبوب رسولؐ زید بن حارثہؓ شوق شہادت میں عیسائیوں کی صفوں میں دور تک گھسے چلے گئے اور صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ آخر بے شمار دشمنوں نے انہیں گھیر لیا۔ اور وہ ان گنت زخم کھا کر عازم خلد بریں ہوئے۔

(۲۴)

حضرت زیدؓ کے گرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر علم اسلام تھام لیا۔ اور نہایت جوش و خروش سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر دشمنوں پر حملہ کیا۔ غنیم کی جمعیت کا شمار ہی نہیں تھا۔ جتنے ہلاک ہوتے اتنے ہی تازہ دم اور آ جاتے۔ حضرت جعفرؓ نے جوش شجاعت میں گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پیادہ پا ہو کر لڑنے لگے۔ وہ بنی ہاشم کے شیر تھے۔ اسد اللہ الغالب کے برادر حقیقی تھے۔ جدھر رخ کرتے صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے۔ تقریباً اسی زخم لگ چکے تھے لیکن استقلال کا وہی عالم تھا۔ یہ رجز پڑھ کر اپنی شمشیر خونی

کے جوہر دکھا رہے تھے "کیا خوب جنت ہے اور کتنا اچھا اس کا قرب ہے اس
جنت کی شراب طہور خوشبودار اور خنک ہے۔ خدا کے دشمنوں کی تباہی نزدیک
ہے یہ اللہ کے منکر اور کمینے ہیں"۔

اس وقت ایک بدسگال نے آپ کے دائیں بازو پر تلوار کا بھرپور وار
کیا اور یہ مقدس بازو خاک و خون میں لوٹنے لگا۔ حضرت جعفرؓ نے علم اسلام بائیں
ہاتھ میں تھام لیا۔ دشمنوں نے بایاں بازو بھی شہید کر دیا۔ لیکن اللہ رے ہمت
کہ علم اسلام کو پھر بھی سرنگوں نہ ہونے دیا اور کٹے ہوئے بازوؤں کے تسمے سے
اسے سنبھال لیا۔ کفار نے اب اس بے دست مجاہد حق کو نرغہ میں لے لیا۔ اور
تلواروں اور نیزوں سے چھلنی کر ڈالا جب گرے تو بے شمار زخموں "میں سے کوئی
زخم بھی پشت پر نہ تھا۔ حضرت جعفر بن ابو طالبؓ کے جرعۂ شہادت نوش کرتے
ہی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آگے بڑھے اور پرچم اسلام کو تھام لیا۔

۴

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے دل میں شوق شہادت کے شعلے
بھڑک رہے تھے۔ لڑائی میں شریک ہونے سے پہلے ایک شب وہ دردناک اشعار
پڑھ رہے تھے جن سے بوئے شہادت آتی تھی۔ حضرت زید بن ارقم انصاریؓ
قریب ہی تھے۔ وہ یہ اشعار سن کر رو نے لگے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے
اپنا درہ اٹھایا اور کہا "اللہ تعالے مجھے رتبۂ شہادت پر فائز کرے گا تمہیں رونا کس
بات پر آتا ہے تم آرام سے گھر جانا"۔

علم اسلام تھامتے ہی وہ شمشیر بکف یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔
"اے نفس! جعفرؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور تو ابھی اس دنیا ہی میں ہے؟ جا بیوی سے الفت ہے تو اسے طلاق دی۔ مکان سے محبت ہے تو اسے رسول اللہ کی نذر کیا۔ لونڈی غلاموں کی کشش ہے تو انہیں آزاد کیا۔ اے نفس اگر تو آج نہ مارا گیا تو بھی ایک روز مرے گا۔ جام اجل پینا ضروری ہے۔ اگر تو نے زیدؓ اور جعفرؓ کی پیروی کی تو تیری مراد پوری ہو گئی اور تو راہ ہدایت پا گیا۔"

یہ کہہ کر ایسا زبردست حملہ کیا کہ صف اعداء میں کھلبلی پڑ گئی۔ وہ انصار کے مشہور شمشیر زن تھے جو دشمن سامنے آتا ان کی تیغ اجل کا شکار ہو جاتا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر داد شجاعت دے رہے تھے کہ دشمن کے ایک سپاہی نے تاک کر ان کے سینے میں برچھی ماری۔ زخم نہایت کاری تھا۔ آپ نے خون کا چلو بھر کر منہ پر چھڑکا اور گر پڑے۔ مسلمان انہیں بچانے کے لئے لپکے لیکن روح اطہر عالم بالا کو پرواز کر چکی تھی اور ان کی دیرینہ آرزوئے شہادت پوری ہو گئی تھی۔

(۵)

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے گرتے ہی علم اسلام حضرت ثابت بن اقرمؓ نے اٹھا لیا اور پکارے "مسلمانو! اپنا امیر منتخب کر لو"۔ بہت سی آوازیں بلند ہوئیں "آپ ہی ہمارے امیر ہیں"۔ حضرت ثابتؓ نے فرمایا "نہیں میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں۔ شجاع عرب خالد بن ولیدؓ موجود ہیں وہی اس نازک وقت میں ہماری امارت

کے قابل ہیں"۔ سب مسلمانوں نے اسی وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنا امیر بنا لیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر علم اسلام تھام لیا۔ ذمہ داری کے احساس نے انہیں ایک غضب ناک شیر بنا دیا تھا۔ دشمن پر برق اجل بن کر گرے اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس غضب کا حملہ کیا کہ کفار سراسیمہ ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اس جوش سے لڑ رہے تھے کہ جو تلوار ان کے ہاتھ میں آتی بے شمار دشمنوں کا خون پی کر ٹوٹ جاتی اس طرح نو تلواریں ٹوٹیں۔ بالآخر یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار آپ کے ہاتھ میں آئی اور اس نے لڑائی ختم ہونے تک ان کا ساتھ دیا۔ خالد بن ولیدؓ نہ صرف شجاع تھے بلکہ ایک عظیم ماہر جنگ جرنیل بھی تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اس مہارت اور چابک دستی سے لڑایا کہ لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا اور کفار کے ٹڈی دل نے پسپائی اختیار کی۔ اس وقت ثلث شب میدان جنگ پر محیط ہو چکی تھی۔ اس لئے لڑائی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ دوسرے دن پھر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے مسلمانوں کی صف بندی اس انداز سے کی کہ عیسائیوں نے سمجھا مسلمانوں کی مدد کے لئے تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو مسلمانوں نے کفار کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ اس قدر کفار مقتول ہوئے کہ مجاہدین اسلام کے ہاتھوں پر مکھی کی طرح خون جم گیا۔ جوں جوں آفتاب بلند ہوتا تھا مسلمانوں کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ اور عیسائی شدت سے پڑتے جاتے تھے۔ حضرت خالدؓ کبھی میمنہ کی طرف جاتے اور کبھی میسرہ کی طرف۔ مسلمانوں کو حوصلہ افزا الفاظ سے ابھارتے یہاں تک کہ سب طرف سے سمٹ کر مجاہدین نے اس زور کا حملہ کیا

کہ عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ مجاہدین میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ انہوں نے دور تک بھگوڑے عیسائیوں کا تعاقب کیا لیکن آخر اپنے امیر کے حکم سے واپس آ گئے۔ کیونکہ زیادہ دور جانے میں خطرہ تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضؓ کی فقید المثال شجاعت اور جنگی مہارت نے مٹھی بھر مسلمانوں کو کفار کے ٹڈی دل سے بچا لیا۔ اور انہوں نے سرخرو ہو کر مدینۃ الرسول کا رخ کیا۔

(۹)

جس وقت موتہ کے میدان میں معرکۂ حق و باطل بپا تھا۔ سرورِ کائنات صلعم صحابہ کرام رضؓ کے درمیان مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ وحی کے ذریعے آپ کو دم بدم کی خبریں مل رہی تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے میدانِ جنگ کا نقشہ بالکل آپ کے سامنے کر دیا تھا۔

حضور صلعم نے یکایک فرمایا "اب زید رضؓ شہید ہو گئے"۔ پھر فرمایا "اب جعفر رضؓ نے جرعۂ شہادت نوش کیا"۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا "اب ابو محمد (عبداللہ بن رواحہ رضؓ) نے اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی"۔ پھر فرمایا "اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار راہِ حق میں بلند ہوئی ہے"۔ یہ حضرت خالد بن ولید رضؓ کی طرف اشارہ تھا۔ حضور صلعم کے اسی ارشاد کی بنا پر وہ سیف اللہ کے جلیل القدر خطاب سے مشہور ہوئے۔

علمبردارانِ اسلام کی شہادت سے حضور صلعم کو اتنا صدمہ پہنچا کہ آنکھوں سے

آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا اپنے چچا کی شہادت کی خبر سن کر بے تاب ہو گئیں۔ اور واعماہ واعماہ ہائے میرے چچا۔ ہائے میرے چچا کہتی ہوئیں گھر سے نکل آئیں۔ اور خدمتِ نبوی میں پہنچیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا۔

"اللہ تعالےٰ نے جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کٹے ہوئے بازوؤں کے عوض دو پر عطا فرمائے ہیں۔ جن سے وہ جنت کے فرشتوں کے ساتھ اڑتے رہتے ہیں۔"

چنانچہ شہید حق حضرت جعفر رضی اللہ عنہ "طیار" اور "ذوالجناحین" کے القاب سے مشہور ہو گئے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا بیان ہے کہ جس دن حضرت جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کی خبر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی۔ آپ میرے گھر تشریف لائے۔ میں اس وقت آٹا گوندھ چکی تھی۔ اور بچوں کو نہلا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنا رہی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر بچوں کے سر پر دستِ مبارک پھیرا۔ میں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا ان بچوں کے باپ کے متعلق کوئی خبر آئی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں جعفر راہِ حق میں شہید ہو گئے۔"

فرطِ غم سے میری چیخیں نکل گئیں۔ محلے کی عورتیں میری آہ و بکا سن کر ہمارے
گھر آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبر کی تلقین فرماتے ہوئے واپس تشریف
لے گئے۔ اور ازواج مطہرات کو ہدایت کی کہ جعفرؓ کے اہل و عیال کا خیال رکھنا
آج ان کے ہوش و حواس قابو میں نہیں ہیں۔"

حضرت عُروہ بن مسعود ثقفی رضؓ

(۱)

ابو مسعود عروہ بن مسعود رضؓ بنی ثقیف کے ایک صاحب اثر رئیس تھے امرائے طائف میں وہ بڑی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور ایام جہالت میں سختی سے اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے۔ سنہ ۶ھ میں وہ حدیبیہ کے مقام پر قریش کی طرف سے سفیر بن کر سرور کائنات صلعم سے گفتگوئے مصالحت کرنے آئے۔ یہاں آکر انہوں نے صحابہ کرامؓ کی رسول کریمؐ سے والہانہ شیفتگی کا ایک عجیب منظر دیکھا۔

حضورؐ وضو کرتے تھے تو صحابہؓ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے تھے کہ اس کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے پاتا تھا۔ حضورؐ تھوکتے تھے تو صحابہ فرط عقیدت سے اسے اپنے ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیتے تھے۔ حضورؐ بولتے تھے تو صحابہ ساکت و صامت ہو جاتے تھے۔ حضورؐ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی تعمیل کے لئے دیوانہ وار لپکتے تھے۔

عروہؓ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کے دل نے صداقت رسول کی گواہی دی۔ لیکن وہ اعلانیہ شہادت حق کے لئے موقع کے منتظر رہے۔ ۸ھ میں جب

سرورِ کائنات ؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو عروہ رضؓ کے دل و دماغ نے انہیں جھنجھوڑا کہ اٹھو رہوارِ حیات بڑی تیزی سے بھاگا جا رہا ہے نہ معلوم کب ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تو خدا کے سچے رسول کے قدم لے۔ عروہ رضؓ بیتابانہ اٹھے اور لشکرِ اسلام کے پیچھے چل دیئے۔ ابھی حضور ؐ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ عروہ رضؓ خدمتِ نبوی میں جا حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور اپنا دل و جان رسولِ عربی ؐ پر نثار کر بیٹھے۔ عرض کی "یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دوں"۔ بنی ثقیف بڑے جنگجو اور کج فطرت تھے حضور ؐ نے فرمایا "تمہارا سنگدل قبیلہ تم سے لڑے گا"۔ عروہ رضؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ میرا قبیلہ میرا بہت احترام کرتا ہے ممکن ہے انہیں میرے ذریعہ سے ہی ایمان نصیب ہو"۔ حضور ؐ نے انہیں تبلیغِ حق کی اجازت دیدی۔

(۲)

عروہ رضؓ طائف پہنچ کر ایک بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو باآوازِ بلند حق کی طرف بلایا۔

اہلِ طائف (بنو ثقیف) سخت بدباطن اور شقی القلب لوگ تھے۔ انہوں نے عروہ رضؓ کا رتبہ و احترام بالائے طاق رکھا اور دعوتِ حق کے جواب میں ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ تیروں سے چھلنی ہو کر گر پڑے۔ ابھی جان باقی تھی کہ ان کے رشتہ دار اور اہلِ خاندان دوڑے آئے اور پوچھا "تمہارے خون کا بدلہ ہم کس سے لیں"۔

اس مردِ حق نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "یہ تو اللہ نے مجھ پر احسان کیا کہ مجھے

رتبۂ شہادت پر فائز کیا۔ میں تو اب صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے رسول اللہ ؐ کے ان ساتھیوں کے پاس دفن کر نا جو محاصرۂ طائف کے دوران میں شہید ہوئے"۔ یہ کہہ کر جان جان آفرین کے سپرد کی۔

حضورؐ نے حضرت عروہؓ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا "عروہ اپنی قوم میں ایسا تھا جیسے صاحب یٰسین (حضرت عیسیٰؑ) اپنی قوم میں"۔ پھر حضورؐ نے فرمایا مجھے انبیاؑ کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں۔ عروہؓ عیسیٰ ابن مریم کے ہم شبیہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کو حضرت عروہ کی شہادت سے اتنا صدمہ پہنچا کہ آپ نے ان پر ایک پردرد مرثیہ کہا۔

حضرت عمرو رضؓ بن امیّۃ الضمری

(۱)

جن لوگوں نے سیرتِ نبوی کا مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً عمرو بن امیۃ الضمریؓ کے نام سے ناآشنا نہیں ہوں گے۔ وہ سرورِ کونینؐ کے ایک معزز صحابی تھے۔ داستان گوئی اور جہالت کا برا ہو کہ حضرت عمروؓ بن امیہ کی فراست، سبک رفتاری، شجاعت اور چابکدستی کو سامنے رکھ کر "عمر عیار" کی ایک فرضی شخصیت تراشی گئی اور لاتعداد من گھڑت قصے اس سے منسوب کر دیئے گئے یہاں تک کہ حضرت عمروؓ بن امیہ کی اصلی شخصیت لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ حضرت عمروؓ بن امیّہ کے مفصل حالات زندگی کتب سیر میں نہیں ملتے۔ تاہم جس قدر بھی ملتے ہیں ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے عاشق صادق اور اسلام کے ایک جاں نثار سپاہی تھے۔ سرورِ کونینؐ کو ان پر یہاں تک اعتماد تھا کہ انہیں اپنا سفیر بنا کر ایک غیر ملکی فرمانروا کے پاس بھیجا۔ ایسی معزز شخصیت کی زندگی کے حالات کو بگاڑ کر پیش کرنا بہت بڑی جسارت اور بے ادبی ہے۔ کتب سیر میں حضرت عمروؓ بن امیہ کے جو حالات ملتے ہیں ہم انہیں اجمالی طور پر یہاں بیان کریں گے۔

(۲)

حضرت عمروؓ بن امیہ بنو ضمرہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ
رسول اکرمؐ نے ایک مرتبہ بنو ضمرہ کی تعریف فرمائی تھی۔ حضرت عمروؓ اوائل عمر
ہی سے اپنی تیز رفتاری اور ذہانت کی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان کے قبول
اسلام کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ طبقات ابن سعد میں اس واقعہ کو سریہ عمروؓ بن امیہ
الضمریؓ کا نام دیا گیا ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ہجرت نبوی کے بعد ایک دفعہ ابوسفیان
نے رسول اکرمؐ کو مدینہ منورہ میں شہید کرانے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لئے عمرو
بن امیہ کو منتخب کیا گیا۔ عمرو ایک خنجر کپڑوں کے نیچے چھپا کر ایک تیز رفتار اونٹ پر عازم
مدینہ ہو گئے۔ چھٹے دن مدینہ کے قریب ظہر الحرہ کے مقام پر پہنچے اونٹ کو وہیں چھوڑا
اور خود رسول کریمؐ کا پتہ پوچھتے پوچھتے مسجد بنو عبد الاشہل میں پہنچے۔ حضورؐ اس وقت وہاں
صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ کی نگاہ عمروؓ پر پڑی تو فرمایا اس شخص کی نیت نیک
معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر انصاری فوراً مجلس سے اٹھے اور عمرو کو گرفت
میں لے لیا۔ ان کی تلاشی لی تو کپڑوں سے خنجر برآمد ہوا۔ عمرو اب بہت گھبرائے۔ اور
واویلا کرنے لگے۔ حضورؐ نے نہایت شفقت سے پوچھا۔ "اے شخص سچ سچ بتا دے کہ
تو کون ہے اور کس ارادے سے یہاں آیا ہے۔"

عمرو جلال نبوت سے پہلے ہی متاثر ہو چکے تھے۔ سچ سچ سارا واقعہ بتا دیا۔ حضورؐ
نے متبسم ہو کر فرمایا۔ تو نے سچ بولا ہے۔ جا تجھے جان کی امان دی جاتی ہے۔" عمروؓ سرور
کائناتؐ کی شان کریمی دیکھ کر بے اختیار حضورؐ کے قدم مبارک پر گر پڑے اور اسی وقت

مشرف باسلام ہو گئے۔

اسلام لانے کے بعد ایک دفعہ حضرت عمروؓ ابوسفیان کو قتل کرنے کے ارادے سے مکہ پہنچے۔ ایک اور صحابی سلمہ بن اسلم انصاریؓ بھی ان کے ساتھ تھے ہوئے اتفاقاً کہ قریش کو مکہ میں ان کی آمد کا حال معلوم ہو گیا اور ایک مشتعل ہجوم انہیں پکڑنے کے لئے بڑھا۔ حضرت عمروؓ نے اپنے ساتھی کو اونٹ پر سوار کرا دیا اور کہا کہ تم یہاں سے فرار ہو جاؤ میں ان لوگوں سے نپٹ لوں گا۔ حضرت سلمہؓ تو اونٹ کو تیز رفتاری سے ہنکا کر وہاں سے نکل گئے۔ کفار جب عمروؓ کے قریب پہنچے تو وہ اس برق رفتاری سے بھاگے کہ کفار ان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ عمروؓ مکہ سے کافی دور جا کر ایک غار میں جا کر چھپ گئے۔ قسمت کا مارا ایک مشرک عثمان بن مالک نامی ادھر آ نکلا عمروؓ نے تلوار کے ایک بھرپور وار سے اسے ہلاک کر دیا۔ اور خود مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کفار کو جب عثمان بن مالک کی ہلاکت کی خبر ملی تو بہت تلملائے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا شکار ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ عمروؓ تنعیم کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ مکے کا ایک رئیس خبیب وہاں مقیم ہے۔ عمروؓ چپکے سے اس کے خیمے میں گھس گئے اور اسے قتل کر کے لاش کہیں چھپا دی اور پھر لوگوں کی نظر بچا کر برق رفتاری سے عازم مدینہ ہو گئے۔

(۳)

اس کے بعد بیر معونہ کے دردناک واقعہ میں حضرت عمرو بن امیہؓ کا نام ملتا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عمروؓ جب قریش مکہ سے بچ کر واپس مدینہ آ رہے

تھے تو راستے میں انہوں نے یہ واقعہ دیکھا۔ لیکن بعض دوسرے ارباب سیر
کی روایت کے مطابق عمرو مدینہ سے شہدائے بیر معونہ کے پیچھے آئے تھے۔ اس
دردناک واقعہ کا مختصر حال یہ ہے۔

۴ھ میں بنو کلاب کا ایک رئیس ابو براء کلابی سرور کونینؐ کی خدمت میں
حاضر ہوا اور آپ سے التجا کی کہ چند مسلمین کو میرے ہمراہ بھیج دیں جو میری قوم
کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضورؐ صحابہ کو اس کے ہمراہ بھیجنے میں متامل ہوئے۔
کیونکہ اس سے پہلے بنو کلاب و بنو عامر کا رئیس اعلیٰ عامر بن طفیل مسلمانوں کو
دھمکی دے چکا تھا کہ حضورؐ یا مجھے اپنا جانشین بنائیں یا شہروں کی ملکیت مجھے
سونپ دیں ورنہ میں بنو غطفان کے ہزاروں جنگجوؤں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی
کر دوں گا۔ لیکن ابو براء نے کہا کہ جو لوگ آپ میرے ساتھ بھیجیں گے۔ ان کی
حفاظت اور سلامتی کا ضامن میں ہوں۔ حضورؐ نے اس کی یقین دہانی پر ستر صحابہ کرامؓ
کی ایک جماعت اس کے ساتھ کر دی۔ ان میں سے اکثر انصار مدینہ میں سے تھے۔ اور
بہت سے اصحاب صفہ کے مقدس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اللہ کے ان پاکباز
بندوں میں اکثر قرآن کریم کے حافظ تھے اور قراء کے لقب سے مشہور تھے۔ سرور
کونینؐ نے عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی اس جماعت کے ہاتھ روانہ کیا۔

یہ مقدس لوگ بیر معونہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئے اور حضرت حرام بن ملحانؓ
کو حضورؐ کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس بدبخت نے عربوں کی روایتی
مہمان نوازی کو فراموش کر دیا۔ اور حضرت حرام بن ملحانؓ کو شہید کر ڈالا۔ پھر آس
پاس کے قبائل کو جمع کر کے بیر معونہ میں مقیم صحابہ کرامؓ کو گھیر کر نہایت بیدردی

سے شہید کر ڈالا۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمریؓ اور حضرت منذرؓ بن محمد بن عقبہ انصاریؓ بھی پیچھے آ رہے تھے۔ حضرت منذرؓ کو تو کفار نے شہید کر ڈالا۔ اور حضرت عمروؓ کو گرفتار کر لیا۔ (ابن سعد کی روایت کے مطابق عمرو اس وقت مکہ سے واپس آ رہے تھے) عامر بن طفیل نے انہیں یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ حضرت عمرو رہا ہو کر تیزی سے مدینہ کی طرف چل دئے۔ راستے میں ایک مشرک چرواہا ملا جو یہ شعر گا رہا تھا۔

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَّا دُمْتُ حَيًّا   وَلَسْتُ أَدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَا

(یعنے جب تک میری زندگی ہے مسلمان نہ ہوں گا۔ اور نہ مسلمانوں کا دین اختیار کروں گا)

حضرت عمروؓ نے اس چرواہے کو حوالۂ تیغ کیا اور آگے بڑھے۔ سامنے سے بنی عامر کے دو آدمی آ رہے تھے[1] حضورؐ نے ان کو امان دی تھی۔ لیکن عمروؓ کو علم نہیں تھا۔ ان کے دل میں بنی عامر کے خلاف ان کے ہولناک ظلم اور بد عہدی کی وجہ سے سخت غیظ و غضب بھرا ہوا تھا۔ بلا تامل ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایک روایت کے مطابق راستے میں انہوں نے دو اور مشرکوں کو قتل کیا اور ایک مشرک کو گرفتار کر کے مدینے میں داخل ہوئے۔

حضورؐ کو جب بیر معونہ کے سانحۂ دل گداز کا علم ہوا تو آپؐ کو شدید صدمہ ہوا اور آپؐ ایک ماہ تک ان ظالموں کے حق میں بد دعا کرتے

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ یہ دو آدمی بنو قریظہ سے تعلق رکھتے تھے ۱۲

رہے۔ عمرو بن امیہؓ کے بخیریت واپس آنے پر آپ کو خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے نہایت توجہ سے ان کے حالات سنے۔ بنی عامر کے آدمیوں کے قتل پر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ہم ان کا خونبہا دیں گے۔ حضرت عمروؓ سے لاعلمی میں یہ فعل سرزد ہو گیا تھا وہ عفو تقصیر کے خواہاں ہوئے اور ہمیشہ اپنے اس فعل پر متاسف رہے۔

(۴)

آخر سنہ ۶ ہجری یا شروع سنہ ۷ ہجری میں سرور کائنات ﷺ نے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ حضرت عمرو بن امیۃ الضمریؓ کو حضور نے اپنا سفیر بنا کر حبش بھیجا۔ بادشاہ حبش نجاشی کے نام آپ کے مکتوب مبارک کا مضمون یہ تھا۔

”محمد رسول اللہ کی طرف سے حبش کے رئیس اعظم کے نام۔ تجھ پر سلامتی ہو۔ میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی خوبیاں بیان کرتا ہوں وہ تمام جہان کا مالک ہے۔ پاک ہے۔ امن دینے والا ہے۔ نگہبان ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے امر کو پاک مریم کی طرف القا کیا۔ پس وہ (حضرت) عیسیٰؑ کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) عیسیٰ کو اپنے امر کے ساتھ پیدا کیا جس طرح آدم کو اپنے ید قدرت سے (بغیر ماں باپ کے پیدا کیا) اور میں تجھ کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اطاعت پر دوستی کرنے کی دعوت دیتا ہوں تو مجھ پر ایمان لا اور مجھ

پر خدا کا جو کلام نازل ہوا ہے اس پر ایمان لا میں خدا کا رسول ہوں میں نے اپنے ابن عم جعفر کو اور چند دوسرے مسلمانوں کو تیرے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کے سامنے اسلام کا اقرار کر اور سرکشی اور تکبر کو چھوڑ دے میں تجھے اور تیرے لشکر کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں میں نے تجھے پیغام رسالت پہنچا دیا۔ اور تجھ کو نصیحت کی پس میری نصیحت قبول کر۔

جب یہ نامہ مبارک نجاشی کے پاس پہنچا تو اس نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ اسے لیا اور اس کا مضمون پڑھ کر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس نے حضورؐ کے نامہ مبارک کے جواب میں یہ عریضہ بارگاہ رسالت میں روانہ کیا۔

"اصحمہ نجاشی کی طرف سے محمد رسول اللہ کی خدمت میں سلام یا رسول اللہ! آپ پر اللہ تعالےٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی۔ اما بعد یا رسول اللہ آپ کا مکتوب گرامی پہنچا حضرت عیسیٰؑ کی نسبت آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اور جس چیز کو لے کر آپ ہم پر مبعوث ہوئے ہیں اسے ہم نے پہچان لیا۔ اور میں نے آپ کے ابن عم اور ان کے ساتھیوں کے سامنے شہادت دی کہ آپ اللہ کے صادق اور مصدق رسول ہیں اور میں نے آپ کی اور آپ کے ابن عم کی بیعت کی اور میں اللہ تعالےٰ پر جو رب العالمین ہے۔ ایمان لایا والسلام

علیک یا رسول اللہ۔

طبری کا بیان ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ سرور کائنات کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے ایک بحری جہاز کے ذریعہ روانہ کیا۔ بدقسمتی سے یہ جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور تمام مسافر واصل بحق ہو گئے۔

حضرت عمرو بن امیۃ الضمری رضی کے مزید مفصل حالات کتب تاریخ و سیر میں نہیں ملتے۔

شہیدانِ رجیعؓ

(۱)

جنگ احد میں مسلمان تیر اندازوں کی غلطی سے لشکر اسلام کو جو نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ کفار کے حوصلے اس سے بہت بڑھ گئے تھے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں جو مشرکین ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے عزیزوں میں مسلمانوں سے انتقام لینے کا جوش پیدا ہو گیا تھا اور وہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے نت نئی تجویزیں سوچتے رہتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۴ ہجری میں سفیان بن خالد ایک مشرک نے ایک ذلیل سازش کی طرح ڈالی۔ ہوا یوں کہ سلافہ نامی ایک مشرکہ کے دو بیٹے حضرت عاصم بن ثابت کے ہاتھ سے لڑائی میں مارے گئے تھے۔ اس نے منت مانی کہ اگر عاصم میرے ہاتھ آ جائے تو اسے قتل کر کے اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔ چنانچہ سلافہ نے اعلان کیا کہ جو شخص عاصم کا سر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔ سفیان بن خالد نے کچھ اس انعام کے حصول کے لالچ میں اور کچھ مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کے خیال سے قبیلہ عضل اور قارہ کے چند آدمیوں کو گانٹھا اور انہیں کہا کہ وہ مسلمانوں کے بھیس میں مدینہ منورہ جائیں اور کہیں کہ ان کے

قبائل اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ کچھ مسلمان ان کے پاس جاکر انہیں اسلام کی تعلیم اچھی طرح دے سکیں۔ اگر محمدؐ ان جائیں تو معلمین میں عاصم بن ثابت کو بھی شامل کرانے کی کوشش کرنا۔ عضل اور قارہ کے سات بدبخت آدمیوں نے سفیان بن خالد کے کہنے پر عمل کیا۔ وہ سو جنگجو راستے میں چھپا دئے اور مدینہ پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا۔ اور حضورؐ سے درخواست کی کہ کچھ معلمین ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ ہمارے قبائل میں تبلیغ کر سکیں اور انہیں اسلام سکھا سکیں۔ از راہ مکر انہوں نے حضرت عاصمؓ سے اپنے قبائل کے اکثر لوگوں کا بہت انس جتلایا۔ حضورؐ نے دس بزرگ صحابہ کو (اور بعض روایات کے مطابق چھ صحابہؓ) کو حضرت عاصم بن ثابت کی زیر سیادت ان بے ایمانوں کے ساتھ کر دیا۔

(۳)

صحابہ کرامؓ کی یہ مقدس جماعت جب رجیع کے مقام پر پہنچی تو دشمنان اسلام نے اپنی کمین گاہ سے نکل کر انہیں گھیر لیا۔ پاس ہی ایک ٹیلہ "فدفد" تھا مسلمان دوڑ کر اس پر چڑھ گئے اور پکارے "اے بدعہدو کیوں عرب کی روایات کو پامال کرتے ہو۔ کیا مہمانوں کو یوں دھوکے سے گھر بلا کر قتل کرنا جائز ہے۔ بہر حال ہم آخری دم تک تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اگر کوئی ہمارے نزدیک آیا تو اس کی جان کی خیر نہیں"۔

مشرکین نے کہا "ہم تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ صرف قریش مکہ سے تمہارے

عوض مال لینا چاہتے ہیں۔ ہاں اگر تم نیچے اتر آؤ تو ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔"
حضرت عاصمؓ نے فرمایا "تم جیسے بزدل دھوکا بازوں اور قریش مکہ میں کوئی فرق نہیں۔ ہم تمہاری پناہ نہیں لینا چاہتے۔"

اب چاروں طرف سے کفار نے ان بیکس مسلمانوں پر تیروں تلواروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے نہایت ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ حضرت عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "بھائیو ہم سے دھوکا کیا گیا ہے مگر کوئی بات نہیں۔ منزل شہادت تمہارے سامنے ہے اور حوران بہشتی تمہاری منتظر ہیں۔"

مسلمانوں نے اپنے ترکش نکال لئے اور کفار کے تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔ حضرت عاصمؓ نے دعا مانگی "اے الٰہی تیری راہ میں ہم مظلومانہ مارے جا رہے ہیں تو ہمارے حال کی خبر رسول اللہ کو کر دے۔ اے اللہ محمد عاصم کے سر کو جو تیرے راستے میں کاٹا جا رہا ہے بے حرمتی سے بچانا۔" اس کے بعد رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں میں گھس گئے اور اپنے سات ساتھیوں کے ہمراہ جام شہادت پیا۔ دو صحابہ حضرت خبیب بن عدیؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ کو مشرکین نے زندہ گرفتار کر لیا۔ حضرت عاصمؓ کی دعا بھی قبول ہو گئی۔ حضورؐ کو علم غیبی سے اس واقعہ کی اسی وقت خبر دیدی۔ جب مشرکین نے حضرت عاصمؓ کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالےٰ نے ان کے جسد مبارک کے گرد شہد کی مکھیوں اور بعض روایتوں کے مطابق بھڑوں کا ایک غول بھیج دیا۔ کوئی مشرک ادھر بڑھتا تو اسے بری طرح کاٹ لیتیں۔ آخر انہوں نے لاش کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ چند ساعتوں کے بعد اڑ جائیں گی اس وقت سر کاٹ لیں گے۔

خدا کی قدرت رات کو زبردست بارش ہوئی جس سے سیلاب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ حضرت عاصمؓ کا جسد مبارک اسی سیلاب میں بہہ گیا اور باوجود کوشش کفار کے ہاتھ نہ آیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو بے حرمتی سے بچا لیا۔

(۳۳)

حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو ظالموں نے کفار مکہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں کے عوض خریدا تاکہ اپنے باپ امیہ کے قتل کا بدلہ بے کس اور بے دست و پا زیدؓ سے لے۔

حضرت خبیب بن عدیؓ کو عقبہ بن حارث نے خریدا تاکہ اپنے باپ حارث کے قتل کا بدلہ ان سے لے (ایک دوسری روایت کے مطابق حجیر بن ابی اہاب نے انہیں سو اونٹوں کے عوض خریدا۔ لیکن پہلی روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حارث کو جنگ بدر میں حضرت خبیبؓ نے قتل کیا تھا۔ اس لئے اسی کے لڑکے نے جوش انتقام میں حضرت خبیبؓ کو خریدا ہوگا)

صفوان بن امیہ نے حضرت زیدؓ بن دثنہ کو ذبح کرنے کے لئے فوراً ہی اپنے غلام نسطاس کے ساتھ حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر بھیج دیا۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی اس بندۂ حق کے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے وہاں پہنچ گئے۔ ان میں رئیس قریش ابوسفیان بھی تھے جو ابھی مشرک ہی تھے۔ ایک بدبخت نے نیزہ کی انی سے حضرت زیدؓ کے جگر پر چرکا دیا۔ ابوسفیان نے زید بن دثنہؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے زیدؓ! تجھ کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تمہاری بجائے محمدؐ کی گردن ماری جائے اور تم اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہو۔"

اس مردِ حق آگاہ نے جو مجاہدانہ جواب دیا تاریخ نے اپنے صفحات میں اسے محفوظ کر لیا ہے۔ فرمایا:

"خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد رسول اللہ کے پائے اقدس میں کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا رہوں"۔

یہ جواب سن کر تمام مشرکین حیران رہ گئے اور ابوسفیان کے منہ سے بے اختیار نکلا "محمدؐ کے ساتھی جیسی قدر محبت اس سے کرتے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی"

اس کے بعد ظالموں نے حضرت زیدؓ کے جسم کو نیزوں کی انیوں سے چھید ڈالا پھر انہیں صلیب پر لٹکا دیا۔ اور یوں وہ مردِ وفاکیش اپنے مولا کے [illegible] سے جا ملا۔

(۴)

حضرت خبیبؓ بن عدی کو عقبہ بن حارث نے طوق و سلاسل میں جکڑ کر اپنے گھر میں قید کر دیا۔ عقبہ کی بیوی (یا لونڈی) کا جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھی بیان

ہے کہ جب خبیبؓ ہماری قید میں تھے تو ہم نے کئی دفعہ ان کے ہاتھ میں انگور کا ایک بڑا خوشہ دیکھا۔ حالانکہ اس وقت انگور کا موسم بالکل نہیں تھا۔ یہ عطیۂ غیبی تھا۔ کچھ عرصہ قید میں رکھنے کے بعد ان کے قتل کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چونکہ خبیبؓ قریش کے ایک بڑے سردار حارث کے قاتل تھے۔ مشرکین نے ان تیاریوں میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیا۔ تنعیم کے مقام پر ایک سولی گاڑی گئی اور بذریعہ منادی تمام لوگوں کو حضرت خبیبؓ کے قتل کا تماشا دیکھنے کی دعوت دی گئی۔ ادھر جب حضرت خبیبؓ کو عقبہ کی بیوی نے ان کے قتل کرنے کی اطلاع دی تو انہوں نے طہارت کے لئے اس سے استرا مانگا۔ اس نے لاکر دیدیا۔ اتفاق سے عقبہ کا ایک کمسن بچہ کھیلتا کھیلتا حضرت خبیبؓ کے پاس چلا گیا۔ اس وقت ننگا استرا حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں تھا۔ بچے کی ماں چیخ اٹھی۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا "خالق اکبر نے مجھے تجھ پر قدرت دیدی"۔

وہ روتے ہوئے بولی "مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی"۔

حضرت خبیبؓ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اپنے قتل کا انتقام اس معصوم سے لوں گا۔ ہرگز نہیں۔ دین حق کے نام لیواؤں کی یہ شان نہیں"۔ یہ کہہ کر استرا اس کے آگے پھینک دیا۔

حضرت خبیبؓ کی اس بلند ہمتی کردار کا مظاہرہ دیکھنے کے باوجود ان سیاہ باطنوں کو رحم نہ آیا۔ اور وہ بدستور اس قدسی صفت انسان کو قتل کرنے پر تلے رہے۔

ہنگامۂ دار و رسن برپا کرنے سے پہلے ظالموں نے ان سے پوچھا کوئی خواہش ہو تو بیان کرو"۔

حضرت خبیبؓ نے فرمایا "دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو"

انہوں نے کہا "پڑھ لو"

حضرت خبیبؓ اپنے مالکِ حقیقی کے آگے سربسجود ہو گئے اور دو رکعت پوری ہونے پر فرمایا "میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا لیکن سوچا کہ تم لوگ سمجھو گے خبیبؓ موت سے ڈر گیا اور قتل کا وقت ٹال رہا ہے"۔

اس کے بعد وہ عاشق صادق اور شجاع ترین مردِ مومن صلیب کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

"لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ بڑی بڑی جماعتیں میرے قتل کا تماشا دیکھنے کھڑی ہیں۔ یہ تمام لوگ مجھ سے عداوت نکال رہے ہیں اور جوش میں بھرے ہوئے ہیں میں اس مقتل میں دست و پا بستہ کھڑا ہوں۔ قبائل اپنی عورتوں اور بچوں کو میرے قتل کا تماشا دکھانے لائے ہیں اور مجھے ایک اونچی لکڑی کے پاس لائے ہیں۔ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اسلام چھوڑ دینے سے تیری جان بچ سکتی ہے لیکن دینِ حق چھوڑنے سے مر جانا بہتر ہے۔ میری آنکھیں نمناک ہیں۔ لیکن میں صبر کروں گا۔ اور دشمن کے سامنے نہ جھکوں گا کیونکہ میں وصلِ حق سے شادکام ہونے والا ہوں۔ موت کا مجھے ڈر نہیں ہے۔ ڈر ہے تو جہنم کی شعلہ بار کھولتی ہوئی آگ کا۔ عرشِ اعلیٰ کے مالک نے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ضبط کی ہدایت فرمائی ہے۔ دینِ حق کے دشمنوں نے مار مار کر میرے گوشت کا بھرتہ بنا دیا ہے میں اپنی غریب الوطنی اور بیکسی کی فریاد اپنے خالق سے کرتا ہوں۔ واللہ جب میں خدا کی راہ میں جان دے رہا ہوں تو مجھے پروا نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیسے جان دیتا ہوں۔ ذاتِ

باری تعالیٰ نے ایسا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بریدہ جسم کے ہر ٹکڑے پر برکت نازل کرے۔"

یہ اشعار پڑھنے کے بعد انہوں نے دعا مانگی۔

اللھم بلغنا رسالۃ رسولک فبلغہ ما یصنع بنا۔

"اے اللہ ہم نے تیرے رسولؐ کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا۔ تو اپنے رسولؐ تک ہمارے حال کی خبر پہنچا دے۔"

یہ کہہ کر پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا۔ کفار ان کے جسم پر نیزوں سے چرکے لگاتے تھے اور ان کے رقص بسمل کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگاتے تھے۔ جبکہ اس پیکر تسلیم و رضا نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی شہادت کے وقت چہرہ قبلہ رو تھا۔ کفار نے چہرہ مبارک کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے ہزار جتن کئے۔ لیکن ناکام رہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضورؐ کو اس المناک واقعہ کی اطلاع وحی کے ذریعہ ہو گئی آپ نے فرمایا "اے خبیب تجھ پر سلام"۔

پھر حضورؐ نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو حضرت خبیبؓ کی لاش کا پتہ لگانے کے لئے مکہ بھیجا۔ وہ نہایت تیز رفتار تھے۔ رات دن چلتے ہوئے مکہ پہنچے رات کی تاریکی میں سولی

کے پاس پہنچے اور درخت پر چڑھ کر سولی کی رسی کاٹی۔ لاش نیچے گری اور گرتے ہی فرشتوں نے اسے اٹھا کر جلد بریں میں پہنچا دیا۔ عمرو بن امیہؓ فرماتے ہیں حیرت سے تفتیش ہے دیوار بن گئے۔ بولے گیا زمین نگل گئی"۔

مشہور صحابی حضرت سعید بن عامرؓ نے حضرت خبیبؓ و زیدؓ کی شہادت کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ کبھی کبھی یکبارگی کانپ کر بے ہوش ہو جایا کرتے تھے ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا تمہیں کیا مرض ہے؟ جواب دیا کوئی مرض نہیں جب خبیبؓ کی شہادت اور ان کی باتیں یاد آتی ہیں تو دل و دماغ قابو میں نہیں رہتے کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور بے ہوش ہو جاتا ہوں۔

حضرت کعب بن مالک انصاری رضؓ

(۱)

حضرت ابو عبداللہ کعب بن مالک انصاری رضؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے وہ نہ صرف صاحب سیف تھے بلکہ اللہ نے انہیں قاطع شرک زبان بھی عطا کر رکھی تھی۔ وہ دربار رسالت کے تین شاعروں میں سے ایک تھے (دوسرے دو شعراء حضرت حسان بن ثابتؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ تھے) حضرت کعبؓ کے کلام کا یہ اثر تھا کہ جب قبیلہ دوس نے یہ اشعار سنے تو سارا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

قضینا من تہامۃ کل وتر   وخیبر ثم اغمدنا السیوفا
نخیرھا ولو نطقت لقالت   قواطعھن دوسا او ثقیفا

(ہم نے تہامہ اور خیبر سے ہم نے غصہ اور دشمنی دور کرکے تلواریں نیام میں کر لیں اب پھر ہم انہیں (تلواروں کو) اٹھاتے ہیں اور اگر بول سکیں تو کہیں کہ اب دوس یا ثقیف کی باری ہے)

(۲)

حضرت کعبؓ کو بیعۃ العقبہ میں شامل ہونے کا عظیم شرف بھی حاصل ہوا۔

غزوۂ احد میں سرورِ کائنات ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی۔ صحابۂ کرامؓ پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اتفاق سے حضرت کعبؓ کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ حضورؐ کو سلامت دیکھ کر وہ جوشِ مسرت میں پکار اٹھے: "یہ رسول اللہ ہیں"۔

حضورؐ نے اشارہ سے فرمایا "خاموش رہو"۔

غزوۂ احد کے بعد بھی حضرت کعبؓ ہر غزوہ میں پیش پیش رہے لیکن حضورؐ کے سب سے آخری غزوہ کے موقع پر ان سے ایک لغزش ہوگئی جس کی وجہ سے وہ ایک شدید امتحان میں مبتلا کر دئے گئے۔

(۳)

جب حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم دیا۔ تو حضرت کعبؓ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑے ذوق و شوق سے جہاد پر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ان دنوں وہ بہت آسودہ حال تھے۔ سفر کے لئے انہوں نے دو اونٹ خرید لئے اور دوسرا سامان بھی مہیا کر لیا۔ لیکن قسمت میں اس موقع پر شرکتِ جہاد کی سعادت نہ لکھی تھی۔ لشکرِ اسلام کے کوچ کے وقت سستی اور تذبذب میں مبتلا ہوگئے کہ ایسی جلدی کیا ہے کل جا ملوں گا۔ دوسرے دن بھی اسی طرح سستی نے غلبہ کیا اور وہ نہ جا سکے۔ غرض اسی حیص بیص میں کئی دن گذر گئے حتیٰ کہ انہیں حضورؐ کے تبوک پہنچنے کی خبر ملی۔ اب جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ شہر میں نکلے تو منافقین اور معذور لوگوں کے سوا کسی کو نہ دیکھا۔ سب حضورؐ کی رفاقت میں میدانِ جہاد کو تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت کعبؓ پر گھڑوں

پانی پڑ گیا۔ ضمیر نے ملامت کی کہ اے کعب تو تندرست اور صاحب استطاعت ہونے کے باوجود اپنی سستی کی بدولت شرکت جہاد سے محروم رہا۔ سخت شرمندہ اور ملول ہوئے۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو سکتا تھا۔

(۴)

حضورؐ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگوں نے کعب کو طرح طرح کے جھوٹے بہانے سجھائے کہ یوں کہہ دو تو حضورؐ درگذر فرمائیں گے۔ لیکن کعبؓ نے تہیہ کر لیا کہ ایک گناہ تو کیا ہے دوسرا ہرگز نہ کروں گا۔ اور حضورؐ کے سامنے اپنی خطا کا صاف اقرار کر لوں گا۔ لشکر میں کعبؓ کی عدم شرکت کی اطلاع حضورؐ کو بھی مل چکی تھی۔

اسّی کے قریب اور لوگ بھی تھے جو تبوک نہیں گئے تھے۔ وہ سب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اپنے عذر بیان کئے اور حضورؐ نے قبول فرما لئے۔ اب حضرت کعبؓ خدمت نبوی میں پیش ہوئے۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور پوچھا "کعب تم غزوہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے کیا بیمار تھے یا سامان نہ تھا؟"

حضرت کعبؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ بالکل تندرست و توانا تھا اور سامان بھی تھا۔ محض میرے نفس کی سستی اور تذبذب نے مجھے شرکت جہاد سے محروم رکھا۔"

حضورؐ نے فرمایا "تم نے سچ کہا۔ اب اپنے گھر جاؤ اور حکم خداوندی کا

انتظار کرو۔"

حضورؐ نے لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی ان سے بات چیت نہ کرے۔

(۵)

پچاس دن حضرت کعبؓ نے ابتلا و کرب میں گزارے۔ گھر سے نکل کر مسجد نبوی میں جاتے اور نماز پڑھ کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتے۔ نہ حضورؐ ان سے کلام فرماتے نہ کوئی اور۔ کعبؓ کے دل و جگر پہ چھریاں چلتی تھیں کہ آقا کی نگہ التفات سے محروم ہو گئے ہیں۔

اور تو اور خاندان کے لوگ بھی ارشادِ نبوی کی تعمیل میں ان سے نہیں بولتے تھے۔ ایک دن اپنے چچا زاد بھائی ابو قتادہؓ کے پاس گئے انہیں سلام کیا لیکن وہ خاموش رہے اس واقعہ سے پہلے ابو قتادہؓ کو کعبؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ لیکن اب جو انہیں بھی یوں خاموش پایا تو کعبؓ بہت دل شکستہ ہوئے قسم دے کر ان سے پوچھا "ابو قتادہ تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں"۔ ابو قتادہؓ بدستور منہ پھیرے خاموش کھڑے رہے۔ جب تین مرتبہ کعبؓ نے یہی کلمات کہے تو ابو قتادہ نے بس اتنا کہا "خدا اور خدا کے رسولؐ ہی اچھی طرح جانتے ہیں"۔ کعبؓ یہ دل شکن جواب سن کر اشکبار ہو گئے۔ اور [illegible] لوٹ آئے۔ راستے میں انہیں غسان کے عیسائی بادشاہ کا قاصد ملا جو انہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ شاہ غسان نے کعب جیسے نامور آدمی سے رسول کریمؐ کی ناراضی کی خبر سن کر اس قاصد کے ذریعہ انہیں ایک خط بھیجا تھا۔

جس میں لکھا تھا "ہم نے سنا ہے تمہارے صاحب (رسول کریمؐ) نے تم پر زیادتی کی ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی تم سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ہم تمہاری قدر و منزلت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اگر تم اس قاصد کے ہمراہ ہمارے پاس آ جاؤ تو ہمیں انتہائی قدردان پاؤ گے"۔

یہ ایک سخت آزمائش تھی لیکن حضرت کعبؓ کے قدم جادۂ استقلال سے ذرا بھی نہ ڈگمگائے انہوں نے اس خط کو نذرِ آتش کیا اور خشیت الٰہی سے رو دیے کہ مجھے یہ روزِ بد بھی دیکھنا تھا کہ ایک کافر مجھے راہِ حق سے ہٹانا چاہتا ہے اور میرے آقا سے جدا کرنا چاہتا ہے۔

(۶)

مقاطعہ کے چالیسویں روز حضورؐ نے کعبؓ کو پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ عاشقِ رسولؐ کے سوکھے دھانوں پانی پڑا کہ آقا نے یاد تو کیا۔ پوچھا طلاق دیدوں؟ پیغامبر نے کہا نہیں صرف الگ رہو۔ حضرت کعبؓ نے اسی وقت بیوی کو میکے روانہ کر دیا۔

پچاسویں دن حضرت کعبؓ نماز پڑھ کر اپنے مکان کی چھت پر لیٹے تھے اور توبہ و استغفار کر رہے تھے کہ رحمتِ خداوندی جوش میں آ گئی۔ ان کی توبہ قبول ہو گئی وحی نازل ہوتے ہی حضورؐ نے صحابہؓ کو خبر دی۔ حضرت کعبؓ کے مکان کے پاس ایک ٹیلہ تھا۔ صدیق اکبرؓ اس ٹیلے پر چڑھ کر پکارے "کعب تمہیں مبارک ہو تمہاری توبہ اللہ نے قبول کر لی"۔

کعبؓ سجدۂ شکر میں گر پڑے اور پھر اٹھ کر دوڑتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں جو شخص ملا اس نے انہیں مبارک باد دی۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا "کعب تمہاری زندگی میں آج تک ایسا مبارک دن نہیں آیا تھا۔ بشارت ہو کہ اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی"۔ وفور مسرت میں حضرت کعبؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ اس خوشی میں میں اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "نہیں اپنے مال کا ایک حصہ صدقہ کرو"۔ حضرت کعبؓ نے خیبر کا حصہ راہ حق میں دے دیا۔ اور کہا "اللہ نے میری راست گوئی کی وجہ سے مجھے نجات دی۔ انشاء اللہ دم نزع تک راست گوئی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا"۔

لہ مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ دو اور بزرگ بھی تبوک نہ جا سکے تھے۔ اللہ نے کعبؓ کے ساتھ ان دونوں کی توبہ بھی قبول کر لی ۱۲

حضرت جریر بن عبد اللہ البجلیؓ

(۱)

ابو عمر جریر بن عبد اللہ بجلیؓ یمن کے والیان شاہی کے چشم و چراغ اور قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔ اللہ نے دنیا کی تمام نعمتیں دے رکھی تھیں اس کے ساتھ ہی اللہ نے فطرت سعید عطا کی تھی۔ کانوں سے عرصے سے سرورِ کائنات کے ظہور اور فتوحات کا حال سن رکھا تھا لیکن خدمتِ نبوی میں حاضر ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ آخر قلب و ضمیر نے جھنجھوڑا کہ کب تک یونہی خوابِ غفلت میں پڑے رہو گے اٹھو اور سرورِ کائنات کا شرف قدمبوسی حاصل کرو۔ سنہ ۱۰ھ میں یمن سے عازم یثرب ہوئے اور چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ کر سرورِ کونین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ سے بڑھ کر کون مردم شناس تھا۔ جریر کی خاندانی عظمت اور شرف کا حال سن کر ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو تمہارا فرض ہے کہ اس کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آؤ۔"

جریرؓ نے بے اختیار سرورِ کائناتؐ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کی:

"یارسول اللہ میں صدق دل سے اسلام قبول کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں"
حضورؐ نے فرمایا "ہر مسلمان کے بہی خواہ رہنا۔ جو اللہ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ کافروں سے بیزار رہنا۔ خدائے واحد کی پرستش کرنا۔ نماز کی پابندی کرنا اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنا"
جریرؓ نے سب باتیں قبول کیں اور حضورؐ نے انہیں اپنی بیعت سے نوازا چند ماہ کے بعد جریرؓ رسول اکرمؐ کے ہمراہ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے حضورؐ نے انہیں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت تفویض کی۔

(۲)

یمن کے شہر ذی الخلیفہ میں ایک بڑا بت خانہ تھا جسے کعبہ یمانی کہتے تھے ایک دن حضورؐ نے جریرؓ کو حکم دیا کہ ذی الخلیفہ جا کر اس بتخانہ کو منہدم کر دو۔ جریرؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے میرے سپرد یہ کام کیا۔ لیکن میں گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا"
حضورؐ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا مانگی "الٰہی جریرؓ کو گھوڑے کی پشت پر جما دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا"
جریرؓ ایک سو پچاس سواروں کا دستہ لے کر ذی الخلیفہ پہنچے اور بت خانہ کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ابھی وہ یمن ہی میں تھے کہ وصال نبویؐ کی غم انگیز خبر سنی۔ فرط الم سے بیقرار ہو گئے۔ اور سیدھے مدینہ پہنچے۔ اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ منصب خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔ خلافت صدیقی کا سارا زمانہ حضرت جریرؓ نے نہایت

خاموشی سے گذارا۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں آپ نے جہاد عراق و شام میں نمایاں حصہ لیا۔ جب ایک غلطی سے جسر میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ تو فاروق اعظمؓ نے جریرؓ کو قبیلہ بجیلہ کا سردار بنا کر عراق روانہ کیا۔ وہاں آپ مثنیٰؓ بن حارثہ کی فوجوں سے مل گئے۔ حیرہ کے مقام پر ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی۔ جریرؓ اسلامی فوج کے میمنہ کے افسر تھے۔ مثنیٰؓ اور جریرؓ نے اس جنگ میں بے مثال شجاعت اور استقامت دکھائی ایرانیوں کے زبردست دباؤ سے مجبور ہو کر مسلمان کئی بار پیچھے ہٹے۔ لیکن مثنیٰؓ اور جریرؓ کی للکار پر پھر پلٹ پڑے۔ قبیلہ بجیلہ نہایت جوش اور وارفتگی سے لڑا۔ آخر ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔[1]

(۳)

اس کے بعد حضرت جریرؓ نے قادسیہ کی خونریز جنگ میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ جریرؓ ازداج کا قبیلہ سر سے کفن باندھ کر نکلا اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ ایرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ جب ایرانی شکست کھا کر بھاگے تو جریرؓ نے ان کا تعاقب کیا۔ اپنے لشکر سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ چند ایرانیوں نے پلٹ کر گھیر لیا۔ اسی اثنا میں دوسرے مجاہدین گھوڑے دوڑاتے آپہنچے اور ایرانیوں نے راہ فرار اختیار کی۔

---

[1] بعض تاریخوں میں اس جنگ کو یرموک کی جنگ سمجھ لیا گیا ہے یہ صحیح نہیں۔ یرموک کی جنگ شام میں ہوئی تھی۔ جریرؓ نے قادسیہ کی جنگ میں شرکت کی ۱۲۔

ایران کے دارالسلطنت مدائن کی فتح کے بعد حضرت جریرؓ چار ہزار سواروں کے ساتھ جلولاء کی حفاظت پر متعین ہوئے۔ اس کے بعد حلوان۔ اہواز۔ تستر و مُہر کی جنگوں میں جانبازی اور سرفروشی کے محیر العقول کارنامے دکھائے۔

حضرت عثمان ذوالنورین کے عہد خلافت میں حضرت جریرؓ ہمدان کے امیر مقرر ہوئے۔ شہادت عثمانؓ کے بعد آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد کچھ غلط فہمیاں ایسی پیدا ہو گئیں کہ آپ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور بقیہ زندگی قرقیسیا کے کنج عزلت میں گذار دی۔ ۵۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۴)

سرورِ کائناتؐ حضرت جریرؓ کی بہت عزت کرتے تھے اور خلوت و جلوت میں ان کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سرورِ کونینؐ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "اس دروازہ سے یمن کا بہترین شخص داخل ہو گا۔ اس کے چہرے پر بادشاہی کی علامت ہو گی۔" تھوڑی دیر کے بعد حضرت جریرؓ اس دروازہ سے داخل ہوئے۔ جب انہوں نے حضورؐ کا ارشاد گرامی سنا تو فرطِ مسرت سے باغ باغ ہو گئے۔

خلفائے راشدین بھی حضرت جریرؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک دفعہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "اللہ تم پر فضل کرے تم زمانۂ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہو۔"

حضرت جریرؓ بے حد وجیہ اور خوبرو تھے۔ فاروق اعظمؓ انہیں امتِ محمدیہ کا

یوسف کہا کرتے تھے۔

امیر معاویہؓ انہیں بڑے سے بڑا عہدہ دینے کے لئے تیار تھے لیکن وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت فسخ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے حتٰی کہ اس وقت بھی وہ امیر معاویہؓ کے پاس نہیں آئے جب حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے ان پر امیر معاویہؓ کی طرفداری کا الزام لگایا۔ اس کی بجائے وہ ملکی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

حضرت براء بن مالک انصاریؓ

(۱)

حضرت براء بن مالک انصاریؓ خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ کے علاتی بھائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیر کا دل گردہ عطا کیا تھا۔ راہ حق میں اس لیے جگر کا سے ڈٹ جاتے تھے کہ شجاعت اور استقامت بھی آفرین کہہ اٹھتی تھی۔ جنگ بدر میں کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں نہایت پامردی سے لڑتے رسول اکرمؐ نے ان کے متعلق ایک دفعہ فرمایا "بہت سے گرد آلود اور پریشان حال لوگ جن کو لوگ کوئی وقعت نہیں دیتے جب قسم کھا بیٹھتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ براء بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔"

(۲)

صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مدعیان نبوت میں سب سے زیادہ قوی مسیلمہ کذاب تھا۔ اس کے جھنڈے تلے مختلف قبائل کے ایک لاکھ جنگجو جمع ہو گئے تھے۔ مسیلمہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اتنا بدماغ

ہو گیا تھا کہ اسے کوئی مسلمان مل جاتا تو اس سے زبردستی اپنی نبوت منوانے
کی کوشش کرتا اگر وہ انکار کر دیتا تو طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کرا دیتا۔
صدیق اکبرؓ نے اس کی سرکوبی کے لئے عکرمہؓ بن ابوجہل کو مقرر فرمایا وہ روانہ ہو
گئے تو مسیلمہ کی طاقت کا اندازہ کر کے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو ان کی مدد کے
لئے روانہ کیا۔ حضرت عکرمہؓ نے کمک پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے لڑائی چھیڑ دی
لیکن مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج کی مسیلمہ کے ٹڈی دل کے سامنے کچھ پیش نہ چلی۔ اور
مسیلمہ نے لڑائی میں فتح پائی۔ صدیق اکبرؓ کو معلوم ہوا تو وہ عکرمہ بن ابی جہل پر سخت
ناراض ہوئے اور انہیں حکم بھیجا کہ اب مدینہ واپس نہ آنا بلکہ مہرہ اور عمان چلے جاؤ اور
وہاں کے مرتدوں سے لڑو۔ شرجیل بن حسنہؓ کو حکم بھیجا کہ تم یمامہ جا کر خالد بن ولیدؓ کی
رہنمائی میں مسیلمہ سے لڑو۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان دنوں مدینہ منورہ پہنچے ہوئے
تھے۔ شرجیلؓ نے بھی وہی غلطی کی کہ خالد بن ولیدؓ کے آنے سے پہلے ہی مسیلمہ سے
لڑائی چھیڑ دی۔ مسلمانوں کی قلیل جماعت کو شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسی اثناء
میں حضرت خالد بن ولیدؓ بھی مہاجرین و انصار کی ایک فوج کے ہمراہ بطاح آ پہنچے۔
جب ہر طرف سے مسلمان وہاں جمع ہو گئے تو خالد بن ولیدؓ مسیلمہ کی طرف بڑھے اس
وقت مسیلمہ کے پاس چالیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر تھا۔ حضرت براء بن مالک مجاہدین اسلام
کے لشکر میں شامل تھے۔ مسلمانوں کی کل تعداد تیرہ ہزار تھی۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے
کے مقابل ہوئے تو مسیلمہ کذاب کے بیٹے شرجیل نے نہایت پرجوش الفاظ میں
اپنے ساتھیوں کی قومی عصبیت کو ابھارا۔ انہوں نے مشتعل ہو کر نہایت جوش سے
مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لیں اور نہایت پامردی

سے اس حملہ کو روکا۔ اس گھمسان کا رن پڑا کہ زمین کانپ اٹھی۔ حضرت زید بن خطابؓ
حضرت ابو حذیفہ رضؓ حضرت سالم رضؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت براء بن مالک رضؓ
اور دوسرے شجاعان اسلام از خود رفتہ ہو کر لڑ رہے تھے۔ مرتدین مسیلمہ کے گرد کٹ
کٹ کر گر رہے تھے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے
سوچا کہ جب تک یہ مردود ہلاک نہ ہوگا۔ لڑائی کا فیصلہ نہ ہوگا۔ انہوں نے جانبازوں
کا ایک دستہ لے کر مسیلمہ پر ایک طوفانی حملہ کیا۔ براء بن مالکؓ اسی دستہ کے ساتھ تھے
مسیلمہ اپنے قبیلہ بنو حنیفہ سمیت گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ اور اپنے قلعہ بند باغ حدیقۃ
الرحمان میں جا گھسا۔ اس کا پھاٹک بہت مضبوط تھا۔ مسلمانوں کے قدم رک
گئے۔ حضرت ابو دجانہ رضؓ اور براء بن مالکؓ نے مسلمانوں سے کہا "مسلمانو اس باغ کے
اندر ہمیں اتار دو۔ ہم اس کے اندر جا کر مرتدوں سے لڑیں گے" مسلمان اپنے ان بہادروں
کو خطرے میں ڈالنے سے ہچکچائے۔ حضرت ابو دجانہ رضؓ تو دیوار پھاند کر خود ہی اندر جا
کودے۔ براءؓ نے کہا "خدا کی قسم مجھے باغ میں اتار دو میں مرتدین سے لڑوں گا" مسلمانوں
نے مجبور ہو کر انہیں دیوار پر چڑھا دیا اور وہ بھی مردانہ وار باغ میں جا کودے۔ حضرت
ابو دجانہؓ کا پھلانگ لگانے سے پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن براءؓ بخیریت باغ میں اتر
گئے۔ اور بھوکے شیر کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے۔ لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک
تک جا پہنچے اور اسے کھول دیا۔ مسلمان فوج یلغار کر کے اندر گھسی اور مرتدین کو اپنی
تلواروں پر رکھ لیا۔ مسیلمہ بھاگنے کی فکر میں تھا کہ حضرت وحشی رضؓ نے دیکھ لیا تاک کر
اپنا برچھا اس طرح پھینکا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ مرتدین کو بری طرح شکست ہوئی
اور ان کے ہزاروں آدمی مقتول ہوئے۔ تقریباً ایک ہزار مسلمانوں نے بھی اس

لڑائی میں جام شہادت نوش کیا۔

حضرت براء بن مالکؓ خود اسی جنگ میں بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ اسّی سے زیادہ زخم لگے تھے۔ لوگ اٹھا کر خیمہ میں لائے تھے۔ ان کی تیمارداری حضرت خالدؓ نے بذات خود اس فدائے اسلام کی تیمارداری کی۔ ایک مہینہ کے علاج کے بعد خدا نے انہیں صحت دی۔

(۱۴۴)

یمامہ کی جنگ کے بعد حضرت عمرؓ نے عراق کے لشکر میں تبادلہ کر دیا اور ایک جگہ قلعہ پر حملہ مقصود تھا۔ دشمن بہت [illegible] لٹکتے والی زنجیریں لٹکا رکھی تھیں کوئی مسلمان [illegible] اس زنجیر سے [illegible] اوپر اٹھا لیتے۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ [illegible] زنجیر میں پھنس گئے اور [illegible] حضرت براءؓ [illegible] زیادہ [illegible] اور [illegible] ہاتھ [illegible] حضرت براءؓ [illegible] ہو گیا۔

(۱۴۵)

اسی [illegible] حضرت براءؓ [illegible] ہوئے [illegible] کیا [illegible]

کے دوران میں ایک دن حضرت براءؓ موج میں آ کر گا رہے تھے کہ حضرت انسؓ ان کے پاس پہنچے اور کہا بھائی خدا نے آپ کو اس سے اچھی چیز دی ہے قرآن ہے۔ آپ اس کو کیوں خوش الحانی سے نہیں پڑھتے۔"

حضرت براءؓ نے جواب دیا "انس شاید تمہیں یہ خوف ہے کہ میں کہیں بستر پر ہی نہ مر جاؤں۔ خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا۔ میری موت میدان جنگ میں ہی آئے گی۔"

ایک دن دشمن نے باہر نکل کر مسلمانوں پر زبردست حملہ کیا۔ اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ مسلمانوں کو براءؓ کے متعلق رسول اکرمؐ کی حدیث یاد تھی۔ ان کے پاس آئے اور کہا آج قسم کھائیے کہ خدا ہمیں فتح دے گا۔ براءؓ نے فوراً کہا۔ الٰہی میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح دے اور مجھے میرے آقا کی زیارت نصیب کر۔ اس کے بعد فوج لے کر دشمنوں پر ایک خوفناک حملہ کیا۔ جو سامنے آیا اسے مار گرایا۔ اسی طرح داد شجاعت دیتے ہوئے قلعے کے پھاٹک تک جا پہنچے۔ وہاں ہرمزان سے مقابلہ ہوا۔ جو [illegible] تھا۔ حضرت براءؓ نے اس کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔ لیکن حضرت براءؓ کا خون رائیگاں نہ گیا۔ مسلمانوں نے ان کی شہادت کے بعد اس زور کا حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح عظیم ہوئی۔ یوں اللہ تعالےٰ نے اپنے لاڈلے براءؓ بن مالک کی قسم پوری کر دی۔

حضرت براءؓ بن مالکؓ نے اپنی زندگی جہاد کے لئے وقف کی ہوئی تھی۔ ان کی بے مثال شجاعت کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ انہیں [illegible] کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کو فوج کا افسر بنانا بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ وہ

نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر سیدھے ہی جائیں گے"۔ اور یہ تھا بھی صحیح۔ براء بن مالکؓ تو خدا کے شیر تھے۔ اور ع

"شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں"

حضرت اخرم اسدیؓ

(۱)

حضرت ابو نضلہ محرز بن نضلہ (المعروف بہ اخرم اسدیؓ) ایک وجیہ اور خوبرو نوجوانوں سے تھے۔ ظاہری شکل و صورت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت صالح سے بھی نوازا تھا چنانچہ وہ اس وقت ذات احدیت پر ایمان لائے جب پرستاران حق ہولناک مصائب کا شکار رہتے تھے۔ حضرت ابو نضلہ بھی سابقون الاولون کے مقدس گروہ میں شمار ہوتے۔ راہ حق میں انہوں نے وطن عزیز کو خیرباد کہا۔ اور دیار یثرب میں اپنے آقا کے قدموں میں جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر انہیں غزوات بدر، احد اور خندق میں شامل ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ ان غزوات میں انہوں نے اپنی شجاعت اور پامردی کی دھاک بٹھا دی۔ ہر وقت رسول امینؐ پر جان نثار کرنے کی آرزو رہتی تھی۔

(۲)

سنہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ ایک دن یثرب کی چراگاہ میں مسلمانوں کے

اونٹ چر رہے تھے۔ بنو فزارہ کے شریر النفس لوگوں نے اونٹوں پر چھاپہ مارا، محافظ کو شہید کر ڈالا اور اونٹوں کو ہانک کر لے چلے۔

اتفاق سے مشہور صحابی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ اور رسول اکرمؐ کے غلام حضرت رباحؓ بھی کہیں پاس ہی تھے۔ انہیں واقعہ کا علم ہوا تو حضرت رباحؓ رسول کریمؐ کو اطلاع پہنچانے کے لئے مدینہ کی طرف بھاگے۔ اور حضرت سلمہؓ قریب کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور زور سے نعرہ لگایا "یا صباحاہ"۔

اور پھر لٹیروں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ انہوں نے بھی جواب میں ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ادھر جب حضورؐ کو حضرت رباحؓ کے ذریعہ بنو فزارہ کے چھاپہ کا علم ہوا۔ تو آپ نے چند صحابہؓ کو گھوڑوں پر سوار ہو کر لٹیروں کے تعاقب کا حکم دیا۔ ان صحابہؓ میں حضرت ابو قتادہؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور اپنے ساتھیوں سے آگے نکل گئے۔ جب موقع واردات کے قریب پہنچے تو حضرت سلمہؓ نے پہاڑ سے اتر کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔

"ابو قتادہ ذرا ٹھہر جاؤ ورنہ خطرہ ہے کہ تم دشمنوں کے نرغہ میں آ جاؤ گے"

ابو قتادہؓ نے جوش شہادت میں کہا۔

"سلمہؓ! تمہیں اللہ اور پیارے آنحضرتؐ کا واسطہ ہے کہ مجھے راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے سے نہ روکو"۔

حضرت سلمہؓ نے ان کے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی۔ ابو قتادہؓ گھوڑا

دوڑاتے ہوئے لٹیروں پر جا پڑے۔ عبدالرحمن فزاری سب سے پہلے ان کے
سامنے آیا۔ تلوار کا ایک بھرپور وار اس پر کیا وہ تو بچ گیا لیکن اس کا گھوڑا کٹ
کر گر پڑا۔ اب اس نے پیدل ہی حضرت ابن نضلہؓ پر نیزے کا وار کیا اور وہ جامِ
شہادت پی کر مراد کو پہنچا۔ اتنے میں حضرت ابو قتادہ انصاریؓ بھی اپنا گھوڑا دوڑاتے
آ پہنچے۔ ان کی شمشیر اجل بن کر صاعقہ بن کر عبدالرحمن کے سر پر گری۔ اور ابن نضلہؓ
کا انتقام لے لیا۔ شہادت سے چند یوم پہلے ابن نضلہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ
آسمان کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے۔ اور وہ سدرۃ المنتہیٰ میں جا پہنچے تو
حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کا خواب سن کر انہیں شہادت کی خوشخبری دی تھی
چنانچہ مذکورہ واقعہ میں جو تاریخ میں غزوہ ذی قرد کے نام سے مشہور ہے حضرت
ابن نضلہؓ نے اپنے خواب کی تعبیر دیکھ لی۔

حضرت ابودجانہ انصاریؓ

(۱)

حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاریؓ مدینہ کے ایک نامور بہادر تھے۔ ابھی سرورِ کائناتؐ مدینہ تشریف نہیں لائے تھے۔ کہ ابودجانہؓ نے ذاتِ رسالت اور ان کی دعوتِ حق کا حال سنا۔ قلب گداز رکھتے تھے۔ اسی وقت خدائے واحد اور رسول اکرمؐ پر ایمان لے آئے۔ جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابودجانہؓ کی مسرت کی انتہا نہیں تھی۔ رسولِ ہاشمیؐ پر اپنا دل و جان نثار کر بیٹھے۔ اور رسول اللہ کی جاں نثاری اور رفاقت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

جنگ بدر میں رسول اکرمؐ کے ہمرکاب تھے اور کمال ثابت قدمی سے داد شجاعت دی۔ اس کے بعد جنگ احد میں نہایت جوش و خروش سے شریک ہوئے وہ لڑائی میں شامل ہوتے وقت سر پر ایک سرخ کپڑا باندھ لیتے تھے اور جوش شجاعت سے تن کر چلتے تھے۔ جنگ احد میں بھی اسی انداز سے شریک ہوئے کسی نے حضورؐ کی توجہ ان کی اکڑ کی طرف مبذول کرائی تو حضورؐ نے فرمایا ”اکڑ

خدا کو پسند نہیں لیکن ایسے موقع پر کوئی مضائقہ نہیں"۔

آغاز جنگ میں سرور کونین نے اپنی شمشیر مقدس نیام سے نکالی اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "کون ہے جو آج اس کا حق ادا کرے"۔

حضرت ابو دجانہؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ حضورؐ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ پھر ان دونوں جانبازوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ تیسری بار حضورؐ نے پھر یہی کلمات فرمائے تو بدستور ان دونوں نفوس قدسی کو شمشیر مقدس پکڑنے کے لئے بیتاب پایا۔ حضورؐ نے اب اپنی تلوار حضرت ابو دجانہؓ کو عنایت کی۔ انہیں گویا دونوں جہان کی نعمتیں مل گئیں۔ اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ جب مسلمانوں میں ہزیمت کے آثار پیدا ہوئے تو حضرت ابو دجانہ نہایت استقامت سے حضورؐ کی ڈھال بن گئے۔ غنیم کا جو دستہ رسول کریمؐ کی طرف آتا۔ ابو دجانہؓ کی مقدس تلوار اس پر بجلی بن کر گرتی اور میدان صاف ہو جاتا۔ بالآخر غنیم نے راہ فرار اختیار کی۔ ابو دجانہ زخموں سے چور چور ہو گئے تھے۔ حضورؐ ان کی شجاعت اور ثابت قدمی سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا "ابو دجانہ خوب لڑے"۔

احد کے بعد بھی حضرت ابو دجانہؓ نے تمام غزوات میں بےمثال شجاعت سے رسول کریمؐ کی جاں نثاری کا حق ادا کیا۔ ان کی یہ جاں نثاری ہی تھی کہ غزوۂ بنو نضیر میں حضورؐ نے اپنے مال سے حضرت ابو دجانہؓ کو حصہ دیا۔

(۳)

حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی مشہور

جنگ میں شریک ہوئے۔ مسلمانوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر مسیلمہ اپنے باغ کے اندر چلا
گیا۔ اور اس کی چہار دیواری کی آڑ لے کر مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دئے۔
مسلمان باغ میں گھسنے کی بہتیری کوشش کرتے تھے لیکن تیروں کی بارش سے پیچھے
ہٹ آتے تھے۔ آخر ابو دجانہؓ مردانہ وار آگے بڑھے اور دیوار پھاند کر باغ کے اندر
جا کودے۔ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی لیکن ان کی جبین استقلال پر شکن تک نہ آئی۔ پاؤں
کو گھسیٹتے اور دشمن کو مارتے کاٹتے باغ کے پھاٹک تک جا پہنچے۔ اتنے میں حضرت براء
بن مالک انصاریؓ بھی یلغار کرتے پھاٹک تک آ پہنچے۔ اور اسے کھول دیا۔ مجاہدین اسلام
باہر منتظر تھے فوراً اندر گھسے اور مرتدین کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ حضرت ابو دجانہؓ دشمن
اسلام مسیلمہ کو مارنے کی تاک میں تھے کہ مرتدین نے نرغہ کر کے برچھیوں اور تلواروں سے
انہیں چھلنی کر دیا اور وہ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی رضا
دوست کے حصول کے لئے گذاری تھی۔ جنگ یمامہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت جلیبیبؓ انصاری

حضرت جلیبیب انصاریؓ حسن ظاہری سے یکسر محروم تھے۔ لیکن پاک نفسی نیک طینتی اور ایمان کی نعمتوں سے مالامال تھے۔ رسول کریمؐ نے ایک پاک باطن لڑکی سے ان کی نسبت ٹھہرائی۔ لڑکی کے والدین جلیبیبؓ کی کم روئی کی وجہ سے رشتہ دینے میں متذبذب ہوئے۔ لڑکی نہایت زیرک اور سچی مسلمان تھی اس نے کہا چونکہ رسول اللہؐ نے یہ نسبت ٹھہرائی ہے۔ اس لئے مجھے بسروچشم قبول ہے۔ ایک مسلمان کی یہ مجال کہاں کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم سے سرتابی کرے۔

حضورؐ نے جب اس لڑکی کے عشق رسول کا حال سنا تو بہت مسرور ہوئے اور دعا مانگی۔

"اے اللہ اس پر خیر کا دریا بہا دے اور اس کی زندگی کو بد مزا نہ کر"۔

جب حضرت جلیبیبؓ اور اس لڑکی کی شادی ہوگئی تو اللہ نے ان کی گھریلو زندگی کو جنت بنا دیا۔ اور وہ نہایت آسودہ حال ہو گئے۔

رسول کریمؐ ایک دفعہ ایک غزوہ[1] پر تشریف لے گئے۔ حضرت جلیبیبؓ بھی ہمراہ

---

[1] اس غزوہ کی تصریح کتب سیر میں درج نہیں ہے ۱۲

تھے کسی ضرورت سے لشکر گاہ سے باہر تشریف لے گئے۔ وہاں دشمن کے سات آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت جلیبیبؓ چاہتے تو بھاگ کر اپنی لشکر گاہ میں پہنچ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے دشمنان حق کے سامنے پیٹھ دکھانا گوارا نہ کیا۔ اور اکیلے ہی ان ساتوں کے مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اس جوش اور ثابت قدمی سے لڑے کہ ساتوں مشرکین کی لاشیں بچھا دیں۔ لیکن خود بھی شدید زخمی ہو گئے اور وہاں ہی گر کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

اس غزوہ کے اختتام پر حضورؐ مال غنیمت تقسیم کرنے بیٹھے تو صحابہؓ سے پوچھا۔

"تمہارے کون کون سے آدمی لاپتہ ہیں۔"

صحابہ نے کچھ آدمیوں کے نام بتائے۔ حضورؐ نے دوبارہ اور سہ بارہ بھی سوال کیا۔ صحابہؓ چند آدمیوں کے نام لے دیتے۔ جلیبیبؓ کی طرف کسی کا خیال ہی نہ گیا۔ اب حضورؐ نے فرمایا "مجھے جلیبیب نظر نہیں آتا۔"

صحابہ کرامؓ چونک اٹھے اور اسی وقت جلیبیبؓ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ سات مشرک مقتول پڑے ہیں۔ اور ایک طرف جلیبیبؓ بھی خاک و خون میں آغشتہ پڑے ہیں حضورؐ کو اطلاع ملی۔ تو خود تشریف لائے یہ عجیب منظر دیکھ کر طبع مبارک بہت متاثر ہوئی۔ اور جلیبیبؓ کے جسم اطہر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔

قتل سبعة ثم قتلوه۔ هذا منی و انا منه ا هذا منی وانا منه۔

(سات کو قتل کر کے قتل ہوا۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں)

پھر حضورؐ نے جلیبیبؓ کی نعش اطہر کو خود اٹھایا اور قبر کھدوا کر اپنے دست مبارک سے ان کی تدفین فرمائی۔

حضرت ابولبابہ رضؓ انصاری

حضرت ابولبابہ رفاعہ بن عبد المنذر ایک جلیل القدر انصاری صحابی تھے وہ اصحاب بدر میں سے ہیں۔ رسول کریمؐ کی نظروں میں ان کی بہت عزت و قعت تھی۔ بعض غزوات کے موقع پر جب حضورؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہیں اپنا نائب و جانشین مقرر فرمایا۔

مدینہ کے قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی بڑے طاقتور تھے۔ انہوں نے اپنا ایک مضبوط قلعہ بھی بنایا ہوا تھا۔ یہ لوگ سخت شریر اور بدباطن تھے۔ بظاہر تو وہ مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن اندرون خانہ منافقوں اور دوسرے دشمنانِ اسلام سے مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ۵ھ میں جنگ خندق کے موقع پر کفر اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ نازک ترین وقت تھا۔ ایسے نازک وقت میں بنو قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا یعنی وہ حملہ آوروں سے مل گئے۔ جب انہوں نے شہر کے امن و امان میں خلل ڈالنا شروع کیا تو حضورؐ نے عورتوں، بچوں اور معذوروں کو ایک محفوظ حصار میں منتقل کر دیا اور حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ اس موقع پر شرارت نہ کرو۔ بنو قریظہ کے یہودیوں

نے جواب دیا۔ ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور نہ ہمارا کوئی اس کے ساتھ قول و اقرار ہے۔ حضورؐ اس وقت خاموش ہو گئے۔ جب حملہ آوروں کو اللہ تعالےٰ نے ہزیمت دی اور وہ مدینہ کا محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے۔ تو حضورؐ بنی قریظہ کے غداروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں کو اپنے استحکامات پر بڑا غرور تھا۔ لیکن پچیس دن کے محاصرہ کے بعد ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ رضؓ کو مشورہ کے لئے بلا بھیجا۔ ابولبابہؓ کو خاص طور پر بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور قبیلہ اوس اور قبیلہ بنو قریظہ کے درمیان بڑے گہرے مراسم تھے۔ حضرت ابولبابہؓ قلعہ کے اندر گئے۔ یہودیوں نے ان کی بے حد عزت و تکریم کی۔ دوران گفتگو میں حضرت ابولبابہؓ نے یہودیوں کو بتا دیا کہ تم غداری کی پاداش میں قتل کئے جاؤ گے۔ جب قلعہ سے باہر تشریف لائے تو احساس ہوا کہ میں نے مسلمانوں کا ایک جنگی راز فاش کر دیا ہے اب یہودی مایوسی کے عالم میں سر بکف ہو کر اگر کوئی خطرناک قدم اٹھا بیٹھیں اور مسلمانوں کو کوئی ضرر پہنچ جائے۔ تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔ اس خیال سے کانپ اٹھے۔ اپنے آپ کو خدا اور خدا کے رسول کی خیانت کا مرتکب سمجھا۔ ایک موٹی زنجیر لی۔ اور مسجد نبوی میں آکر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ دن رات بارگاہ الٰہی میں گڑگڑاتے تھے کہ اے غفور الرحیم میرا گناہ بخش دے۔ کھانا پینا بالکل ترک کر دیا۔ صرف حوائج ضروریہ کے لئے زنجیر کھول لیتے اور فارغ ہونے کے بعد پھر اپنے آپ کو اپنی لڑکی کی مدد سے بند ھوا لیتے۔ ادھر یہودیوں کو اللہ تعالےٰ نے خائب و خاسر کیا۔ انہیں کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے کی ہمت

نہ پڑی۔ حضورؐ نے ان پر غلبہ پا کر مردوں کو قتل کرا دیا۔ اور عورتوں سے اسیران جنگ کا سا سلوک کیا۔ حضرت ابولبابہ رضؓ کو سزا بھگتتے کئی روز گذر گئے۔ روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں۔ نظر کمزور ہو گئی۔ کان بہرے ہو گئے۔ ایک دن ضعف و ناتوانی کے عالم میں بے ہوش ہو کر گر گئے۔ اس وقت رحمت الٰہی کو جوش آ گیا۔ رسول کریمؐ حضرت ام سلمہؓ کے حجرہ میں تھے۔ صبح کو اٹھے تو لبہائے مبارک پر تبسم تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نے بے وقت کی ہنسی کا سبب پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو یہ مژدہ ابولبابہ کو سنا دوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "ہاں اگر تم چاہو"۔ حضرت ام سلمہؓ کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے وہاں سے ہی پکار کر فرمایا "ابولبابہ مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی"۔

کچھ اور لوگوں کے کان میں بھی یہ آواز پڑی۔ انہوں سارے شہر میں پھیلا دی۔ لوگ جوق در جوق مسجد نبوی کی طرف بھاگے۔ حضرت ابولبابہؓ بھی ہوش میں آ گئے۔ فرمایا "جب تک رسول کریمؐ مجھے خود نہ کھولیں گے۔ یہاں سے نہ ہلوں گا"۔ حضورؐ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ابولبابہ رضؓ کو کھولا۔ ابولبابہؓ عالم مسرت میں رسول اللہ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ اور کہا "میرے آقا میں اپنا سب گھر بار راہ حق میں صدقہ کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ کے لئے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت عطا فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "نہیں صرف ایک تہائی مال کا صدقہ کر دو"۔ ابولبابہؓ نے فی الفور ارشاد نبوی کی تعمیل کی۔

شہید جفا حضرت حبیب بن زید انصاریؓ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(۱)

حضرت حبیب بن زید انصاریؓ اس جلیل القدر ماں کے فرزند تھے جس کے متعلق حضورﷺ نے فرمایا تھا "میں جنگ احد میں ام عمارہؓ کو برابر اپنے دائیں بائیں لڑتے دیکھتا تھا" اور جس کے متعلق خدا کے برگزیدہ رسولﷺ نے دعا مانگی تھی "اے اللہ ام عمارہ کو جنت میں میرے ساتھ رکھیو" حضرت حبیبؓ نے اسی شجاع ماں کا دودھ پیا تھا۔ انہوں نے جنگ احد میں اپنی بہادر والدہ اور حقیقی بھائی عبداللہ بن زیدؓ کے ساتھ خوب خوب داد شجاعت دی۔

سرور کائناتﷺ کی حیات پاک کے آخری دنوں میں یمامہ کے رئیس مسیلمہ کذاب نے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے رسول کریمﷺ کو یہ خط بھیجا "مسیلمہ رسول خدا کی طرف سے محمد رسول خدا کے نام۔

السلام علیک۔ میں آپ کی رسالت میں شریک ہوا۔ نصف ملک میرا۔ نصف قریش کا۔ لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے"

حضورؐ نے اس کا یہ جواب لکھوایا۔

"محمد رسول اللہ کا خط مسیلمہ کذاب کے نام۔
جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ ملک اللہ کا ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے اور آخرت کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

(۲)

اس مکتوب مبارک کے بھیجنے کے بعد رسول کریمؐ نے رحلت فرمائی۔

اب مسیلمہ کذاب کھُل کھیلا۔

اس نے اپنی شعبدہ بازیوں اور ستم رانیوں کے بل پر لوگوں کو زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کیا۔ تقریباً ایک لاکھ جنگجو مرتد ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جو شخص اس کی نبوت سے انکار کرتا۔ اس پر سخت ظلم کرتا۔

ایک دفعہ حضرت حبیب بن زیدؓ عمان سے مدینہ آ رہے تھے۔ کہ اس ظالم کے ہاتھ پڑ گئے۔

اس نے ان سے پوچھا۔ "محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے"۔

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا۔ "وہ خدا کے سچے رسول ہیں"۔

مسیلمہ بولا۔ "نہیں یہ کہو "مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے"

حضرت حبیبؓ نے نہایت حقارت سے اس کی بات ٹھکرا دی۔ ظالم مسیلمہ نے تلوار کے ایک وار سے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا۔ اور ان سے کہا

"اب میری بات مانو گے یا نہیں"
حضرت حبیبؓ نے جواب دیا ہرگز نہیں"۔
مسیلمہ نے اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید کر ڈالا۔ اور کہا اب بھی میری رسالت تسلیم کرلو۔
اس عاشق رسولؐ نے کہا" ہرگز نہیں ہرگز نہیں —— اشہد ان محمداً رسول اللہ"

اب مسیلمہ نے غضبناک ہو کر حضرت حبیبؓ کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کیا۔ ظالم راہ حق میں ان کا رقص بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ حضرت حبیبؓ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن رہ تسلیم و رضا سے قدم نہ ہٹایا۔
حضرت ام عمارہؓ نے اپنے مجاہد فرزند کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو قسم اٹھائی کہ انشاء اللہ ظالم مسیلمہ سے اپنے بیٹے کا انتقام لوں گی جب جنگ یمامہ میں گھمسان کا رن پڑا تو مسیلمہ باختلاف روایت ان کے دوسرے فرزند عبداللہ بن زید یا حضرت وحشی کے ہاتھ سے بری طرح قتل ہوا۔ حضرت ام عمارہؓ اس کے قتل پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔

حضرت ابو عبداللہ سالم رضؓ

(۱)

حضرت ابو عبداللہ سالم رضؓ کے آباؤ اجداد ایران کے رہنے والے تھے۔ سالم رضؓ ابھی کمسن ہی تھے کہ یثرب کی ایک خاتون ثبیتہ بنت یعار نے اپنی خدمت کے لئے انہیں خرید لیا۔ نوعمر سالم کے اطوار و عادات انہیں اتنے پسند آئے کہ یثرب پہنچ کر انہیں آزاد کر دیا[1]۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ نے سالم رضؓ کو اپنی سرپرستی میں

---

[1] کچھ روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سالم شروع میں حضرت ابو حذیفہ رضؓ کی غلامی میں تھے اور انہیں کے ساتھ انہوں نے اوائل دعوت میں اسلام قبول کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر ثبیتہ بنت یعار نے انہیں ابو حذیفہ رضؓ ہی سے ہجرت کے بعد خریدا۔ حضرت سالم رضؓ کی ہجرت صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ انہوں نے رسول اللہؐ کی ہجرت سے قبل مدینہ کو ہجرت کی۔ دوسرے صحابہ رضؓ جو ہجرت نبوی سے قبل مدینہ آ گئے تھے قبا میں حضرت سالم رضؓ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ ان روایات کے مطابق حضرت سالم رضؓ سابقین اولین میں تھے ۱۲

لے لیا۔ اور پھر اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ لوگوں میں وہ سالم بن ابو حذیفہ رضؓ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب بارگاہ الٰہی سے یہ حکم نازل ہوا کہ منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹے نہیں ہوتے۔ انہیں اپنے باپوں ہی کی طرف منسوب کیا کرو تو لوگ انہیں سالم بن ابو حذیفہ کی بجائے سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضؓ کہنے لگے۔

حضرت ابو حذیفہ رضؓ سالم رضؓ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ اور سالم رضؓ بھی ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سالم رضؓ کو لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ حافظہ بھی بلا کا پایا تھا۔ جب وہ خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو سننے والے وجد میں آجاتے تھے اور راہ جاتے لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ سرورِ کائناتؐ نے ان کی تلاوتِ قرآن سن کر فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ تمہارے جیسا آدمی اس نے میری امت میں پیدا کیا"۔ سالم رضؓ حفاظِ قرآن میں نہایت امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضؓ ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے "قرآن سیکھنا ہے تو سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبل رضؓ اور ابی بن کعبؓ سے سیکھو"۔

(۳)

حضرت سالم رضؓ علم و فضل کے میدان کے ہی شہسوار نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے بھی شیر نر تھے۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور دوسرے تمام غزواتِ نبوی میں وہ کمالِ شجاعت سے لڑے اور رسول اللہ کی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ صدیق

اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں وہ اپنے منہ بولے باپ حضرت ابو حذیفہ کے ہمراہ یمامہ کی خوفناک جنگ میں شریک ہوئے۔ ایک موقع پر جب مرتدوں کے بے پناہ دباؤ سے مجبور ہو کر مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے تو سالمؓ ایک گڑھا کھود کر اس میں قدم جما کر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا افسوس رسول اللہ کی رفاقت میں تو ہم اس طرح قدم پیچھے نہیں ہٹاتے تھے۔" یہ کہہ کر لپک کر علمِ اسلام کو تھام لیا۔ ایک مجاہد نے غلط فہمی کی بنا پر کہا "ہم کو تم پر پورا بھروسہ نہیں اس لئے ہم کسی اور کو علمبردار بنائیں گے۔" حضرت سالمؓ نے فرمایا "اگر میں اپنے آپ کو مسلمانوں کی علمبرداری کا اہل ثابت نہ کروں تو مجھ سے زیادہ بدبخت حاملِ قرآن کوئی نہیں۔" ابھی یہ الفاظ منہ ہی میں تھے کہ مرتدوں کے ایک زبردست جتھے نے ان پر یلغار کر دی۔ حضرت سالمؓ اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ کسی شقی نے ان کا داہنا ہاتھ شہید کر ڈالا۔ تو بائیں ہاتھ میں علمِ اسلام تھام لیا۔ وہ بھی شہید ہوا تو کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علمِ اسلام کو سینے سے چمٹا لیا اور بے اختیار یہ آیت زبان پر جاری ہو گئی۔

وما محمد الا رسول - وکاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر

(آل عمران) (اور محمد صرف ایک رسول ہیں اور کتنے ہی نبی ایسے ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا ہے)

آخر مرتدین کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے چھلنی ہو کر گر پڑے۔ دمِ نزع لوگوں سے پوچھا "ابو حذیفہ کا کیا حال ہے" لوگوں نے جواب دیا "انہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔" پھر پوچھا "میرا وہ مسلمان بھائی کہاں ہے جس نے مجھ

اعتراض کیا تھا"۔ لوگوں نے کہا "وہ بھی رتبہ شہادت پر فائز ہوئے"۔ حضرت سالمؓ نے فرمایا "مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کرنا"۔

اس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت سالمؓ کی جانبازی اور استقامت کا حضرت عمر فاروق رضؓ پر اتنا اثر تھا کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا "اگر آج سالم زندہ ہوتے۔ تو خلافت کے لئے میں انہیں نامزد کر دیتا۔ مجلس شوریٰ کی ضرورت ہی نہ پڑتی"۔

حضرت سعید بن عامرؓ

(۱)

حضرت سعید بن عامرؓ کو اللہ نے نہایت صالح اور سعید فطرت عطا کی تھی لیکن بعض مجبوریوں نے انہیں جلد اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔ حتیٰ کہ سرور کائناتؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ غزوۂ خیبر سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت سعیدؓ نے غزوۂ خیبر میں مجاہدانہ شرکت کی اور آخر وقت تک اس میں شریک رہے۔ خیبر کے بعد بھی ہر غزوہ میں نہایت جوش سے شریک ہوتے رہے۔ سرور کائناتؐ نے وصال فرمایا تو سعیدؓ شکستہ دل ہو کر کنج عزلت میں بیٹھ گئے۔ فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے دار الخلافت سے کمک مانگی تو فاروق اعظمؓ نے کمکی فوج کی سالاری کے لئے حضرت سعیدؓ کو منتخب کیا۔ سعیدؓ امدادی فوج کے ساتھ نہایت ذوق و شوق سے یرموک روانہ ہو گئے۔ جنگ یرموک میں انہوں نے سرفروشی اور جانبازی کا کمال مظاہرہ کیا اور نازک سے نازک موقع پر بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

(۲)

چند دنوں کے بعد حمص کے امیر حضرت عباس بن غنمؓ نے وفات پائی۔ فاروق اعظمؓ نے ان کی جگہ سعید بن عامرؓ کو حمص کا امیر مقرر کیا۔ سعیدؓ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت چاہی اور کہا "امیر المومنین آپ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں"۔ فاروق اعظمؓ نے ان کی بات نہ مانی اور فرمایا۔ "تم لوگوں نے خلافت کی ذمہ داریوں کا قلادہ تو میری گردن میں ڈال رکھا ہے اور خود ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں تم کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں ضرور حمص کی امارت سنبھالنی ہوگی"۔ سعیدؓ فاروق اعظمؓ کا فرمان رد نہ کر سکے اور طوعاً و کرہاً یہ عہدہ سنبھالا۔ سعیدؓ نے اس انداز سے حکمرانی کی کہ یگانے و بیگانے سب ان کے گرویدہ ہو گئے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ سعیدؓ شام کے لوگ کیوں تمہارے شیدائی ہیں۔ حضرت سعیدؓ نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین میں گلہ بانی کے ساتھ گلہ کی غمخواری بھی کرتا ہوں۔ حضرت سعیدؓ کی گلہ بانی اور غمخواری کی شان کیا تھی؟ انہیں جو تنخواہ ملتی اس میں سے چند درہم کھانے پینے کے سامان پر صرف کرتے اور باقی سب رقم راہ خدا میں لٹا دیتے۔ جب بیوی پوچھتیں کہ تنخواہ کی باقی رقم کہاں ہے تو کہتے "قرض دے دیا ہے"۔

قرض دینے سے آپ کی مراد یہ ہوتی تھی کہ یہ رقم راہ خدا میں خرچ کر ڈالی ہے۔ قرآن حکیم میں ایسے خرچ کو قرض حسنہ کا نام دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ کچھ لوگ وفد کی شکل میں حضرت سعیدؓ کے پاس گئے اور کہا "اے

امیر آپ کو ہم نے ہمیشہ نادار اور مفلس پایا ہے۔ آخر آپ کے کنبے کا بھی آپ پر کچھ حق ہے۔ اپنے ہاتھ کو اتنا کشادہ نہ رکھیں اور رشتہ داروں کا بھی کچھ خیال رکھا کریں"۔

حضرت سعیدؓ نے جواب دیا۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے تو فقر و غنا ہی پسند ہے کیونکہ میں نے اپنے آقائے نامدار سے سنا ہے کہ فقراء مومنین دوسرے لوگوں سے ستر سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے"۔

اور واقعی حضرت سعیدؓ کے زہد و قناعت کی یہ شان تھی کہ عام غربا اور مساکین اور امیر حمص کے درمیان کوئی فرق نہ رہا تھا۔

(۳)

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے۔ حمص پہنچ کر آپ نے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے کہا کہ حمص کے فقراء اور مساکین کی ایک فہرست تیار کر کے لاؤ۔ تاکہ ان کی گذر اوقات کا انتظام کیا جائے۔

جب فہرست تیار ہو کر فاروق اعظم رض کے سامنے آئی تو سر فہرست سعیدؓ بن عامر کا نام درج تھا۔ آپ نے پوچھا "یہ سعید بن عامر کون ہیں"؟

لوگوں نے کہا "ہمارے امیر"

امیر المومنین نے حیران ہو کر پوچھا "ان کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کا کیا کرتے ہیں"؟

لوگوں نے کہا "جو کچھ انہیں ملتا ہے دوسرے حاجتمندوں پہ صرف کر

دیتے ہیں"۔

یہ سن کر فاروق اعظمؓ چشم پر آب ہو گئے۔ پھر اپنے خط کے ساتھ انہیں ایک ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اسے آپ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔

جب قاصد نے یہ رقم سعید بن عامرؓ کو دی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا

انا للہ وانا الیہ راجعون

بیوی کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو دوڑی آئیں اور پوچھا "خیر تو ہے کیا امیر المومنین نے وفات پائی"۔

بولے "نہیں۔ اس سے بھی بڑا واقعہ ہے"۔

بیوی نے پوچھا "کیا قیامت کی کوئی نشانی دکھائی دی"۔

فرمایا "اس سے بھی اہم واقعہ پیش آیا ہے"۔

بیوی بولیں "آخر کچھ تو بتائیے کہ معاملہ کیا ہے"۔

حضرت سعیدؓ نے فرمایا "یہ دیکھو دنیا فتنوں کو لے کر میرے گھر میں داخل ہو گئی ہے"

بیوی نے کہا "تو آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ اس کے تدارک کی کوئی تجویز سوچیں"۔

حضرت سعیدؓ نے ساری رقم ایک توڑے میں ڈال دی۔ اور خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ساری رات عبادت میں گذر گئی۔ صبح ہوئی تو اسلامی فوج ان کے گھر کے سامنے سے گذری۔ آپ نے وہ تمام رقم توڑے سے نکال کر مجاہدین میں تقسیم کر دی۔

(۴)

ایک اور موقع پر فاروق اعظمؓ نے پھر ایک ہزار دینار حضرت سعید بن عامرؓ کے پاس بھیجے اور پیغام بھیجا کہ انہیں اپنے ذاتی تصرف میں لاؤ۔ سعیدؓ کی اہلیہ نے ان سے کہا۔ ہمارے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ اس رقم سے ایک غلام خرید لیا جائے۔"

حضرت سعیدؓ نے فرمایا کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہے کہ یہ رقم ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائے جو ہم سے بھی زیادہ محتاج اور نادار ہیں"۔

بیوی رضامند ہو گئیں اور حضرت سعیدؓ نے یہ تمام رقم بیواؤں، یتیموں بیماروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی۔

(۵)

ایک دفعہ اہل حمص نے فاروق اعظمؓ کی خدمت میں حضرت سعید بن عامرؓ کے خلاف اپنی شکایتیں پیش کیں۔ ان کی تفصیل یہ تھی۔

(۱) جب تک کافی دن نہیں نکل آتا۔ سعید گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

(۲) رات کو کوئی آواز دیتا ہے تو وہ جواب نہیں دیتے۔

(۳) وقتاً فوقتاً انہیں جنون کے دورے پڑتے ہیں۔

(۴) مہینے میں ایک دن گھر کے اندر رہتے ہیں اور بالکل باہر نہیں نکلتے

فاروق اعظمؓ نے تحقیق کے لئے حضرت سعیدؓ کو مدینہ طلب کیا

سعیدؓ اس شان سے مدینہ پہنچے کہ پیوند لگے کپڑے زیب بدن تھے۔
ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں کھانے کے لئے ایک پیالہ تھا۔
امیر المؤمنین نے پوچھا "کیا تمہارے پاس یہی سامان ہے"۔
عرض کی "اس سے زیادہ کسی چیز کی حاجت نہیں۔ عصا پر زادِ راہ لٹکاتا ہوں اور پیالے میں کھاتا ہوں"۔

حضرت عمر فاروق رضؓ سعید متأثر ہوئے اور دل میں دعا مانگی۔ کہ الٰہی سعید کے بارے میں میرے نیک گمان کو غلط ثابت نہ کرنا۔ پھر ان کے سامنے اہل حمص کی شکایتیں دہرائیں اور پوچھا۔ تمہارے پاس ان شکایتوں کا کیا جواب ہے"؟

حضرت سعیدؓ نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین خدا کی قسم میں ان چیزوں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت حال کا اظہار کئے بغیر چارہ نہیں۔

میں علی الصبح اس لئے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں اپنی اہلیہ کے ساتھ مل کر گھر کا کام انجام دیتا ہوں۔ وہ دوسرے کام کرتی ہے اور میں آٹا گوندھتا ہوں پھر خمیر اٹھنے کا انتظار کرتا ہوں۔ اس کے بعد روٹی پکاتا ہوں اور پھر ان لوگوں کی خدمت کے لئے باہر نکل آتا ہوں۔

رات کو اس لئے جواب نہیں دیتا کہ سارا دن مخلوق خدا کی خدمت کرنے میں گذر جاتا ہے۔ اور اپنے رب کے حضور میں اطمینان سے حاضر ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے رات کا وقت میں نے اللہ کی عبادت کے لئے

وقف کر رکھا ہے۔

جنون کے دوروں کے متعلق یہ ہے کہ مجھے جنون کا عارضہ تو نہیں ہے لیکن بے ہوشی کے دورے مجھ پر فی الحقیقت پڑتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خبیبؓ بن عدی کو مصلوب کیا گیا تو حاضرین میں میں بھی موجود تھا۔ خبیبؓ قریش (کفار) کے لئے بد دعا کرتے تھے۔ مجھے اپنے قریشی ہونے کا احساس اور خبیبؓ کی مظلومانہ شہادت کا خیال بعض اوقات بے چین کر دیتا ہے اور میں بے ہوش ہو جاتا ہوں"۔

مہینے میں ایک دن میں باہر اس لئے نہیں نکلتا کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک ہی جوڑا ہے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو اسی کو دھو کر پہنتا ہوں۔ مہینے میں ایک دفعہ ضرور مجھے اپنے کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔ جب وہ سوکھ جاتے ہیں تو انہیں پہن کر باہر نکلتا ہوں۔ اس وقت دن کا بڑا حصہ گذر جاتا ہے اس لئے میں لوگوں سے نہیں مل سکتا۔

حضرت سعید بن عامرؓ کے جوابات سن کر فاروق اعظمؓ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے فرمایا "سعید تمہارے متعلق میرا ایک گمان صحیح نکلا۔ اب حمص واپس جاؤ۔ اور اسی طرح مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہو"۔

حضرت سعیدؓ نے عرض کی "امیر المومنین مجھے اب بار امارت سے سبکدوش کر دیجئے"۔

امیر المؤمنین نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ واللہ تمہیں ضرور حمص واپس

جانا ہوگا - تمہارے جیسا گلہ بان اور غم خوار ان لوگوں کو میسر نہیں آئے گا۔"

فاروق اعظمؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت سعیدؓ واپس حمص تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ بعد سنہ ۱۹ھ یا سنہ ۲۱ھ میں چالیس سال کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت حارث بن ہشام مخزومیؓ

(۱)

ابو عبدالرحمن حارث بن ہشام مخزومی مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔ ابوجہل تو دنیا سے خائب و خاسر رخصت ہوا لیکن حارث بن ہشام کو اللہ تعالےٰ نے اسلام اور شہادت کی نعمتوں سے مشرف کیا۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

حارثؓ فتح مکہ کے موقع پر دوسرے سرداران قریش کے ساتھ نعمت ایمان سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور پھر غزوۂ حنین میں حضورؐ کی رفاقت میں نہایت ثابت قدمی سے لڑے۔ حضورؐ نے مال غنیمت سے سو اونٹ انہیں عطا کئے۔ غزوۂ حنین کے بعد مکہ واپس چلے گئے۔ لیکن جب سرور کائناتؐ نے وصال فرمایا تو وہ مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ انصار اور مہاجرین کے اختلاف میں انہوں نے لوگوں کو حضور کا قول الائمۃ من القریش یاد دلایا اور کسی قریشی النسل کو خلیفہ بنانے کی پرزور وکالت کی۔

(۷)

صدیق اکبرؓ نے شام پر لشکر کشی کرتے وقت تمام رؤسائے عرب کو دعوت جہاد دی۔ حضرت حارثؓ نے مردانہ وار اس دعوت پر لبیک کہا۔ وہ ایک مخیر رئیس تھے۔ اور صدہا غریبوں اور بے کسوں کی دستگیری کرتے تھے مکہ سے چلنے لگے تو ان لوگوں میں حشر برپا ہو گیا۔ آہ و فغاں کرتے ہوئے انہیں رخصت کرنے نکلے۔ حضرت حارثؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "لوگو میں تم سے کسی ذاتی نفع کے حصول کے لئے جدا نہیں ہو رہا۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اگر مکہ کے پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور ہم انہیں راہ خدا میں لٹا دیں تو جہاد فی سبیل اللہ کے ایک دن کے برابر بھی اس کا اجر نہیں ہو سکتا۔ دنیا نہ سہی آخرت کے اجر کو ہم اپنے ہاتھ سے کیوں جانے دیں"۔

یہ کہہ کر ان سب کو رخصت کیا اور لشکر مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ فحل اور اجنادین کے معرکوں میں نہایت پامردی سے لڑے۔ اس کے بعد یرموک کی خونریز جنگ میں شریک ہوئے اور نہایت جانبازی سے لڑے۔ آخر سخت زخمی ہو کر گر پڑے۔ نزع کے وقت سخت پیاس محسوس ہوئی۔ پانی مانگا۔ ایک مجاہد دوڑ کر پانی لایا۔ ابھی منہ سے لگایا ہی تھا کہ ایک دوسرے جاں بلب زخمی کے منہ سے "پانی" نکلا۔ حارثؓ نے پانی کا برتن منہ سے ہٹا دیا اور اشارہ کیا کہ اس بھائی کے پاس پانی لے جاؤ۔ جب پانی اس کے پاس پہنچا تو ان کے پاس ایک اور زخمی جان کنی کی حالت میں تھے اور پانی مانگ رہے تھے۔ دوسرے مجاہد نے بھی پانی

پینا گوارا نہ کیا اور اپنے قریب کے زخمی کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے پاس پانی پہنچا تو وہ دراصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسرے زخمی اور حارث کے پاس پانی پہنچایا گیا تو وہ دونوں بھی دم توڑ چکے تھے اور اپنے جذبۂ ایثار و اخوت سے اپنے آپ کو حوضِ کوثر کے پانی کا مستحق بنا لیا تھا۔

حضرت فروہ بن عمرو الجذامیؓ

فروہ بن عمرو الجذامی روم کے عیسائی بادشاہ کی طرف سے عرب کے بعض قبائل پر حاکم تھے (ایک روایت کے مطابق وہ قیصر روم کی طرف سے شام کے گورنر تھے) اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت عطا کی تھی۔ جب آفتاب ہدایت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور اس کی ضیا پاش کرنوں سے ظلمت کدۂ عالم منور ہوگیا۔ تو فروہ بن عمرو کے دل نے گواہی دی کہ "یہ نور حق ہے اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا محض ہٹ دھرمی اور کور چشمی ہے" وہ مرد خدا نہ ہادیٔ اکرمؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے نہ انہیں براہ راست دربار رسالت سے دعوت حق موصول ہوئی تھی[1]۔ لیکن سرورِ کائناتؐ کی بعثت

---

[1] ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ نے فروہ بن عمروؓ کو دعوت اسلام کا نامہ مبارک بھیجا تھا۔ انہوں نے یہ نامۂ مبارک پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور رسول کریمؐ کی خدمت میں ایک سفید رنگ کا خچر ہدیۃً بھیجا۔ اسی روایت کے مطابق حضرت فروہ قسطنطنیہ کے بادشاہ کی طرف سے عرب کے شمالی حصے کے حاکم تھے۔ اس میں فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی شامل تھا۔ اس سارے علاقے کا دارالحکومت معان تھا۔

تبلیغ حق۔ ابتلا و آزمائش اور اخلاق حسنہ کا غائبانہ حال سن کر ہی اپنا تن من سید عربیؐ پر نثار کر بیٹھے۔ صدق دل سے اسلام قبول کرلیا۔ اور سنۃ الوفود (یعنی جس سال مختلف قبائل نے رسول کریمؐ کی خدمت میں اپنے وفود بھیجے) انہوں نے بھی ایک قاصد سرور عالمؐ کی خدمت میں بھیج کر اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔

جب قیصر روم کو ان کے قبول اسلام کی خبر ملی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اور انہیں اپنے عہدہ سے معزول کرکے قید خانے میں ڈال دیا۔ ترغیب و تحریص جبر و تشدد مکر و حیلہ ہر طریقہ سے کام لے کر انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس مرد حق آگاہ کے دل میں اسلام کی جڑیں بہت مستحکم ہو چکی تھیں۔ وہ عزم و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ دین حق چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ قیصر نے انہیں سولی پر چڑھانے کا حکم دے دیا۔ تا دیدہ عاشق رسولؐ نے اپنی جان کی کچھ پروا نہ کی اور نہایت خوشی سے یہ شعر پڑھتے ہوئے سولی پر چڑھ گئے۔

بلغ سراۃ المسلمین بأننی　　　سلم لربی اعظمی و مقامی

(مسلمانوں کے سرداروں کو پہنچا دو۔ کہ میری ہڈیاں اور میری جگہ سب پروردگار کے مطیع ہیں۔)

حضرت کمیل بن زیاد نخعیؒ

پاک تن پاک جان و پاک نہاد　　　سرورِ اولیاء کمیل زیادؒ

(۱)

"متاخرین صوفیہ" میں ایک اصطلاح "چار پیر" مروج ہے۔ اس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہ چار اجل خلفاء ہیں جنہوں نے آپ سے خرقۂ خلافت پایا۔ اور جن سے باطنی و روحانی ہدایت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ان چار بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت سیدنا امام حسنؓ۔
حضرت سیدنا امام حسینؓ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ
حضرت خواجہ کمیل بن زیادؒ

تعجب ہے کہ حضرت کمیلؒ نے تاریخ اسلام میں بہت کم شہرت پائی۔ حالانکہ وہ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے بلند مرتبت صحابہؓ کے واسطے سے کئی

احادیث کے راوی ہیں۔ وہ شیر خدا حضرت علی المرتضٰی کے خاص الخاص رفیق اور شاگرد تھے۔ ان کے نام حیدر کرار رضؓ کے کئی خطوط "نہج البلاغۃ" میں موجود ہیں۔ شیر خدا ان کو بے حد عزیز جانتے تھے۔ علامہ سید مرتضٰی زبیدی صاحب "اتحاف المتقین" حضرت کمیلؒ کی نسبت لکھتے ہیں۔

"حضرت کمیل بن زیاد النخعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشہور رفقاء میں سے ہیں اور جلیل القدر طبقہ زہاد میں سے ایک تھے (یعنی بے حد عابد و زاہد اور متقی تھے) اور سادات صوفیہ خرقہ پوشی کی سند ان سے لیتے ہیں"۔

(اتحاف المتقین شرح احیاء العلوم جلد اول)

(۲)

حضرت کمیلؒ کوفہ کے ایک نواحی گاؤں میں عہد رسالت میں پیدا ہوئے وہ اگرچہ کم سنی کی وجہ سے سرور کائناتؐ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے تاہم وصال نبوی کے بعد وہ اکابر صحابہ بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت سے خوب خوب مستفیض ہوئے۔

وہ اپنے قبیلہ نخع کے رئیس تھے۔ لیکن نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں وقتاً فوقتاً جن حقائق و معارف کی تلقین فرمائی ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

"اے کمیل۔ علم مال سے بدرجہا بہتر ہے۔ مال کی تجھے خود حفاظت

کرنی پڑتی ہے اور علم خود تیری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

اے کمیل لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علمائے حق کا طبقہ۔ دوم طالبان علم اور سالکان راہ حق کا طبقہ۔ سوم عوام کالانعام کا طبقہ۔ اس تیسرے طبقہ کے لوگ ہی گمراہی کی دلدل میں پھنستے ہیں۔ وہ نور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔ اور حق و ناحق کی تمیز نہیں کر سکتے۔ ہوا کا ہر ایک جھونکا انہیں ادھر سے ادھر جھکا دیتا ہے اور وہ صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔

اے کمیل دولت جمع کرنے والے مر گئے۔ اور بہتیرے زندگی ہی میں دولت جمع کرتے کرتے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن علمائے حق کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔

اے کمیل! خدا کی زمین ان اولیاء سے کبھی خالی نہیں ہوتی جو حق تعالےٰ کی حجت اس کے بندوں پر قائم رکھتے ہیں۔ بے شک ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن حق تعالےٰ کے نزدیک وہ بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ خلق خدا کو خیر اور حق کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ ان باتوں سے شغف رکھتے ہیں جن سے جہلاء کو وحشت ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں لیکن ان کا دل ملاء اعلیٰ کی سیر میں مشغول ہوتا ہے۔ وہی لوگ زمین پر خدا کے سچے خلفاء اور لوگوں کو دین برحق کی طرف بلانے والے ہیں۔ وہ لوگ خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ ہر حال میں کسی نہ کسی رنگ میں ہدایت و اصلاح میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳)

حضرت کمیل رح نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہر معرکہ میں نہایت پرجوش طریقہ سے حق رفاقت ادا کیا۔ جنگ صفین میں وہ فوج مرتضوی کے نامور بہادروں میں سے ایک تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رض کے عہد خلافت میں وہ عراق کے بعض قصبات کے امیر بھی رہے۔

حضرت کمیل رح نے طویل عمر پائی اور ضعیف العمری کے عالم میں حجاج بن یوسف ثقفی کی تیغ جفا کا نشانہ ہوئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ اس طرح ہے کہ ۸۳ھ میں حجاج کوفہ آیا اور بنو امیہ کے مخالفین کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ حضرت کمیل اگرچہ ضعیف العمری کے باعث گوشہ نشین ہو گئے تھے لیکن حجاج نے ان کی گرفتاری کا حکم بھی جاری کر دیا۔ ہیثم بن الاسود نے حجاج کے پاس سفارش کی کہ کمیل تو ایک ضعیف العمر آدمی ہیں اور اپنے گھر سے باہر نکلنے کے قابل بھی نہیں۔ لیکن حجاج ان کی گرفتاری پر مصر رہا۔ حضرت کمیل کے قبیلہ نخع کو حضرت کمیل کی گرفتاری گوارا نہ ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت کمیل کو کہیں چھپا دیا۔ جب وہ کئی دن تک گرفتار نہ ہو سکے تو حجاج بڑا برہم ہوا۔ اس نے ان کے قبیلہ کی تمام آمدنی اور وظائف بند کر دیئے۔ حضرت کمیل رح کو خبر ہوئی تو فرمایا "میں ایک بڈھا آدمی ہوں آج نہ مرا کل مر جاؤں گا مجھے یہ گوارا نہیں کہ میری قوم محض میری وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو"۔

یہ کہا اور سیدھے حجاج کے پاس جا پہنچے۔ حجاج سخت کلامی سے پیش آیا۔ حضرت کمیلؒ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اسے ظلم و ستم سے باز رہنے اور اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کی پھر فرمایا۔

"اے حجاج میں اب عمر کے آخری حصے میں ہوں جو تیرا جی چاہے میرے ساتھ کر گذر۔ میرا اور تیرا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ میدان حشر میں معلوم ہو جائے گا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم۔

حجاج جو کچھ تو میرے ساتھ کرنا چاہتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ حضرت امیرالمؤمنین سیدنا علی المرتضیٰؓ نے مجھے شہادت کی خبر بہت پہلے دے رکھی ہے"۔

حجاج غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا۔ "ہاں میں تجھے ضرور قتل کردوں گا۔ تو حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مخالفوں میں سے ہے"۔ چنانچہ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس بڈھے کو فوراً قتل کردو۔

حضرت کمیلؒ نے مردانہ وار آگے بڑھ کر اپنا سر جھکا دیا۔ اور جلاد کی خون آشام تلوار کے ایک ہی وار سے منعم حقیقی سے جا ملے۔

خواجہ اویس قرنی رح

(۱)

خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رح تاریخ اسلام کی ایک پر اسرار شخصیت ہیں۔ ایک طرف تو بعض اکابر امت ان کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف ان کے فضائل و مناقب سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن اصحاب نے ان کے وجود سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں امام مالک رح۔ امام بخاری رح۔ عمرو بن مرۃ رح ابو اسحٰق سبیعی رح اور سمعانی رح قابل ذکر ہیں۔ لیکن اس کے برعکس محدثین رح اور مشائخ و علماء کا ایک کثیر طبقہ خواجہ اویس قرنی رح کے وجود کا دل سے قائل ہے اور انہوں نے آپ کے وجود کے حق میں ناقابل تردید دلائل پیش کئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ان کے مستقل فضائل ملتے ہیں اور مسند احمد بن حنبل رح۔ مسند ابو یعلیٰ۔ دلائل بیہقی۔ مستدرک حاکم۔ تہذیب التہذیب اسد الغابہ۔ طبقات ابن سعد اور اصابہ وغیرہ میں خواجہ اویس قرنی کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان کے پیش نظر آپ کے وجود میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ خواجہ اویس قرنی رح کو مستور الحال رہنا پسند تھا۔ تمام عمر انہوں نے

نمود و نمائش سے احتراز کیا۔ اس لئے اگر بعض اکابر امت ان کے وجود سے لاعلم رہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اویس قرنی نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی خواجہ اویس قرنی طبقہ مشائخ اور گروہ محدثین میں شہرہ آفاق ہیں۔ بے شمار مستند اور متواتر روایتوں کی موجودگی ہیں ان کے وجود سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ ان کی شخصیت کو تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا سوال جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خواجہ اویس قرنی صحابی تھے یا تابعی۔ امام عبدالوہاب شعرانی کا بیان ہے کہ آپ صحابی تھے اور غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ دوسرے تمام مشائخ کبار اور علمائے امت بالاتفاق آپ کو تابعی تسلیم کرتے ہیں۔ بلاشبہ خواجہ اویس قرنیؒ سرورِ کونینؐ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے۔ اسلام کے نام لیوا اور حضورؐ کے عاشق صادق تھے۔ لیکن بوجوہ بارگاہ نبوت میں حاضر نہ ہو سکے۔ اور اس طرح شرفِ صحابیت سے محروم رہے تاہم تابعین میں ان کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ آقائے دو جہاںؐ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے ان کو "خیر التابعین" کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے بڑھ کر خواجہ اویس قرنیؒ کے تابعی ہونے کی کوئی اور شہادت نہیں ہو سکتی۔

(۳)

بیہقی اور ابو نعیم وغیرہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یاتی علیک اویس کان به مرض فبرء منه الاموضع

ددھم لہ والدۃ ھو بہا برّ لو اقسم علی اللہ لابرہ فان استطعت ان یستغفر لک فافعل۔

یعنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر یمن کی طرف سے ایک شخص آئے گا جس کا نام اویس ہوگا۔ اس کے جسم پر برص (پھلبہری) کے داغ تھے۔ مگر اب مٹ چکے ہیں فقط ایک داغ درہم کے برابر ہوگا۔ اس کی ماں بھی ہے جس کا وہ بے حد خدمت گذار ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالی کی قسم کھاتا ہے تو اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔ اے عمر اگر تمہیں موقع ملے کہ اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت چاہو تو ضرور ایسا کرنا"۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی خواجہ اویس قرنیؒ کی نسبت بشارت دی۔ بعض دوسری روایات میں حضورؐ سے یہ الفاظ بھی منسوب کئے گئے ہیں کہ اویس تابعین میں سب سے بہتر شخص ہوگا۔ گویا خیر التابعین ہوگا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے یمن کی طرف سے بوئے نعمت آتی ہے۔ مولانا رومؒ اور امام غزالیؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کا اشارہ خواجہ اویس قرنیؒ کی طرف تھا جس مبارک ہستی کی بشارت خود سید البشر خیر الرسلؐ دیں اس کے علوئے مرتبت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امام یافعیؒ خواجہ اویس قرنیؒ کی جلالت شان کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

تہیر یمانی ذوالمجد والعلی　　لنا فیہ عالی الفخر عند التفاخر

"یعنی وہ اویس ؒ یمنی کے نام سے مشہور ہیں جن کی عظمت اور جلالتِ شان کا سکہ ہمارے دلوں پہ بیٹھا ہوا ہے اور فخر کرنے کے لیئے ان کی ذات بڑی قابلِ فخر ہے"۔

مشائخ کبارؒ نے خواجہ اویس قرنی کو سہیل یمنی۔ نفس رحمان۔ سادات التابعین۔ افضل التابعین۔ قبلۂ تابعین اور قدوۃ اربعین وغیرہ کے معزز القاب سے یاد کیا ہے۔

۳

حضرت اویس قرنیؒ نواح یمن میں پیدا ہوئے۔ بعض روایتوں میں ان کی جائے پیدائش کا نام "قرن" لکھا ہے۔ جو نواح یمن میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ لیکن کچھ دوسری روایتوں کے مطابق حضرت اویس جس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اس کا نام "مراد" تھا۔ تاہم اسے "قرن" بھی کہتے تھے اور اسی نسبت سے حضرت اویسؒ کو قرنی کہا جاتا ہے۔ "قرن" اور "مراد" دونوں حضرت اویسؒ کے اجداد سے تھے۔ علمائے انساب نے حضرت اویسؒ کا سلسلۂ نسب دو طریقوں سے لکھا ہے۔

(۱) اویس بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن مسعدہ بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد المرادی القرنی۔

(۲) اویس بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن ردمان بن ناجیہ بن مراد بن مالک مذحج بن زید (یا اود) الخ

یہ خاندان یعرب بن قحطان تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ قحطانی النسل عربوں کو "عرب العاربہ" یا بحیثیت عرب کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت اویس رح ایک بحیثیت عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قبیلہ مراد نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا اور دین سلیمانی کا پیرو ہو گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت سلیمان ؑ بھی دین اسلام کے داعی تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اویس قرنی ایک مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے۔ باقی رہا یہ سوال کہ وہ خاتم النبیین جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر کب ایمان لائے تو اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں اس کا صحیح زمانہ متعین کرنا ممکن نہیں۔ تاہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور فیض و برکت کا غلغلہ بلند ہوا تو عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح یمن کے لوگ بھی حضور کے اسم گرامی سے آگاہ ہو گئے۔

حضرت اویس قرنی رح کو اللہ تعالیٰ نے طبع سلیم اور فطرت صالح عطا کی تھی۔ ان کے کان جب رحمۃ للعالمین کے ذکر پاک سے آشنا ہوئے تو ان کے دل نے گواہی دی کہ حضور خدا کے سچے رسول ہیں۔ گویا ان کو غائبانہ تصدیق قلبی حاصل ہو گئی۔ اور بات صرف تصدیق اور ایمان بالرسالت تک ختم نہ ہو گئی۔ بلکہ ان کو سرور کونین سے والہانہ عشق ہو گیا۔ ایسا عشق کہ جس نے ان کو حیات جاوداں بخش دی سہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت اویس قرنیؒ نے اپنے آپ کو فنا فی الرسول کر دیا۔ ہر وقت سرورِ کائناتؐ کے احوال کی جستجو کرتے رہتے۔ اور قدم بقدم حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی سعی کرتے۔ زہد و قناعت۔ عبادت و ریاضت اور اتباعِ رسولؐ کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی کہ آج تک صلحائے امت کے لئے باعثِ رشک ہے۔ یہاں ایک قاری کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ اویس قرنیؒ سرورِ کونینؐ کی خدمت اقدس میں کیوں حاضر نہ ہوئے۔ حالانکہ وہ حضورؐ کے عاشق صادق تھے۔ اور عہدِ رسالت میں موجود تھے۔ مختلف روایتوں کے مطابق اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ خواجہ اویس کی والدہ ضعیف العمر، نابینا اور چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ حضرت اویسؓ ہر وقت ان کی خدمت گذاری میں مصروف رہتے تھے اور ان کو تنہا چھوڑ کر کسی لمبے سفر پر نہیں جا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقتِ محمدیہؐ کا باطنی آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا تھا۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خواجہ اویس قرنیؒ ایک دفعہ حضورؐ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ آئے۔ لیکن حضورؐ خانۂ اقدس سے باہر تھے۔ حضرت اویسؓ نے والدہ کی ہدایت کے مطابق انتظار نہ کیا اور فوراً ہی واپس چلے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والدہ کی وفات کے بعد حضرت اویس قرنیؒ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اس وقت سرورِ کائناتؐ کا وصال ہو چکا تھا۔ مکہ معظمہ میں وہ اجلّ صحابہؓ کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور حج بیت اللہ کے بعد کوفہ یا اس

کے نواح میں سکونت پذیر ہو گئے۔

(۴)

حضرت خواجہ اویس قرنی رح کی زندگی عجیب شان کی تھی۔ اونٹ کے بالوں کا ایک کمبل اور ایک پاجامہ ان کا لباس ہوتا تھا۔ اور علائق دنیوی سے یکسر بے نیاز تھے۔ کبھی کبھار اللہ کا کوئی نیک بندہ جسم کی عریانی ڈھانپنے کے لئے چادر اوڑھا دیتا تھا۔ ہر وقت حالت وارفتگی و شوریدگی طاری رہتی تھی۔ لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے تھے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ بچے دیوانہ سمجھ کر پتھر مارتے تھے۔ آپ فرماتے چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میرے جسم سے خون نہ بہہ نکلے۔ اس سے میرا وضو جاتا رہے گا۔ وارفتگی اور شوریدگی کے باوجود غیرت اور خودداری کی یہ کیفیت تھی کہ کسی پر اپنا بوجھ ڈالنا گوارا نہ تھا۔ اپنے قبیلہ کے اونٹ چرا کر یا کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد کوئی چیز بچتی تو اسے راہ خدا میں صدقہ کر دیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ لباس اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے جس مکان میں رہتے تھے وہ نہایت بوسیدہ اور خستہ حال تھا۔ عبادت و ریاضت سے شغف کا یہ عالم تھا کہ ساری ساری رات بیدار رہ کر یاد الٰہی میں مصروف رہتے۔ اکثر سارا دن بھی عبادت میں گذر جاتا۔ فرمایا کرتے تھے کاش ازل سے ابد تک ایک ہی طویل رات ہوتی اور میں ایک ہی رکوع اور ایک ہی سجدے میں رات گذار دیتا۔ روزے نہایت کثرت سے رکھتے تھے بعض اوقات تین دن کا فاقہ آجاتا تھا۔ نام و نمود اور شہرت

سے سخت اجتناب تھا۔ چونکہ دنیا سے دل برداشتہ تھے اس لئے لوگوں سے ملنے جلنے سے بہت گھبراتے تھے۔ مستورالحالی کے باوجود ان کے کمالات روحانی ایسے نہیں تھے جو لوگوں سے مخفی رہ سکیں۔ اہل دل ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو کر ملاقات کے خواہاں ہوتے۔ آپ فرماتے کہ میں ایک ضعیف انسان ہوں آپ لوگ کیوں میرے پیچھے آتے ہیں۔ اگر کسی کو مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشا کی نماز کے بعد مجھ سے مل لیا کرے۔ باوجود عزلت گزینی کے وہ اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رہتے تھے۔ لوگوں کو برے کاموں سے روکتے اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کی تلقین کرتے تھے۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی نے کئی لوگوں کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ لیکن وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ان لوگوں کی دشمنی مجھ کو حق گوئی سے کبھی نہیں روک سکتی۔

حضرت اویس نے اکابر صحابہؓ سے سرورِ کونینؐ کی احادیث سنی تھیں۔ لیکن ان کو محدث اور عالم مشہور ہونا پسند نہیں تھا۔ اس لئے کسی حدیث کی روایت کرنے سے ہمیشہ محترز رہے۔

سرورِ کونینؐ نے "نفس امارہ" کے خلاف لڑائی کو "جہادِ اکبر" قرار دیا ہے۔ خواجہ اویس قرنیؒ اس جہادِ اکبر میں تو ساری عمر مصروف رہے لیکن اس کے علاوہ راہ حق میں وہ جہاد بالسیف کے ثواب عظیم سے بھی محروم نہیں رہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آذربائیجان پر جب اسلامی لشکر حملہ آور ہوا تو مجاہدین میں حضرت اویس قرنیؒ بھی شامل تھے۔ اسی طرح ایک دفعہ امیرالمومنین عمر فاروقؓ کی دعوت پر جب یمن کی ایک جماعت جہاد میں شرکت کے لئے مدینہ منورہ گئی تو اس جماعت میں حضرت اویس قرنیؒ بھی شامل تھے اسی موقع پر حضرت عمر فاروقؓ سے ان کی ملاقات

ہوئی۔

(۵)

حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملاقات حضرت اویسؓ قرنی کی زندگی کا اہم واقعہ ہے کتب سیر و تاریخ میں اس ملاقات کا حال مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سرور دو عالم ؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے ایک موقع پر حضرت اویس قرنی کی کچھ نشانیاں بیان فرمائی تھیں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ ہمیشہ حضرت اویس قرنی رضؓ کی جستجو میں رہتے تھے۔ آپ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ یمن سے مجاہدین کی ایک جماعت مدینہ منورہ پہنچی کہ مرکز خلافت سے ہدایات لے کر ان افواج اسلام میں شامل ہو جائیں جو عراق عجم، ایران، شام وغیرہ میں مصروف جہاد تھیں۔ امیر المومنین کو یمنی مجاہدین کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اویسؓ کا پتہ پوچھنے لگے۔ لوگوں نے بتایا تو آپ سیدھے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور پوچھا کیا تم اویس بن عامر ہو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو دریافت کیا "کیا تمہاری والدہ ہیں" حضرت اویسؓ نے کہا "ہاں"۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اویسؓ کی نسبت سنا تھا بیان کیا۔ سب نشانیاں ان میں موجود تھیں۔ پھر حضرت عمر فاروق ان سے دعائے مغفرت کے طالب ہوئے۔ حضرت اویسؓ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ پھر امیر المؤمنین نے ان سے پوچھا۔ کہ "اس کے بعد آپ کا ارادہ کہاں قیام کرنے کا ہے" حضرت اویسؓ نے جواب دیا کہ "کوفہ جاؤں گا"۔ امیر المومنین رضؓ نے فرمایا

"میں چاہتا ہوں کہ کوفہ کے حاکم کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دوں تاکہ وہ آپ کے حسب مرتبہ سلوک کرے"۔ حضرت اویسؓ نے جواب دیا "نہیں نہیں میں جس حال میں ہوں اسی میں رہنا پسند کرتا ہوں خواص کی بجائے عوام ہی میرے ساتھی ہیں اور میں انہیں میں رہنا چاہتا ہوں"۔

دوسرے سال حج کے موقع پر کوفہ کا ایک معزز شخص مکہ معظمہ آیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے اس سے خواجہ اویسؒ قرنی کا حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ "وہ ایک بوسیدہ اور خستہ حال مکان میں رہتے ہیں۔ اور نہایت عسرت کی حالت میں زندگی گذارتے ہیں"

حضرت عمرؓ فاروق رضؓ نے اس شخص کو حضرت اویسؒ کی رفعت شان سے آگاہ کیا۔ اور ان کی نسبت رسول اکرمؐ کے ارشادات سنائے۔

وہ کوفہ جا کر حضرت اویسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حق میں دعا کا خواستگار ہوا۔ حضرت اویسؓ نے فرمایا "تم حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر واپس آئے ہو اس لئے مجھے تمہاری دعا کی ضرورت ہے"۔

پھر پوچھا "کیا تمہاری امیر المؤمنین عمر فاروق رضؓ سے ملاقات ہوئی تھی"۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت اویسؒ نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کی۔

(۶)

حضرت ہرم بن حیان عبدی رحؒ ایک مشہور تابعی گذرے ہیں۔ علماء و مشائخ

نے ان کو بزرگان طریقت میں شمار کیا ہے۔ نہایت عابد و زاہد تھے۔ مدتوں صحابہ کرام رض کا فیض صحبت اٹھایا۔ اور زمرۂ اولیاء میں شمار ہوئے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رض نے ان سے روایت بھی کی ہے۔ حضرت ہرم رح خواجہ اویس رح کے ہم مشرب تھے۔ علامہ ابن سعد، شیخ فریدالدین عطار رح اور امام غزالی رح نے خواجہ اویس قرنی رح سے ان کی ملاقات کا حال لکھا ہے۔ اسے پڑھ کر خواجہ اویس رح کے مقام بلند کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جن دنوں حضرت اویس رح قرنی کوفہ میں مقیم تھے۔ حضرت ہرم بن حیان رح نے ان کے حالات سنے تو دل میں ملاقات کی آرزو پیدا ہوئی۔ پیدا ہوئے کوفہ پہنچے۔ لوگوں سے حضرت اویس رح کا پتہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ دریائے فرات کے کنارے کہیں ملیں گے ہرم رح وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت اویس رح لب دریا وضو کر رہے ہیں۔ جسم نہایت نحیف و نزار تھا اور پیشانی نور ایمان سے چمک رہی تھی۔ حضرت ہرم رح کا بیان ہے کہ میں نے اویس رح کو سلام کیا۔ اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت اویس رح نے سلام کا جواب تو دیا لیکن مصافحہ کرنے کی بجائے فرمایا "خدا تم کو زندہ رکھے"۔ ان کی ضعیفی اور نقاہت دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا۔ حضرت اویس رح پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اویس رح نے فرمایا "ہرم بن حیان خدا تم پر رحم کرے۔ میرے بھائی تمہارا کیا حال ہے۔ تم نے میرا پتہ کیسے معلوم کیا"۔ میں نے کہا امیرالمومنین عمر فاروق رض نے بتایا[1]۔ لیکن اے اویس آپ کو میرا اور میرے باپ کا نام کیسے معلوم

---

[1] یہ روایت تذکرۃ الاولیاء اور احیاء العلوم کی ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت ہرم نے فرمایا "خدا لئے" اس پر حضرت اویس رض نے فرمایا "لا الہ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا حیاں سماں"۔۱۲

ہوا۔ حالانکہ اس سے پہلے ہم کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے"۔

حضرت اویسؒ نے جواب دیا "نبانی العلیم الخبیر (خدائے علیم و خبیر نے مجھے یہ بتایا) مومن خواہ ایک دوسرے کو نہ پہچانتے ہوں لیکن ان کی روحیں ایکدوسرے کو پہچان لیتی ہیں"۔

میں نے درخواست کی کہ اے اویس مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنایئے۔ حضرت اویسؒ نے فرمایا "افسوس کہ آقائے دو جہاں کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت سے میں محروم رہا حضورؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے میں نے بیشک حدیثیں سنی ہیں لیکن اس طرح تم نے بھی سنی ہیں۔ میں محدث اور راوی بننا پسند نہیں کرتا مجھے اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں"

پھر میں نے عرض کیا کہ اپنی زبان مبارک سے مجھے کلام الٰہی سنایئے۔ یہ سن کر میرا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور "اعوذ باللہ السمیع العلیم۔ من الشیطان الرجیم" پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہے اس کا قول سب سے حق اور سب سے سچا ہے۔ اور اس کا کلام سب سے اچھا کلام ہے۔ پھر ماخلقنا السمٰوٰت والارض سے ھو العزیز الرحیم تک تلاوت کی اور شدت گریہ سے بیہوش سے ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا "اے ہرم بن حیان تیرا باپ مر گیا۔ اب قریب ہے کہ تم بھی مر جاؤ گے معلوم نہیں دوزخ میں جانا ہے یا جنت میں۔ جب تمام انبیاء اور صلحا کو سفر آخرت اختیار کرنا پڑا تو ہمارا تمہارا شمار بھی مردوں ہی میں ہے۔ پھر انہوں نے زور سے "واعمراہ" کا نعرہ لگایا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی میں نے کہا "اے اویس حضرت

عمر فاروق تو ابھی زندہ ہیں"۔ فرمایا "خدائے علیم و خبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔"

اس کے بعد حضرت اویسؒ نے درود شریف پڑھا اور کچھ دعائیں پڑھ کر فرمایا "اے ہرم میری وصیت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور اہل اللہ کی موافقت کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود و سلام بھیجتے رہنا کسی حالت میں بھی موت کو فراموش نہ کرنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی غافل نہ ہونا۔ خبردار جماعت اور سنت کی موافقت کبھی ترک نہ کرنا۔ ورنہ قیامت کے دن آتش دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے میرے لئے دعا کی اور فرمایا کہ اب جاؤ اور میرے لئے دعا کرتے رہنا۔ میں بھی تمہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ آئندہ نہ میں تجھے دیکھوں گا نہ تم مجھے دیکھ سکو گے۔ اب مجھ سے ملنے کی کوشش کبھی نہ کرنا۔"

ہرمؒ کہتے ہیں کہ پھر حضرت اویسؒ مجھ سے روتے ہوئے جدا ہو گئے اور پھر میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔

(۷)

حضرت اویسؒ قرنی کب اور کیسے فوت ہوئے اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑ کر شہادت پائی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے معرکہ

آذربائیجان میں جام شہادت پیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت اویس قرنی رح نے اسہال کے عارضہ سے وفات پائی۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)۔

دنیا میں سات مختلف مقامات پر آپ کا مزار بیان کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ حقیقی مزار کونسا ہے۔

آپ کا حلیہ مختلف کتابوں میں دو طرح سے مذکور ہے

(ا) فربہ اندام۔ گندمی رنگ۔ گھنی داڑھی اور بدن بالوں سے ڈھکا ہوا

(ب) لاغر بدن۔ گندمی رنگ۔ میانہ قد۔ گھنی داڑھی۔ سینہ عریض۔ آنکھیں سیاہ نیلگوں۔ چہرہ سے ہیبت ٹپکتی تھی۔

(۸)

دنیائے تصوف و روحانیت میں حضرت خواجہ اویس قرنی رح کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ اور صوفیائے کرام کے بہت سے سلسلے حضرت اویس رح تک منتہی ہوتے ہیں۔ بعض مشائخ کی رائے ہے کہ تمام سلاسل طریقت کا کسی نہ کسی صورت میں حضرت اویس رح سے ضرور تعلق ہے۔ لیکن ایک اور طبقۂ فکر کی رائے میں خواجہ اویس رح قرنی کا سلسلہ دوسرے تمام سلاسل سے الگ ہے اور اسے سلسلۂ اویسیہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں اویسی عام طور پر اس شخص کو کہتے ہیں جو اتباع رسول کی بدولت براہ راست بارگاہ خداوندی سے فیضیاب ہوا ہو یا کسی ایسے مرشد کامل سے فیضیاب ہوا ہو جسے درمیانی واسطوں کے بغیر ہی ولایت مل گئی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کے قول کے مطابق سلسلۂ اویسیہ کے

سات بنیادی اصول ہیں یعنے
(۱) اتباع رسول (۲) دنیا میں رہ کر دنیا میں دل نہ لگانا (۳) مطلب کے بغیر اور حق کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالنا (۴) یاد الٰہی سے کسی وقت غافل نہ ہونا (۵) ہر وقت خداوند کریم کو حاضر و ناظر جاننا (۶) ہر حال میں راضی برضا رہنا۔ صبر و قناعت اختیار کرنا اور غصہ کو پی جانا۔ (۷) مخلوق خدا کی عیب جوئی اور عیب چینی سے پرہیز کرنا۔

حضرت اویس قرنی رح سے کئی دعائیں اور نمازیں بھی منسوب ہیں۔ ان کی تفصیل کتب تصوف میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۹)

حضرت خواجہ اویس قرنی رح کے ملفوظات طیبات سے کچھ بطور تبرک نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) "طلبت النسب فوجدت فی التقوی"۔
(میں نے نسب چاہا تو وہ تقویٰ میں پایا"۔ یعنے انسان کی بڑائی اس کے حسب و نسب میں نہیں ہے بلکہ تقویٰ (پرہیزگاری) میں ہے۔

(۲) "طلبت الشرف فوجدت فی القناعۃ"۔
(یعنی میں نے (آخرت کی) بزرگی چاہی تو وہ قناعت میں پائی)

(۳) طلبت الفخر فوجدت فی الفقر۔
(میں نے فخر کو چاہا تو وہ مجھے فقر میں ملا۔

(۴) طلبت المروۃ فوجدت فی الصدق
(میں نے مروت طلب کی تو وہ مجھے صدق میں ملی۔)
(۵) طلبت الریاسۃ فوجدت فی نصیحۃ الخلق
(میں نے (آخرت کی) سرداری طلب کی تو وہ مجھے خلق خدا کو نصیحت کرنے میں ملی۔
(۶) جس شخص کو ان تین باتوں سے محبت ہو وہ ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔
(۱) اچھا کھانا
(۲) اچھا پہننا
(۳) امیروں کی صحبت میں بیٹھنا۔
(۷) جن لوگوں کے دلوں میں شک ہوتا ہے۔ وہ قبول حق سے محروم رہتے ہیں۔
(۸) جو شخص اللہ تعالےٰ کو پہچان لیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھتا۔
(۹) اپنے آپ کو عبادت الٰہی کے لئے وقف کر دو لیکن جب تک عبادت پر یقین نہیں ہو گا۔ عبادت قبول نہ ہو گی۔
(۱۰) لوگوں کے لئے غائبانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے کیونکہ اس سے ریا کے پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔
(۱۱) ہر وقت خدا کے کاموں میں ایسے لگے رہو۔ گویا تم نے تمام

مخلوقات کو قتل کر دیا ہے۔ یعنی دنیا سے بے تعلق ہوئے بغیر تقویٰ اور پرہیزگاری میں کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ

(۱)

حضرت ابوعبداللہ سعید بن جبیر والبیؒ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی بلند مرتبہ شخصیتوں کے فیضانِ علم سے پورا پورا استفادہ کیا تھا۔ اور علم و فضل کا بحرِ ذخار بن گئے تھے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں انہیں درجۂ کمال حاصل ہو گیا تھا۔ ان کے علم و فضل سے ایک دنیا فیض اٹھاتی تھی۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور بے دھڑک حق بات اس کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔ بے حد عابد و زاہد تھے۔ خشیتِ الٰہی اور سوز و گداز کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت آنکھیں اشکبار رہتی تھیں کبھی دوسرے ایک ایک رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے ورنہ عام طور پر دو رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے لوگوں کی غیبت، بدگوئی اور غیبت سے سخت پرہیز کرتے۔ ان کی زبان پر ہر وقت یہ دعا جاری رہتی۔

اللھم انی اسالك صدق التوکل علیك وحسن الظن بك۔

(الٰہی میں تو اس چیز کا طالب ہوں کہ تجھ پر سچا توکل اور حسن ظن حاصل ہو)
کسی نے پوچھا سب سے بڑا عابد کون ہے فرمایا جس نے گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کر لی اور پھر یہ خیال کیا کہ میری سب نیکیاں میرے گناہوں کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں۔
اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتے تھے اور محض نماز روزہ اور ذکر و شغل کو اسلام نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ذکر یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی اطاعت کرے جس نے اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کی وہ خواہ کتنی ہی عبادت کرے اسے اللہ کی یاد رکھنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ کی یاد تو یہ ہے کہ اس کا خوف گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ چھوڑے۔
ایک دفعہ آیت یا عبادی الذین امنوا ان ارضی واسعۃ (اے ایمان والو میری زمین بہت وسیع اور فراخ ہے) کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ جب کسی جگہ گناہوں کی کثرت ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ۔
نماز پڑھتے وقت وہ سورہ بقرہ کی اس آیت کو بار بار دہرایا کرتے تھے اور خوف خدا سے کانپا کرتے تھے۔

واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ

(اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سعید بن جبیرؓ کے فتووں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفے سے کوئی شخص ان سے فتویٰ لینے یا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو معاً اس سے یہ سوال کرتے

"کیا تمہارے شہر میں سعید بن جبیرؒ نہیں ہے"۔؟

(۲)

ایک دفعہ حضرت سعید بن جبیرؒ کے علم وفضل کے اعتراف میں حجاج بن یوسف ثقفی نے انہیں جامع کوفہ کا امام اور کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ جب کوفہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا قاضی کوئی عربی النسل شخص ہونا چاہیئے۔ تو حجاج نے انہیں منصب قضا سے ہٹا دیا۔ سعید بن جبیرؒ نے خلق خدا کو فیض پہنچانے کی غرض سے عہدۂ امامت وقضا قبول کر لیا تھا۔ ورنہ وہ حجاج بن یوسف کے مظالم کی وجہ سے اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ حجاج نے ہزارہا بندگان خدا کا خون ناحق بہایا تھا۔ بیت اللہ پر سنگباری کر کے اس کی بے حرمتی کی تھی۔ حواریٔ رسول زبیرؓ کے جلیل القدر فرزند اور صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ (بن زبیرؓ) کو شہید کیا تھا اور ذات النطاقین اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ کی توہین کی تھی۔ وہ رسول کریمؐ کی اس پیشگوئی کا مصداق تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ حضرت اسماءؓ کے قول کے مطابق کذاب مختار ثقفی تھا اور ظالم حجاج ثقفی۔ سعید بن جبیرؒ حجاج کی سفاکیوں اور بداعمالیوں سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ جب اس کے ایک جرنیل ابن اشعث نے حجاج اور بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ابن جبیرؒ کھلم کھلا ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے انہوں نے فتویٰ دیدیا کہ

"بنی امیہ کی ظالمانہ حکومت ان کی بدینی اور احکام شرع سے روگردانی کے خلاف جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے"۔

(۳۳)

ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کی بے پناہ عسکری طاقت نے ابن اشعث کو شکست دی۔ اور وہ سیستان بھاگ گیا۔

سعید بن جبیرؓ مکہ چلے گئے۔ وہاں بنی امیہ کی طرف سے خالد بن عبداللہ قسری حاکم تھا۔ اس نے سعید بن جبیرؓ کو پکڑ کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔

حجاج انہیں دیکھتے ہی شعلہ جوالہ بن گیا۔ اس کی جفا جو اور خون آشام طبیعت کو ایک ضیافت ہاتھ آگئی۔ سعید بن جبیرؓ اور اس کے درمیان اس موقع پر جو گفتگو ہوئی تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

حجاج۔ (طنزاً) تمہارا نام کیا ہے؟

سعیدؓ۔ سعید بن جبیر

حجاج۔ انت لشقی بن کثیر (تم شقی بن کسیر ہو)

سعیدؓ۔ میری ماں میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج۔ شقیت امک و شقیت انت (تم بھی بدبخت ہو اور تمہاری والدہ بھی بدبخت)

سعیدؓ۔ غیب کا علم تیرے پاس نہیں ہے کسی دوسری ذات کے پاس ہے

حجاج۔ میں تم کو دنیا کے بدلے بھڑکتی ہوئی آگ کے سپرد کر دوں گا۔

سعیدؓ۔ اگر میں یہ جانتا کہ ایسا کرنا تیرے اختیار میں ہے تو تجھے عبادت کے لائق سمجھتا۔

حجاج - آنحضرت صلعم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔

سعید - آپؐ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ ہمارے ہادی و رہبر تھے اور رحمۃ للعالمین تھے۔

حجاج - علیؓ اور عثمانؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے

سعید - علی رضؓ نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ رسول کریمؐ کے چچا زاد بھائی۔ سیدۃ النساء کے سرتاج اور حسنینؓ کے باپ تھے عثمانؓ داماد رسول تھے۔ ذوالنورین تھے۔ اپنا گھربار راہ خدا میں لٹایا۔ ان کو ناحق قتل کیا گیا۔

حجاج - خلفاء کی نسبت تمہارا کیا قول ہے۔

سعید - لست علیہم بوکیل (میں ان کا وکیل نہیں ہوں)

حجاج - ان میں کون سب سے بہتر تھا۔

سعید - ارضاھم لخالقی (جو میرے خالق کی رضا کا سب سے زیادہ پابند تھا۔

حجاج - خالق کی رضا کا کون سب سے زیادہ پابند تھا۔

سعید - علم ذالک عند الذی یعلم سرھم ونجواھم۔ اس کا اس ذات کو علم ہے جو ان کے بھیدوں اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔

حجاج - عبدالملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے

سعید - اس کے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے

حجاج۔ میرے متعلق کیا کہتے ہو۔

سعید۔ تمہارا قول و فعل کتاب الہٰی کے خلاف ہے۔ تم اپنا رعب اور دبدبہ قائم رکھنے کے لئے سفاکیاں کرتے ہو یہ کام تمہیں برباد کر رہے ہیں کل داور محشر کے سامنے حاضر ہو گے تو قدر عاقبت معلوم ہو جائیگی

حجاج۔ تم پر ہلاکت ہو۔

سعید۔ ہلاکت اس شخص پر ہے جس کو جنت سے الگ کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حجاج۔ تم ہنستے کیوں نہیں

سعید۔ تمام دل ایک سے نہیں ہوتے

حجاج۔ کیا میں نے تمہیں کوفہ کا امام اور قاضی نہیں بنایا تھا۔

سعید۔ بے شک بنایا تھا۔

حجاج۔ کیا میں نے تمہیں ایک لاکھ کی رقم خیرات کرنے کے لئے نہیں دی تھی

سعید۔ بے شک دی تھی۔

حجاج۔ تو پھر تم میری مخالفت پر کیوں کمربستہ ہوئے۔

سعید۔ تمہارے مظالم اور بداعمالیوں نے مجھے اس پر مجبور کیا۔ اور پھر مجھے ابن اشعث کی بیعت کا پاس بھی تھا۔

حجاج خدا کی قسم میں تجھے قتل کئے بغیر یہاں سے نہ ہٹوں گا۔

سعید کوئی بات نہیں تم میری دنیا خراب کر دگے میں تمہاری آخرت برباد کر دوں گا۔

حجاج۔ بتاؤ تم کس طریقہ سے قتل ہونا پسند کرو گے

سعیدؒ۔ تو خود ہی پسند کر۔ رب اکبر کی قسم جس طرح تو مجھ کو قتل کرے گا۔ اسی طرح خدا تم کو آخرت میں قتل کرے گا۔

حجاج۔ کیا تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں معافی مل جائے۔

سعیدؒ۔ معافی دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ رہا تو ۔۔۔ تو یہ تیری قدرت سے باہر ہے کہ کسی کو بری کرے یا کسی کا عذر قبول کرے

حجاج۔ تو میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

سعیدؒ۔ ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر میرا آخری وقت آگیا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اگر ابھی وقت نہیں آیا تو کوئی مجھے مار نہیں سکتا۔

(۴)

اب حجاج فرط غضب سے بیتاب ہو گیا۔ جلاد کو حکم دیا کہ اسے لیجاؤ اور قتل کر دو اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص بے قابو ہو کر اس معدن علم و فضل کی مصیبت پر رونے لگا۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا۔ بھائی روتے کیوں ہو ہر بات کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے پھر یہ آیت پڑھی۔

ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرا ها (حدید)

زمین میں جو مصیبتیں بھی پہنچتی ہیں۔ یا تمہارے نفسوں پر وارد ہوتی ہیں ان کے پیدا ہونے سے قبل کتاب میں لکھی ہیں۔)

اس کے بعد اپنے لڑکے کو آخری بار دیکھنے کے لئے بلا بھیجا۔ وہ آئے تو بے اختیار رونے لگے۔ سعیدؒ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا بیٹے اس سے زیادہ تیرے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں۔ رونے سے کیا ہوگا"۔

اب جلاد نے انہیں مقتل کی طرف کھینچا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حجاج نے کہا اسے واپس لاؤ۔

جب پھر حجاج کے سامنے آئے تو اس نے پوچھا "تم کس بات پر ہنسے"۔ سعیدؒ نے جواب دیا۔

عجبت من جرأتك على الله وحلم الله عليك۔

(خدا کے مقابلے میں تیری جرأت اور تیری نسبت خدا کا عفو و حلم دیکھ کر مجھے تعجب ہوا)

حجاج اس فقرے کو سن کر اور بھڑک اٹھا۔ اور جلاد کو حکم دیا کہ اسے میرے سامنے قتل کر دو۔

جلاد نے چمڑا بچھایا۔ حضرت سعیدؒ بھی سر کٹانے کے لئے مستعد ہو گئے اور قبلہ رو ہو کر یہ آیت پڑھی۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (انعام)

(میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے، ایک طرف

کا ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

حجاج نے حکم دیا اس کا منہ قبلے کی طرف سے پھیر دو

حضرت سعیدؒ نے یہ آیت پڑھی۔ اینما تولوا فثم وجه الله
(جدھر تم پھرو گے اسی طرف خدا کا منہ ہے)

اب حجاج نے حکم دیا اسے منہ کے بل لٹا دو۔

سعید خود ہی اوندھے لیٹ گئے اور اس آیت کی تلاوت کی

منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة
اخرى (طه)

(ہم نے اسی (زمین) سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے ایک دفعہ پھر نکالیں گے۔

حجاج اب سخت مشتعل ہو گیا۔ اس نے چلا کر جلاد کو حکم دیا "اس کا سر فوراً قلم کر دو"۔

سعید رہ نے اس وقت بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی "بار الٰہا میرے قتل کے بعد اس ظالم کو کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا" پھر کلمہ شہادت پڑھا۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان
محمدا عبده ورسوله۔

ابھی کلمہ شہادت زبان پر جاری تھا کہ جلاد کی تلوار گردن پر پڑی اور سر تن مبارک سے جدا ہو گیا ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہادت کے بعد جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ حجاج کو اتنا خون نکلنے پر بہت تعجب ہوا۔ اپنے طبیب خاص سے اس کی وجہ دریافت کی اس نے کہا۔ "دوسرے لوگوں کا خون قتل کا حکم سنتے ہی خشک ہوجاتا ہے۔ لیکن سعیدؒ کی طبیعت بالکل مطمئن تھی اور قتل کا خوف مطلقاً ان کے دل میں نہ تھا۔ اسی لیئے ان کے جسم سے خلاف معمول زیادہ خون نکلا۔"

یہ المناک واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا۔ ان کی شہادت سے لوگوں میں کہرام مچ گیا۔

خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا "خدا ثقیف کے ظالم سے سعیدؒ کے قتل کا انتقام لے۔ خدا کی قسم دنیا کے تمام باشندے بھی سعیدؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو نار جہنم میں جھونک دیتا۔"

اس واقعہ کے بعد حجاج تھوڑا عرصہ ہی زندہ رہا۔ اس کے معدے میں کیڑے پڑ گئے اور عجیب و غریب دماغی عارضہ لاحق ہوگیا۔ رات کو خواب میں سعید بن جبیرؒ اسے نظر آتے جو پوچھتے۔

"فاسق تو نے مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا۔"

حجاج چونک کر کہتا۔ "میرا سعید سے کیا تعلق"

غرض اسی طرح نہایت کرب و الم کے عالم میں ۹۵ھ میں راہئ ملک عدم ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے مرد صالح سعید بن جبیرؒ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی شہادت کے بعد حجاج کسی شخص کے قتل پر قادر نہ ہوسکا۔

حجاج کی موت کے بعد کسی شخص نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا "مرنے

کے بعد تجھ پر کیا گذری جواب دیا۔ ہر قتل کے عوض مجھے ایک بار قتل کیا گیا لیکن سعید بن جبیرؒ کے عوض مجھے ستر بار ہلاک کیا گیا۔ رضی اللہ عن سعید۔ و ارضاہ فی الجنۃ وامر الحجاج الی اللہ!

حضرت عمر بن عبد العزیز رح

(۱)

کسے خبر تھی کہ جس خاندان کے ہاتھ واقعہ حرّہ میں مدینہ منورہ کے ہزارہا مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوئے اور جس نے میدان کربلا میں آل رسولؐ کے خون کا چھڑکاؤ کیا اسی خاندان بنو امیہ میں ایک ایسا شخص بھی پیدا ہوگا جو اپنے مجددانہ کارناموں سے روح اسلام کو زندہ کر دے گا۔ اور دنیا کو پھر خلافت راشدہ کا دور دکھا دے گا۔

مصر کے گورنر عبد العزیز بن مروان کو ۶۱ھ ہجری میں اللہ نے ایک فرزند عطا کیا۔ جس کا نام اس نے عمرؒ رکھا۔ عمر کی ماں ام عاصم فاروق اعظمؓ کی پوتی تھیں۔ عبد العزیز اور ان کی اہلیہ ام عاصمؓ نے عمر کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہیں مدینہ منورہ صالح بن کیسان رضؓ کی نگرانی میں بھیج دیا۔ صالح اس دور کے بلند پایہ محدث اور عالم تھے۔ انہوں نے عمر رضؓ کو نہایت توجہ سے تعلیم دی اور انہیں اس زمانہ کے کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین سے استفادہ کرنے کے مواقع بھی بہم پہنچائے۔ عمر فطرتاً نہایت صالح اور علم دوست تھے۔ انہوں نے نہایت ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کی۔ جب کئی سال کے بعد مدینہ سے فارغ التحصیل ہو کر

نکلے تو اس وقت آپ کے پایہ کا کوئی عالم وہاں نہ تھا۔

چونکہ وہ شاہی خاندان کے رکن تھے اور عیش و تنعم کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی اس لئے مزاج میں بے حد نفاست اور شاہ خرچی آ گئی تھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتے اور عمدہ سے عمدہ خوشبویات استعمال کرتے تھے۔ ڈاڑھی پر عنبر کا سفوف ملتے۔ اور نہایت جاہ و حشم سے رہتے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بھتیجے کی دینداری اور خوش ذوقی کو دیکھ کر اپنی لڑکی فاطمہ کو عمرؒ سے بیاہ دیا۔ اور انہیں خناصرہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

(۳)

عبدالملک کی وفات کے بعد ولید مسند خلافت پر بیٹھا اس نے عمرؒ بن عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا۔ میں صرف اس شرط پر یہ ذمہ داری قبول کر سکتا ہوں کہ مجھے پہلے عمال کے ظلم پر مجبور نہ کیا جائے"۔ ولید نے ان کی شرط منظور کر لی اور عمرؒ تیس اونٹوں پر اپنا ذاتی سامان لدوا کر نہایت تزک و احتشام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ کے لوگ ان کی دینداری اور علم و فضل سے واقف تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کی آمد پر بہت مسرت کا اظہار کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ پر نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی۔ مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اور نہایت اہتمام سے اس کی تزئین و آرائش کی۔ اطراف مدینہ میں کئی مساجد تعمیر کرائیں اور رفاہ عام کے دوسرے بہت سے کام کئے۔ ۹۳ھ میں حجاج

بن یوسف کی شکایت پر ولید نے انہیں امارت مدینہ سے معزول کر کے دمشق بلا لیا۔ عمر بن عبدالعزیز کو امارت سے معزول ہونے کا تو مطلقاً رنج نہ ہوا البتہ روضۂ نبوی سے جدا ہوتے وقت ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ولید نے اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے ارادہ کی سختی سے مخالفت کی۔ ولید نے برافروختہ ہو کر ان کو قید کر دیا۔ اور وہ تین برس تک قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے رہے اور پھر کسی کی سفارش سے رہا ہوئے اس واقعہ سے سلیمان بن عبدالملک ان کا احسانمند تھا۔

ولید کی وفات کے بعد جب وہ سریر آرائے حکومت ہوا تو عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا اور تا دم مرگ ان کی غایت درجہ تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ ۹۹ھ میں جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو رجاء بن حیوۃ سے اپنے ولی عہد کے بارے میں مشورہ کیا اور ان سے پوچھا کہ "میرے لڑکوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے"؟

رجاء نے جواب دیا "وہ بار خلافت اٹھانے کے قابل نہیں"

سلیمان نے پوچھا "عمر بن عبدالعزیز کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"

رجاء نے جواب دیا "وہ نہایت متقی اور برگزیدہ ہستی ہیں"

سلیمان نے کہا "خدا کی قسم وہ ایسے ہی ہیں"

یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ سے وصیت نامہ لکھا جس میں اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز کو اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کیا۔ اس وصیت کو ایک لفافہ

میں بند کر کے سر بمہر کیا اور رجا کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ جس شخص کو میں نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا ہے میرے اہل خاندان سے اس سر بمہر لفافہ پر ان کی بیعت لو۔

رجاء نے سلیمان کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر سب بنو امیہ سلیمان کی عیادت کے لئے قصر خلافت میں گئے۔ سلیمان نے بھی ان سے اس شخص کی غائبانہ بیعت لی جسے اس نے نامزد کیا تھا۔

اس بیعت کے تین روز بعد سلیمان نے وفات پائی۔ رجاء ایک مدبر آدمی تھے انہوں نے سلیمان کی موت کو پوشیدہ رکھا اور شاہی خاندان کے افراد کو جمع کر کے ایک بار پھر ان سے بیعت لی۔ جب سب نے فرداً فرداً بیعت کر لی تو رجاء نے لفافہ چاک کیا اور سلیمان کی وصیت پڑھ کر سنائی۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا

اس وقت انا للہ کی دو آوازیں بلند ہوئیں ایک آواز عمر بن عبد العزیز کے منہ سے نکلی اور دوسری ہشام بن عبد الملک کے منہ سے۔ عمر بار خلافت کی ذمہ داری سے لرز گئے تھے اور ہشام تخت خلافت سے محروم ہو کر رنجیدہ ہو گیا تھا۔ ہشام نے کہا "ہم عمر کی بیعت ہرگز نہیں کریں گے"

رجاء نے اس وقت بے مثال شجاعت اور حوصلہ کا ثبوت دیا۔ انہوں نے کہا "ابھی اٹھ کر بیعت کرو ورنہ گردن اڑا دوں گا"۔ یہ کہہ کر عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا۔ اب لوگ چاروں طرف سے ان کی بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور کسی کو ان کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۲۳)

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی عمر بن عبد العزیزؒ کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا۔ وہ عمرؒ جو اس سے پہلے سب سے بڑھ کر خوش لباس، معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے اب فاروق ثانی بن گئے اپنے دور خلافت میں ان سے بڑھ کر کوئی بلاکش نہ تھا۔

سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر انہوں نے شاہی سواریاں واپس کر دیں۔ اپنے لونڈی غلام آزاد کر دئے اور فرمایا میری سواری کے لئے میرا خچر کافی ہے۔ اور گھر کے کام کاج کے لئے میری بیوی کافی ہے"۔ گھر پہنچے تو اہلیہ نے پوچھا "آپ پریشان اور ملول کیوں ہیں"۔ جواب دیا "آج دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ کے اس کا حق پورا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر پریشانی اور فکر کی کونسی بات ہو سکتی ہے"۔

پھر آپ مسجد میں آئے اور لوگوں کو جمع کر کے کہا۔

"لوگو مجھ پر خلافت کا بار میری مرضی کے بغیر ڈال دیا گیا ہے اور نہ عام لوگوں سے اس بارے میں مشورہ لیا گیا ہے میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردن میں ہے اس کو میں خود نکال لیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو"۔

یہ تقریر سن کر تمام لوگوں نے بآواز بلند کہا "ہم نے آپ ہی کو امیر المومنین بنایا ہے اور آپ کی خلافت پر راضی ہیں"۔

جب لوگ خاموش ہوئے اور کوئی آواز ان کی مخالفت میں نہ اٹھی تو انہوں نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "لوگو قرآن کے بعد کوئی ایسی کتاب نہیں ہے اور سرورِ کائنات ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ میں کسی چیز کو شروع کرنے والا نہیں ہوں بلکہ آقائے نامدار کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جو چیز اللہ نے حلال کر دی وہ قیامت تک حلال رہیگی اور جو حرام کر دی وہ حرام رہے گی۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ ہاں جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے۔ میں کسی حال میں تم سے بہتر نہیں ہوں لیکن خدا نے مجھ پر تم سے زیادہ ذمہ داری ڈال دی ہے"

(۴)

اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز رضؓ نے اپنی زندگی کو خلافت راشدہ کے احیاء کے لئے وقف کر دیا اور ہر قسم کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر نہایت انقلاب انگیز اور دور رس اقدامات کئے

سب سے پہلے انہوں نے وہ تمام جاگیریں حقداروں کو واپس کرنے کا ارادہ کیا جو بنی امیہ نے غصب کی ہوئی تھیں۔ بعض لوگوں نے کہا اس طرح آپ کی اولاد مفلس ہو جائے گی۔ فرمایا "میں ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں" پھر لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی:۔

"لوگو خلفائے بنی امیہ نے ہم کو عطایا اور جاگیریں دیں خدا کی قسم نہ انہیں دینے کا حق تھا اور نہ ہمیں لینے کا۔ اب میں ان سب کو اصلی حقداروں کو واپس

کرتا ہوں اور اپنی ذات اور خاندان سے آغاز کرتا ہوں"

یہ کہہ کر تمام اسناد اور دستاویزات منگائیں اور انہیں قینچی سے کتر دیا۔ خاندان بنو امیہ میں ہنگامہ محشر بپا ہو گیا۔ لیکن عمر بن عبد العزیزؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تم میرے کام میں مزاحم ہوئے تو میں تمہیں ذلیل اور رسوا کر ڈالوں گا۔ میرے پاس سے چلے جاؤ"۔

اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے یہ اقدامات کئے۔

۱۔ تمام حکام اور عمال کو ان کے فرائض کی تشریح کے سلسلے میں احکام جاری کئے۔ جن میں انہیں ہدایت کی کہ ہر کام میں خدا اور خدا کے رسول کی خوشنودی مدنظر رکھیں۔

۲۔ وہ تمام انعامات جو خلیفہ کے اقربا اور شاعروں کو دئے جاتے تھے موقوف کر دئے۔

۳۔ خاندان بنی امیہ کو اعلیٰ عہدے دینے بند کر دئے۔

۴۔ تمام ظالم حکام کو موقوف کر دیا۔

۵۔ مردم شماری کا محکمہ قائم کیا۔

۶۔ محکمہ قضاۃ اور عدلیہ کی اصلاح فرمائی۔

۷۔ رفاہ عام کے کاموں پر دل کھول کر خرچ کیا۔

۸۔ علوم و فنون کی ترویج۔ علماء کی امداد اور مسافروں محتاجوں اور معذوروں کی دستگیری کا خاص اہتمام کیا۔

۹۔ زکوٰۃ۔ غنیمت جنگی اور دوسرے محاصل کا علیحدہ علیحدہ حساب رکھے

جاننے کا قاعدہ مقرر کیا۔

۱۰۔ مسلمانوں کی طرح ذمیوں کی جان اور مال پر حفاظت کا خاص انتظام کیا اور حکم دیا کہ جو شخص کسی ذمی کی جان اور مال پر دست درازی کرے گا۔ اسے نہایت سخت سزا ملے گی۔

۱۱۔ نومسلموں سے جزیہ لینا بالکل موقوف کر دیا۔

۱۲۔ فدک کو اپنی ملک سے نکال کر پھر اس کے قدیم مصارف کے لئے مخصوص کر دیا۔ اور آل مروان سے کہا۔ فدک رسول اکرم کا خالصہ تھا جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے اس لئے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول کریمؐ کے زمانہ میں تھی میں اس کو اسی حالت میں لوٹاتا ہوں۔

(۵)

خلفائے بنی امیہ نے ایک نہایت بری بدعت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور ان کے عمال خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بنی امیہ کی اس حرکت کے سخت مخالف تھے۔ مسند خلافت پر متمکن ہو کر انہوں نے اس رسم قبیح کے تدارک کا نہایت مؤثر طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے دمشق کے ایک یہودی طبیب کو پہلے سے سکھلا پڑھا دیا اور ایک دن تمام لوگوں کو جمع کر کے بیٹھ گئے۔ اتنے میں یہودی طبیب ان کی خدمت میں حاضر ہوا امیر المؤمنین اور اس کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

خلیفہ۔ تو کس لئے میرے پاس آیا ہے۔

یہودی۔ ایک خاص التماس کے لئے۔

خلیفہ۔ اپنا مدعا بیان کرو۔

یہودی۔ میں علیحدگی میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

خلیفہ۔ میں کوئی بات عامۃ المسلمین سے نہیں چھپاتا۔ تم برسرعام اپنی خواہش کا اظہار کرو۔

یہودی۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔

خلیفہ۔ نہیں تمہاری جان کی حفاظت میرے ذمے ہے تم بے خوف ہو کر اپنا سوال پیش کرو۔

یہودی۔ میں آپ کی دختر نیک اختر کو اپنے عقد میں لانے کا خواہشمند ہوں۔

تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا اور پھر انہوں نے غضب ناک ہو کر تلواروں پر ہاتھ رکھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں صبر اور حوصلہ کی تلقین کی اور پھر یہودی سے مخاطب ہوئے۔

خلیفہ۔ میں خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہوں اور تو ایک کافر آخر کس چیز نے تجھے یہ درخواست کرنے پر اکسایا۔

یہودی:۔ میں آپ کے عدل و انصاف کا شہرہ سن کر دلیر ہوا اور اپنی خواہش کا برملا اظہار کر دیا۔ کیا آپ اپنے مقدس پیغمبر سے رتبہ میں بڑھ کر ہیں۔

خلیفہ:۔ نعوذ باللہ۔ استغفراللہ میں تو حضورؐ کے غلاموں کی خاک پا

کے برابر بھی نہیں۔

یہودی:۔ کیا آپ کے پیغمبر برحق نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی رضؓ سے کیا تھا یا نہیں۔

خلیفہ :۔ بے شک کیا تھا۔

یہودی:۔ تو داماد رسولؐ علی بن ابی طالبؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ لوگوں کے خطبوں میں ان پر لعن طعن کی جاتی ہے آپ کے دین میں مسلمانوں پر تو لعن طعن جائز نہیں۔

یہودی کے الفاظ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ زار وقطار رونے لگے اور دوسرے لوگ بھی بیحد متاثر ہوئے۔ امیر المومنین اب لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ لوگو ہمارے آباؤ اجداد نے کیسے گناہ کا ارتکاب جائز رکھا۔ خداوند کریم ہمیں معاف کرے آئندہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کسی نے گستاخی کی تو اس کا سر اڑا دیا جائے گا آج سے سب وشتم کی بجائے خطبوں میں یہ الفاظ پڑھے جائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۔ "اللہ تعالے عدل، احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش، برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے"۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ پر کبھی سب وشتم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی بجائے خطبوں میں آج تک یہی آیت پڑھی جاتی ہے۔

(۶)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زہد وورع کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے معمولی

سا فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ تھا۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے۔ اس وقت تک بیت المال کا چراغ جلاتے تھے۔ کام ختم ہونے کے بعد اپنا ذاتی چراغ جلا لیتے۔

فقراء و مساکین کے لئے بیت المال کی طرف سے ایک باورچی خانہ تھا ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی لاعلمی میں ملازم ایک ماہ تک اس باورچی خانہ میں ان کے لئے پانی گرم کرتا رہا۔ جب انہیں معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا اور اتنی لکڑی خرید کر بیت المال میں داخل کی۔

ایک مرتبہ بیت المال کا مُشک آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے اپنی ناک بند کر لی کہ خوشبو ناک میں نہ جانے پائے۔

کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ ایک دفعہ عیدگاہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے جو کرتہ پہنا ہوا تھا اس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر گھر تشریف لا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا "آپ ایک عظیم سلطنت کے والی ہیں۔ عمدہ لباس کیوں نہیں پہنتے"۔ آپ نے فرمایا "مسلمانوں کا مال مجھ پر حرام ہے اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ عمدہ لباس بنواؤں"۔

غذا آپ کی نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی۔ جو دال یا روغن زیتون اور روٹی پر مشتمل ہوتی تھی۔ جس دن سے خلیفہ ہوئے ایک دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ایک دن انگور کھانے کو جی چاہا اپنی اہلیہ سے پوچھا۔ تمہارے پاس ایک درہم ہے میں انگور کھانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا "آپ کو امیر المومنین ہو کر

ایک درہم کی استطاعت بھی نہیں"۔ فرمایا" یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے میرے لئے زیادہ آسان ہے"۔

بیوی بچے بھی اسی تنگی ترشی سے گذر کرتے تھے۔ خلافت سے پہلے عمر بن عبدالعزیزؒ نہایت فربہ اندام اور صحتمند تھے۔ خلافت کے بعد زاہدانہ زندگی نے رنگ روپ بدل دیا۔ سوکھ کر کانٹا بن گئے تھے۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھ جاتے اور گریہ وزاری شروع کر دیتے حتیٰ کہ آنکھ جھپک جاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پھر خوف خدا سے رونے لگتے۔ یہاں تک کہ تہجد کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص تھا وہاں ایک پرانا کمبل اور لوہے کا ایک طوق رکھا تھا۔ حجرہ میں داخل ہو کر کمبل جسم پر ڈال لیتے اور طوق گردن میں۔ صبح کو عبادت سے فارغ ہو کر حجرہ سے نکلتے تو اسے مقفل کر دیتے۔ وفات کے بعد یزید بن عبدالملک نے اس حجرہ کو اس خیال سے کھولا کہ شاید اس میں خزانہ ہو مگر وہاں سے سوائے ایک موٹے کمبل اور طوق کے کچھ برآمد نہ ہوا۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں۔ مالکؒ کو لوگ زاہد کہتے ہیں۔ مالکؒ کا زہد کیا؟ زاہد عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں کہ دنیا ان کے سامنے آئی اور انہوں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ کا قول ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ خیر التابعین اویس قرنیؒ سے بھی زہد میں بڑھ گئے تھے۔ اویس قرنی کو دنیا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے دنیا پوری آن بان کے ساتھ آئی اور انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

(۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بے مثال زہد و اتقا، خدا ترسی اور اقربا نوازی سے گریز نے خاندانِ بنی امیہ کو ان کا دشمن بنا دیا۔ انہیں یہ خوف دامنگیر ہو گیا کہ کہیں وہ حکومت ہی سے بنو امیہ کو محروم نہ کر دیں۔ انہوں نے سازش کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کھانے میں زہر دلا دیا۔ جب زہر کے اثر سے تکلیف بڑھی تو کسی نے کہا امیر المؤمنین آپ علاج کیوں نہیں کراتے۔

فرمایا "بھائی اگر مجھے یقین ہو کہ صرف کان چھو کر شفایاب ہو سکتا ہوں تو اتنا بھی نہ کروں۔ اپنے پروردگار کے سایۂ رحمت سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز عزیز نہیں"۔

بستر علالت پر ہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ فلاں غلام نے ایک ہزار اشرفی لے کر کھانے میں زہر ملایا۔ آپ نے اس سے وہ اشرفیاں لے کر بیت المال میں جمع کرا دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔

بعض لوگوں نے کہا "امیر المؤمنین آپ مدینہ منورہ منتقل ہو جائیں۔ تاکہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن ہوں"

فرمایا "خدا کی قسم آگ کے سوا مجھے ہر قسم کا عذاب منظور ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ میں اپنے آپ کو سرورِ کائنات کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کے قابل سمجھوں"۔

پھر اپنی اولاد اور یزید بن عبدالملک کو خدا ترسی اور نیکی کی وصیتیں کیں اور تین دن کی علالت کے بعد یہ آیت پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ تلک

الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فی الارض ولا فسادًا والعاقبة للمتقين - یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ

(۱)

خواجہ فرید الدین عطارؒ کو دنیائے تصوف میں جو بے مثال شہرت حاصل ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہیں نہ صرف چھٹی ساتویں ہجری کے اکابر صوفیائے کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ صوفیانہ شاعری کے چار عظیم ارکان میں سے ایک رکن مانا جاتا ہے۔ دوسرے تین ارکان حکیم سنائیؒ۔ اوحدیؒ اور مولانا رومؒ ہیں۔ ان کی شاعری کے متعلق مولانا جامی یوں رقمطراز ہیں۔

"و آں قدر اسرار توحید و حقائق اذواق و مواجید کہ در مثنویات و غزلیات اندراج یافتہ۔ در سخنان ہیچ یک ازیں طائفہ یافت نمی شود۔ جزاہ اللہ سبحانہ عن الطالبین و المشتاقین خیر الجزاء (نفحات الانس)

مولانا رومؒ خواجہ فرید الدین عطارؒ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہماں اندر خم یک کوچہ ایم

اور دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں ؎

عطار روح بود، سنائی دو چشم او　　ما از پئے سنائیؒ و عطارؒ آمدیم

علامہ شبلی نعمانیؒ خواجہ صاحبؒ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"خواجہ صاحبؒ نے تصوف کے جو خیالات ادا کئے ہیں وہ حکیم سنائیؒ سے زیادہ دقیق نہیں۔ لیکن زبان اس قدر صاف ہے کہ اس وصف کا گویا ان پر خاتمہ ہو گیا۔ ہر قسم کے خیالات اس بے تکلفی اور روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہیں کہ نثر میں بھی اس سے زیادہ صاف ادا نہیں ہو سکتے"۔

اس کے ساتھ قوت تخیل بھی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ بہت سے نئے مضامین پیدا کئے ہیں اور جو پہلے بندھ چکے تھے ان کو ایسے نئے پہلو سے ادا کرتے ہیں۔ کہ بالکل نیا مضمون معلوم ہوتا ہے"۔　　(شعر العجم حصہ دوم)

(۴)

خواجہ فریدالدین کا اصلی نام محمد تھا۔ وہ نیشا پور کے ایک گاؤں کوکن دیا کدگن میں ماہ شعبان ۵۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام ابراہیم بن اسحاق تھا۔ وہ اس دور کے ایک نامور مجذوب حضرت قطب الدین حیدر کے مرید تھے اور عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ نیشا پور میں ان کا بڑا کاروبار تھا۔ والد کی وفات کے بعد خواجہ فریدالدینؒ نے بھی عطاری کا پیشہ اختیار کیا اور اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو بڑی وسعت دی اور ان کا شمار نیشا پور کے متمول ترین آدمیوں میں ہونے لگا۔ وہ صرف عطار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ایک کامیاب

طبیب اور نباض بھی تھے۔ ان کے مطب میں روزانہ پانچ سو کے لگ بھگ مریض آتے تھے۔

خواجہ صاحبؒ کا طبعی رجحان بچپن ہی سے تفقر و تصوف کی طرف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد کے مرشد حضرت قطب الدین حیدر سے بھی استفاضہ کیا۔ خواجہ صاحبؒ اپنی مشہور کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں اپنے طبعی رجحان کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ

"بے سببی از کودکی باز دوستی ایں طائفہ در جانم موج میزند۔ وہمہ وقتے مفرح دل من از سخن ایشاں بود"۔

تذکرہ نگاروں نے خواجہ فریدالدین کی توبہ اور رجوع الی اللہ کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ صاحب اپنی آراستہ و پیراستہ دوکان میں بڑی شان سے رونق افروز تھے۔ کسی طرف سے ایک درویش ادھر آنکلا۔ اس نے خواجہ صاحب کی پرشوکت دوکان کو دیکھا اور پھر خواجہ صاحب کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہوئے کہا "شیئاً للہ ـــ بابا راہ خدا میں فقیر کو کچھ دے دے"

خواجہ صاحبؒ اس وقت کسی کام یا خیال میں محو تھے۔ انہوں نے درویش کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ جب اس نے اپنا سوال بار بار دہرایا تو ان کی محویت میں خلل پڑا۔ نظر اٹھائی تو ایک خستہ حال فقیر کو اپنی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھا۔ خواجہ صاحبؒ چمک کر بولے

"میاں اپنا راستہ لو۔ کیوں دیوانوں کی طرح گھور رہے ہو"۔

درویش —— بابا ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے۔ اور میرے جیسے آدمی کا جانا کیا مشکل ہے جس کے پاس ایک کمبل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم اپنی کہو کہ کیسے جاؤ گے"۔

خواجہ عطارؒ —— "میرے اور تمہارے جانے میں کیا فرق ہو سکتا ہے"۔

درویش —— "کیا تو میری طرح مر سکتا ہے"

خواجہ عطارؒ —— "ہاں۔ بے شک"

درویش —— "اچھا تو پھر دیکھ میں کیسے مرتا ہوں"

درویش یہ کہہ کر اپنا کمبل سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور ایک بار زور سے "اللہ" کہہ کر واصل بحق ہو گیا۔

اس عبرت انگیز واقعہ نے خواجہ فریدالدین عطارؒ کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔ ساری دوکان اسی وقت لٹا دی۔ اور مسلک درویشی اختیار کر لیا۔ یہ واقعہ خواجہ فریدالدین عطارؒ کو کب پیش آیا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق اس وقت خواجہ صاحب کا عنفوان شباب تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب خواجہ صاحب عمر کی ستر منزلیں طے کر چکے تھے۔ بہرصورت اس واقعہ کے بعد خواجہ صاحب رح مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ شروع میں حضرت رکن الدین اکافؒ سے استفاضہ کیا۔ پھر اس دور کے دوسرے اکابر مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اور آخر میں حضرت شیخ مجدالدین بغدادیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور انہیں سے خرقۂ فقر حاصل کیا۔

(۴۲)

خواجہ فریدالدین رح نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا۔ دوران سیاحت میں وہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اور پھر مدینہ منورہ مصر، دمشق، کوفہ، رے، خراسان، ترکستان، ہندوستان وغیرہ میں پھرتے ہوئے نیشاپور آکر مقیم ہو گئے۔ چنانچہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

سر برآوردہ بہ محبوب عشق   سیر کردہ مکہ و مصر و دمشق
کوفہ و رے تا خراساں گشتہ ام   سیحن و جیحون را بیبریدہ ام
ملک ہندوستان و ترکستان زمین   رفتہ چوں اہل خطا از سوئے چیں
عاقبت کردم بہ نیشاپور جائے   او فتادہ از من بعالم ایں صدائے
در نشاپورم بہ کنج خلوتے   با خدائے خویش کردم وحدتے

حرمین شریفین کی زیارت کے موقع پر خواجہ صاحب وہاں معتکف بھی رہے۔ خود فرماتے ہیں۔ حرم شریف کی برکت سے میں نے اپنے آپ کو پہچانا اور اپنے خالق کو پہچانا گھر والے کی حقیقت اس کے گھر میں خوب معلوم ہوتی ہے۔

شیخ فریدالدین عطار رح نیشاپور میں کم وبیش پچاسی برس رونق افروز رہے۔ اس عرصہ میں وہ صرف راہ فقر و تصوف کے مسافر ہی نہ رہے بلکہ تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کے میدان کے شہسوار بھی رہے۔ انہوں نے چالیس کے قریب تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں۔ ان کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں: تذکرۃ الاولیا، منطق الطیر

سیاہ نامہ۔ مصیبت نامہ۔ اسرارنامہ۔ گل و ہرمز۔ شتر نامہ۔ وصیت نامہ۔ جوہرالذات۔ بلبل نامہ۔ حیدر نامہ۔ مختار نامہ۔ لسان الغیب۔ دیوان رباعیات وغیرہ۔

کہتے ہیں کہ نیشاپور میں مولانا روم رح بھی خواجہ فرید الدین عطار کی خدمت میں (ان کی زندگی کے آخری دور میں) حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنی تصنیف "اسرارنامہ" مولانا رومؒ کو عنایت فرمائی۔ مولانا رومؒ اس کتاب کو ہمیشہ حرزِ جان بنا کر رکھتے تھے۔

(۴)

خواجہ فرید الدین عطارؒ نے ۶۲۷ھ میں بعمر ایک سو چودہ ۱۱۴ سال شہادت پائی۔ ان کی شہادت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ مختلف تذکروں میں یہ واقعہ دو طریقوں سے درج ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ ۶۲۵ھ میں سیل تاتار نے تمام عالمِ اسلام کو تہ و بالا کر ڈالا۔ وحشی تاتاری بلادِ اسلام کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے ۶۲۶ھ میں نیشاپور بھی آپہنچے۔ خواجہ صاحبؒ کو ایک تاتاری سپاہی نے گرفتار کر لیا۔ برابر سے ایک دوسرے سپاہی نے کہا "اس بڈھے کو ہزار روپے میں میرے ہاتھ پر فروخت کر دو" خواجہ صاحبؒ نے پہلے سپاہی سے کہا "اتنی قیمت پر مجھے ہرگز نہ بیچنا۔ میری قیمت ہزار روپے سے بہت زیادہ ہے"۔ سپاہی انہیں کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ راستے میں ایک اور سپاہی نے کہا اس بڈھے کو گھاس کے ایک گٹھے کے عوض مجھے دیدو۔ اب خواجہ صاحبؒ

نے پہلے سپاہی سے کہا۔ "اب مجھے ضرور بیچ ڈالو۔ میری قیمت اس سے کہیں کم ہے"۔ گرفتار کرنے والے سپاہی کو سخت غصہ آیا اور اس نے خواجہ صاحبؒ کو تلوار کے ایک وار سے شہید کر ڈالا۔

دوسری روایت کے مطابق نیشاپور کی غارت گری کے دوران میں تاتاری خواجہ عطار رح کی خانقاہ میں گھس آئے۔ اس وقت خواجہ صاحبؒ سترہ درویشوں کے ہمراہ یادالٰہی میں مشغول تھے۔ تاتاریوں نے درویشوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔

خواجہ صاحب رح ان مظلوموں کا خون ناحق دیکھ کر پکار اٹھے "اف یہ کیسی تیغ قہاری ہے۔ یہ کیسی تیغ جباری ہے"۔

جب تاتاری خواجہ صاحب رح کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے تو آپ نے نہایت مسرت انگیز لہجہ میں فرمایا۔

"سبحان اللہ یہ کتنا بڑا کرم عزت افزائی اور احسان ہے"۔

یہ کہا اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ اس طرح اس رجل عظیم نے اپنے سترہ رفقاء کے ہمراہ جام شہادت نوش فرمایا۔

سلطان المشائخ۔ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت خواجہ فرید الدین عطار رح کا واقعۂ شہادت ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے۔

"او شہید شد و آں چناں بود کہ کفار در نیشاپور رسیدند و او با ہفدہ یار مستقبل قبلہ نشستہ بود۔ منتظر آنکہ کافراں

آیند و ایشاں را شہید کنند۔ ہماں زماں کافراں در رسیدند
و تیغ در نہادند و کشتن آغاز کردند۔ دراں حال خواجہ فریدالدین
عطار رح چوں دید کہ یاراں او را کشتن گرفتند۔ دراں حال
میگفت "ایں چہ تیغ قہاریست و ایں چہ تیغ جباری است"
و چوں او را کشتن گرفتند آں زماں می گفت "ایں چہ کرم است
و ایں چہ مکرمت است۔ ایں چہ احسان است۔"

(فوائد الفواد)

کہتے ہیں کہ جس دن خواجہ فریدالدین عطار رح نے شہادت پائی۔ اسی روز قاضی القضاۃ یحییٰ بن ساعد کا بیٹا بھی فوت ہو گیا۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے خواجہ عطار رح کے قدموں میں دفن کریں۔ مگر قاضی القضاۃ اس پر رضامند نہ ہوا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کو اس بوڑھے شاعر اور داستان گو کے قدموں میں دفن نہیں ہونے دوں گا۔ اتفاق سے وہ دن گذر گیا۔ رات کو قاضی القضاۃ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ فریدالدین عطار رح کے مزار پر بیشمار نورانی شمعیں روشن ہیں اور بڑے بڑے اولیاء اللہ جمع ہیں۔ ایک کونے میں اس کا بیٹا بیٹھا ہوا ہے اور رو رو کر کہہ رہا ہے صد حیف کہ میں خواجہ عطار رح کے قدموں کی برکت سے محروم کیا جا رہا ہوں۔ قاضی خواب سے بیدار ہوا اور اشک ندامت بہاتے ہوئے اپنے فرزند کو خواجہ صاحب رح کے قدموں میں سپرد خاک کر دیا۔ اس نے خواجہ صاحب رح کے مزار پر ایک قبہ بھی تعمیر کرایا۔ آجکل حضرت کے مزار پر جو قبہ ہے وہ امیر علی شیر کا بنوایا ہوا ہے۔

حضرت شمس تبریزی رح

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(۱)

ملتان میں ایک مزار حضرت شمس تبریزی رح کے نام سے منسوب ہے یورپین مورخین اسے حضرت مولانا جلال الدین رومی رح کے مرشد شیخ شمس تبریزی کا مزار بتاتے ہیں اور عوام میں بھی یہی خیال مشہور ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملتان والے شمس تبریزی اور ہیں اور مولانا روم رح کے مرشد شمس تبریزی رح اور۔ ملتانی شمس کو تین سو برس کا عرصہ گذرا ہے۔ اور مرشد مولانا روم رح شمس تبریزی رح ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ شمس تبریزی رح سے متعلق اپنے ایک مضمون میں خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم یوں رقمطراز ہیں کہ۔

"ملتانی شمس تبریزی کو تین سو برس کا عرصہ گذرا۔ یہ اسمٰعیلی فرقہ کے داعی بن کر ہندوستان میں آئے۔ ان کے ہمراہ دو شخص اور تھے۔ ایک کا نام پیر صدرالدین

تھا اور دوسرے کا پیر امام الدین۔ صدر الدین نے اضلاع سندھ و بمبئی میں دعوت شروع کی۔ اور امام الدین نے گجرات و کاٹھیاواڑ میں۔ شمس الدین سیدھے پنجاب چلے آئے اور یہاں اپنا مشن جاری کیا۔ سندھ و بمبئی میں جس قدر آغا خانی خوجے ہیں وہ سب صدر الدین کی کوشش سے مسلمان ہو کر آغا خانی (اسمٰعیلی) جماعت میں شامل ہوئے ہیں۔ امام الدین نے اول اول تو بحیثیت اسمٰعیلی داعی کے کام کیا۔ مگر چند روز کے بعد خود مختار ہو کر اپنا ایک علیحدہ طریقہ امام شاہی جاری کر دیا۔

شمس الدین تبریزی نے جن کا مزار ملتان میں ہے پنجاب کے کمہاروں اور سناروں میں اپنا طریقہ رائج کیا اور ان لوگوں کو شمسی ہندو کا لقب دیا۔ یہ شمسی ہندو براہ راست آغا خاں کے معتقد بنائے گئے ہیں اور سالانہ نذر و نیاز اب تک آغا خاں ہی کو دیتے ہیں۔ ان کی تعداد تین لاکھ کے قریب صوبۂ پنجاب میں ہے۔

ملتانی شمس تبریزی نے کن طریقوں سے اپنا عقیدہ پھیلایا اور کیسے کیسے عجیب و غریب واقعات عوام کی زبانوں پر ان کی نسبت مشہور ہیں۔ ان کے لکھنے کو ایک علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ بالفعل یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت شمس تبریزی کو اسمٰعیلی گروہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسمٰعیلی شمس تبریز ملتان میں اور مولانا والے شمس تبریز سے سینکڑوں برس بعد ہوئے ہیں۔

ملتانی شمس تبریزی کی نسبت یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ معتبر ذرائع سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ پنجابی سوداگروں کے بزرگ بھی

انہیں شمس کی کوشش سے مسلمان ہوئے تھے۔ شمس تبریز ملتانی کی تحریک سے ان میں اسلامی میلان پیدا ہوا اور ما بعد کے فقراء نے اس میلان کو استوار کر دیا اگر شمسی ہندوؤں کے لئے بھی کوشش کی جاتی تو آج وہ اس بدتر حالت میں نہ رہتے۔ کہ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ اب بھی مشائخ و فقراء کو موقع ہے کہ وہ اس ضروری کام کی جانب توجہ کریں۔"

(نظام المشائخ دہلی ستمبر ۱۹۱۰ء)

(۳)

شمس تبریز گر خدا خواہی — خوش بخواں لا الٰہ الا اللہ

صاحب مثنوی مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرشد گرامی حضرت شیخ شمس الدین محمد تبریزیؒ کو دنیائے تصوف میں لازوال شہرت حاصل ہے۔ وہ ساتویں صدی ہجری کے مشائخ کبار سے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو شیخ الاسلام۔ مرجع خاص و عام۔ قطب المحققین۔ امام السالکین۔ برہان راہ طریقت۔ شاہ میدان حقیقت۔ ہادیٔ راہ یقین وغیرہ جیسے عظیم القاب سے یاد کیا ہے حضرت شمس تبریزیؒ کی زندگی کے گرد عجیب و غریب روایات کا ایسا تانا بانا بنا ہوا ہے۔ کہ اصل حقیقت کا پتہ چلانا مشکل ہو گیا ہے۔ تاہم مختلف تذکروں میں ان کے جو حالات درج ہیں ان کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت شمس تبریزی کا اصلی نام شمس الدین محمد تھا۔ تذکرہ دولت شاہ

کی روایت کے مطابق ان کے والد کا نام "خاوند جلال الدین[1]" تھا۔ جو فرقہ اسمٰعیلیہ (ملاحدہ باطنیہ) "کیا بزرگ" کی اولاد سے تھے۔ انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ اور ملاحدہ کی تمام کتب و رسائل کو نذر آتش کر دیا تھا۔ انہوں نے تحصیل علم کے لیے اپنے فرزند کو تبریز بھیجا۔

بعض دوسری روایات میں ہے کہ شمس تبریزی "کیا بزرگ" کے خاندان سے نہیں تھے۔ بلکہ خاص تبریز کے رہنے والے تھے اور ان کے والد کا نام علی بن مالک تھا جو بزازی کا پیشہ کرتے تھے۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت شمس مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں ہوگئے۔ یہ مرشد انہیں بابا کمال جندی رح کی ذات میں مل گیا۔ بعض نے ان کے مرشد کا نام شیخ الشیوخ عارف رکن الدین سجابی رح اور شیخ ابوبکر سلہ باف تبریزی بھی لکھا ہے۔ مرشد نے انہیں راہ سلوک کی تمام منازل طے کرا کر درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ حضرت شمس تبریزی رح اپنی زندگی کے اس دور کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اس وقت میں عشق رسول میں اس قدر محو تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ گزر جاتا اور مجھے مطلق بھوک محسوس نہ ہوتی۔ کبھی بہت سے والدین اور عزیز و اقارب مجھے کچھ دینا چاہتے تو میں اشارے سے منع کر دیتا تھا۔"

علوم باطنی میں تکمیل کے بعد شمس تبریزی رح نے سیاحت اختیار کی۔ ان کا لباس

---

[1] "سوانح مولوی روم" میں علامہ شبلی رح نے حضرت شمس تبریزی رح کے والد کا نام علاؤ الدین لکھا ہے۔

محض ایک سیاہ کمبل ہوتا تھا۔ جہاں جاتے سرائے میں قیام کرتے اور اپنی کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے سارا وقت یادِ الٰہی میں گذارتے۔ گذر اوقات کے لئے کسی وقت چند ازاربند بن لیتے اور انہیں فروخت کر دیتے۔ اپنی طویل سیاحت کے دوران میں وہ مختلف ممالک میں گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مرشد بابا کمال جندیؒ بغداد میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ شمس تبریزیؒ بغداد میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں مقیم رہے۔ یہاں ان کی حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے مرید خاص اور داماد مشہور صوفی شاعر شیخ فخر الدین عراقیؒ سے خوب صحبتیں رہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت شمس تبریزیؒ ہمیشہ ایک ایسے ظرف والے مرید کی جستجو میں رہتے تھے جو ان کی صحبت کا متحمل ہو سکے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں نہایت خشوع و خضوع سے ایک ایسے مرید کے ملنے کی دعا مانگی۔ الہام ہوا کہ روم جاؤ وہاں تمہاری مراد بر آئے گی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ اپنے مرشد کے حکم سے ایک دل سوختہ کو گرم کرنے کے لئے روم کی طرف روانہ ہوئے۔

(۳)

حضرت شمس تبریزیؒ اشارۂ غیبی یا مرشد کے حکم کے مطابق سیدھے ارضِ روم کے مرکزی شہر قونیہ پہنچے۔ اور وہاں شکر فروشوں کی سرائے میں قیام کیا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کو ان کی تشریف آوری کا حال معلوم ہوا۔ تو علماء و فضلا اور اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی ملاقات کے لئے چلے

شمس رح سر اٹھا کر باہر ایک پہو ترے پر بیٹھے تھے۔ ان کی نظر مولانا رومؒ پر پڑی تو سمجھ گئے کہ یہی وہ دل سوختہ ہے جس کی نسبت مجھے اشارہ ہوا ہے۔ دونوں بزرگ بڑے تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ دوران گفتگو میں حضرت شمس رح نے مولانا رومؒ سے فرمایا کہ "شیخ بایزید بسطامیؒ کو ایک طرف تو سرورِ کونینؐ کی سنت کی پابندی کا یہ التزام تھا۔ کہ ساری عمر میں انہوں نے خربوزہ اس خیال سے نہیں کھایا کہ معلوم نہیں کہ حضورؐ نے اس کو کس طرح کھایا ہے۔ لیکن دوسری طرف وہی بایزید بسطامیؒ جو اپنی نسبت فرماتے تھے "سبحانی ما اعظم شانی" یعنی اللہ اکبر میری شان بہت بڑی ہے۔ حالانکہ خود سرورِ کونینؐ جو باعث تکوین روزگار ہیں۔ فرماتے تھے کہ میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ آپ حضرت بایزید رح کی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کی کیا توجیہ کرتے ہیں"۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اس سوال کی ہیبت سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ ہفت افلاک ایک دوسرے سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑے ہیں اور ایک شعلہ میرے دل سے نکل کر دماغ تک پہنچا ہے۔ اور دھواں میرے سر سے نکل کر عرش تک جا رہا ہے۔ تاہم میں نے دل کڑا کر کے جواب دیا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و اولیاء کے سردار ہیں ان کے سامنے حضرت بایزید بسطامیؒ کی کیا ہستی ہے۔ فی الحقیقت حضرت بایزید رح کی پیاس ایک یا دو گھونٹ کی محتاج تھی وہ اسی سے بجھ گئی اور وہ ایک خاص مقام پہ پہنچ کر ٹھہر گئے۔ اس مقام کی رفعتِ شان ان کی زبان سے سبحانی ما اعظم شانی جیسے الفاظ

نکلوا دیتی تھی۔ لیکن خیر البشر احمد مجتبیٰؐ کے مقام رفیع کے سامنے حضرت بایزیدؒ کے مقام کی کیا حقیقت ہے۔ حضورؐ تو جوں جوں معرفت وحقیقت کا پانی پیتے تھے۔ تشنگی بڑھتی جاتی تھی۔ حضورؐ کی عظمت وشان کی کوئی حد نہ تھی۔ آپ الم نشرح لک صدرک کا مصداق تھے۔ جب حضورؐ ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچتے۔ تو پہلی منزل اس قدر پست نظر آتی تھی کہ آپ اس سے استغفار کرتے تھے۔

یہ جواب سن کر حضرت شمس تبریزیؒ کو یقین ہو گیا کہ مولانا ان کا [illegible] بننے کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مولانا رومؒ کو سینہ سے لگا لیا اور اپنے فیوض باطنی سے اس طرح نوازا کہ ان کی حالت میں تغیر عظیم پیدا ہو گیا اور وہ "قال" سے "حال" میں آ گئے

حضرت شمس تبریزیؒ اور مولانا رومؒ کی پہلی ملاقات کی نسبت دو روایتیں اور ہیں۔ ایک یہ کہ مولانا رومؒ جب علماء وفضلاء کے ایک جم غفیر کے ہمراہ حضرت شمسؒ کی قیام گاہ پر پہنچے تو انہوں نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

اور پوچھا "مولانا مجاہدہ وریاضت کا مقصود کیا ہے"

مولانا نے فرمایا "خدا اور رسول کے احکام کی پابندی"

شریعت را مقام دار اکنوں — حقیقت از شریعت نیست بیروں

حضرت شمسؒ نے فرمایا "یہ تو عام بات ہے۔ اصل مقصد بتاؤ"

مولانا نے کہا "مجھے تو اس کے سوا اور کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا"

حضرت شمسؒ نے فرمایا۔ "اس کا مقصد یہ ہے کہ تم کو منزل تک پہنچا دے۔ اس کے بعد حکیم سنائیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

علم کز تو ترا نہ بستاند ۔۔۔ جہل از آں علم بہ بود بسیار

مولانا رومؒ حضرت شمس تبریزؒ کے ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا رومؒ ایک دن ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے۔ پاس ہی کچھ کتابیں رکھی تھیں۔ حضرت شمسؒ پھرتے پھراتے ادھر آنکلے اور مولانا سے پوچھا "یہ کیسی کتابیں ہیں"

مولانا رحؒ نے فرمایا "یہ قیل و قال کا سامان ہے۔ آپ کو اس سے کیا سروکار"۔

حضرت شمس تبریزیؒ نے معاً ساری کتابیں اٹھا کر اس حوض میں پھینک دیں۔

مولانا رومؒ کتابوں کو اس طرح ضائع ہوتے دیکھ کر نہایت دلگیر ہوئے اور متاسفانہ لہجہ میں فرمایا "آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ ایسی نادر و نایاب کتابوں کو برباد کر دیا۔ ان میں علم و حکمت کے نایاب موتی بکھرے پڑے تھے"۔

شمس تبریزؒ مولانا روم کا غیظ و غضب اور رنج و الم دیکھ کر مسکرا دئے۔ اور پھر حوض میں ہاتھ ڈال کر ساری کتابیں باہر نکال دیں ان کا ایک ورق تک بھی نہیں بھیگا تھا۔ اور پانی میں ڈالنے سے پہلے کی طرح خشک تھیں

مولانا رومؒ یہ واقعہ دیکھ کر دم بخود ہو گئے اور کہنے لگے "یہ عجیب معاملہ ہے"۔

حضرت شمسؒ نے فرمایا "مولانا یہ حال کی باتیں ہیں۔ تم کو ان سے کیا سروکار"۔

"مولانا رومؒ نے بے اختیار حضرت شمس کے قدم چوم لئے اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی[1]۔

(۴)

حضرت شمس تبریزیؒ سے بیعت کے بعد مولانا رومؒ نے اپنے تمام اشتغال ترک کر دیئے۔ مرشد کے ساتھ انہیں ایسا حسنِ عقیدت اور اخلاص پیدا ہوا کہ ہر وقت ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کو یکسر موقوف کر دیا۔ اس عالم میں انہوں نے حضرت شمسؒ کے ساتھ ایک حجرہ میں باختلاف روایت چھ ماہ یا تین ماہ تک چلہ کشی کی اس عرصہ میں مرشد اور مرید دونوں صائم رہے۔ حجرہ میں سوائے شیخ صلاح الدین زرکوبؒ کے اور کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ حضرت شمسؒ کی صحبت سے پہلے مولانا رومؒ کو سماع سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ لیکن اب مرشد کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ

---

[1] سوانح مولوی روم میں علامہ شبلی نے ان دونوں روایتوں کو صحیح ماننے سے انکار کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ یہ روایتیں نہایت مستند کتابوں میں درج ہیں۔[۱۲]

(باقی بر صفحہ ۳۱۷)

سماع سے حد درجہ کا شغف پیدا ہوگیا۔ مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے لوگوں سے گفتگو بھی ترک کردی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں حضرت شمسؒ کے خلاف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی انہیں ساحر کہتا اور کوئی گمراہ اور دیوانہ۔ یہاں تک کہ مولانا کے خاص شاگرد اور مرید بھی حضرت شمسؒ سے برہم ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی طرف سے مولانا کی بے توجہی کا باعث صرف شمسؒ کا وجود ہے۔ اگر وہ یہاں سے چلے جائیں تو وہ پھر مولانا کی صحبتوں سے مستفیض ہوں گے۔ حضرت شمسؒ کو لوگوں کی برہمی کا حال معلوم ہوا تو ایک رات وہ چپکے سے قونیہ کی سکونت ترک کرکے دمشق چلے گئے۔

مولانا کے لئے مرشد کی جدائی ناقابل برداشت ثابت ہوئی۔ انہوں نے مریدوں شاگردوں اور دوسرے لوگوں سے یکسر قطع تعلق کر لیا۔ اور گوشۂ تنہائی میں دن رات فراق مرشد میں ماہئ بے آب کی طرح تڑپا کرتے۔

اس زمانہ میں انہوں نے حضرت شمسؒ کی یاد میں ایسے پردرد اشعار کہے جنہیں سن کر پتھر دل کا کلیجا بھی پانی ہوتا تھا۔ عرصہ دراز کے بعد حضرت شمسؒ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۶) ۲۔ شیخ صلاح الدین زرکوبؒ مولانا رومؒ کے ہمعصر تھے۔ وہ مولانا رومؒ کے استاد سید برہان الدین محقق کے شاگرد تھے۔ اور مقام ولایت پر فائز تھے۔ مولانا رومؒ اور ان کے درمیان شروع ہی سے رشتۂ اخلاص و مودت تھا۔ شمس تبریزیؒ کی گمشدگی کے بعد شیخ ہی مولانا روم کے محرم راز اور رفیق تھے۔ مولانا نے اپنے متعدد اشعار میں شیخ صلاح الدین کا ذکر بہت محبت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ شیخ زرکوبؒ کی وفات پر مولانا نے نہایت پردرد مرثیے اور غزلیں کہیں ہیں۔

نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا۔ اس خط نے مولانا کی آتش شوق و محبت کو اور بھڑکا دیا۔ اور ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔

قونیہ کے لوگ اب سخت نادم اور پشیمان ہوئے جو کچھ انہوں نے سوچا تھا نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا جن لوگوں نے حضرت شمسؒ کی مخالفت میں خاص حصہ لیا تھا وہ دست بستہ مولانا روم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عفو تقصیر کے خواہاں ہوئے۔ اور بقول سلطان ولد (پسر مولانا روم) یوں گویا ہوئے۔

همه گریاں به توبه گفته که وائے — عفو ما کن ازیں گناه خدائے
قدر او از عمی ندانستیم — که بدو پیشوا ندانستیم
توبه ها مے کنیم رحمت کن — گر دگر ایں کنیم لعنت کن

مولانا نے فرمایا کہ میرے دل کو صرف اسی صورت میں قرار آسکتا ہے کہ تم لوگ دمشق جا کر حضرت شمسؒ سے معافی مانگو اور نہایت عزت و احترام سے انہیں قونیہ لاؤ۔

مولانا کی خواہش کے مطابق بیس آدمیوں کا ایک قافلہ سلطان ولد کی سرکردگی میں حضرت شمس کو لانے کے لئے عازم دمشق ہوا۔ مولانا نے شمسؒ کے نام ایک منظوم خط لکھا اور سلطان ولد کو ہدایت کی کہ اسے خود اپنے ہاتھ سے حضرت شمسؒ کی خدمت میں پیش کریں۔ اس منظوم خط کے پرسوز اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

به خدائیکه در ازل بوده ست — حی و دانا و قادر و قیوم

نور او شمعہائے عشق افروخت | تا بشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او جہاں پر شد | عاشق و عشق حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزیؒ | گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ ازاں دم کہ تو سفر کردی | از حلاوت جدا شدیم چو موم
ہمہ شب ہمچو شمع مے سوزیم | ز آتشے جفت و انگبیں محروم
در فراق جمال تو مارا | جسم ویران و جان ہمچوں بوم
آں عناں را بدیں طرف برتاب | زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت سماع نیست حلال | ہمچوں شیطاں طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے تو ہیچ گفتہ نشد | تا رسد آں بہ مشرقہ مفہوم
پس بذوق سماع نامہ تو | غزلے پنج و شش بشد منظوم
شام از نور صبح روشن باد | اے تو فخر شام و ارمن و روم

اس خط کے ساتھ ایک غزل بھی لکھ کر بھیجی۔ اور ایک ہزار دینار سرخ حضرت شمسؒ کی نذر کے لئے بھیجے۔ یہ قافلہ دمشق جا کر حضرت شمسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا روم کا خط، غزل اور نذر پیش کی۔

حضرت شمسؒ نے مسکرا کر فرمایا ؎

بہ دام و دانہ نگیرند مرغ دانا را

پھر فرمایا "مولانا کا خط ہی کافی ہے اس نذر کی ضرورت نہیں"

اس کے بعد اس قافلہ کو چند دن اپنے پاس مہمان رکھا اور پھر سب کو ساتھ لے کر قونیہ کے لئے روانہ ہوئے۔ سلطان ولدان کی سواری کے

ساتھ پاپیادہ قونیہ تک آئے۔ مولانا کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے تمام مریدوں شاگردوں اور دوستوں کو ساتھ لیا۔ اور شہر سے باہر جاکر نہایت دھوم دھام سے حضرت شمسؒ کا استقبال کیا۔ کہتے ہیں کہ اس دن قونیہ مردوں سے خالی ہو گیا تھا۔ مولانا روم اور حضرت شمسؒ دیر تک بغلگیر رہے۔ دونوں کی آنکھوں سے اشک مسرت رواں تھے۔ اس کے بعد قوال اور خدام غزلیں گاتے اور چرخ لگاتے شہر کی طرف روانہ ہوئے سے

عالم از نو زندہ گشت و پر فروز
اے عجب آں روز روز افروز روز

حضرت شمسؒ کی مراجعت سے مولانا رومؒ کو گویا حیات تازہ مل گئی پھر وہی راز و نیاز کی صحبتیں گرم ہو گئیں۔

(۵)

مولانا رومؒ نے کیمیا خاتون نامی ایک لڑکی پالی تھی۔ انہوں نے اس لڑکی کا نکاح حضرت شمسؒ سے کرادیا۔ اور اپنے مکان کے سامنے حضرت شمسؒ اور ان کی زوجہ کے قیام کے لئے ایک خیمہ نصب کرادیا۔ مولانا رومؒ کے ایک صاحبزادے علاؤالدین محمد حضرت شمسؒ سے نفار رکھا کرتے تھے۔ وہ جب مولانا سے ملنے آتے تو خواہ مخواہ اس خیمہ کے اندر سے ہو کر گذرتے حضرت شمسؒ کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزرتی۔ انہوں نے علاؤالدین محمد کو تنبیہ کی کہ اس

حرکت سے باز رہیں۔ اس پر وہ حضرت شمسؒ کے سخت دشمن بن گئے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی ان کے خلاف بھڑکایا۔ حاسدان تیرہ بخت میں حضرت شمسؒ کے خلاف پھر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ وہ لوگ حضرت شمسؒ کے سامنے بھی گستاخیاں کرنے لگے۔ مولانا اس صورت حال سے سخت آزردہ ہوئے۔

مندرجہ ذیل شعر ان کی دلی کیفیت کے آئینہ دار ہیں ؎

بازگستاخاں ادب بگذاشتند
تخم کفران و حسدہا کاشتند

خویش را کشتند و کشتند از ہوس
آنچہ کشتند آں چناں بر داشتند

جب حضرت شمسؒ کے خلاف مخالفت کی آگ خوب بھڑک اٹھی تو ایک دن وہ دفعتہً غائب ہو گئے۔ ہر چند ان کی تلاش کی گئی لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر مولانا اپنے چند خاص مریدوں کے ہمراہ مرشد کی تلاش میں دمشق تشریف لے گئے۔ ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ صبح و شام حضرت شمسؒ کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے پر درد فراقیہ اشعار کہے۔ مثلاً ؎

خبر رسید بشام است شمس تبریزیؒ
چہ صبح ہا کہ نما بد اگر بشام رود

یا ؎

ما عاشق و سرگشتہ و شیدائے دمشقیم

جاں دادہ و دل بستہ سودائے دمشقیم

اہل قونیہ مولانا رومؒ کی غیر حاضری سے سخت مضطرب تھے آخر انہوں

نے ایک محضر نامہ تیار کیا اور ایک وفد مولانا کو بلانے دمشق بھیجا۔ مولانا ان لوگوں کی منت سماجت اور اصرار سے مجبور ہو کر واپس قونیہ تشریف لے آئے۔

حضرت شمس رح کو اس واقعہ کے بعد پھر کسی نے نہیں دیکھا۔ ان کی گمشدگی آج تک اسرار کے دھندلکوں میں مستور ہے۔ لیکن اکثر تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت شمس رح کو بعض حاسدوں نے موقع پا کر شہید کر ڈالا اور ان کی نعش غائب کر دی۔

مولانا جامی رح نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت شمس رح کو مولانا رح کے صاحبزادے علاؤالدین محمد نے شہید کیا۔ مولانا رح کو بھی اس پر شک ہو گیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد جب وہ سخت بیمار ہو کر فوت ہو گیا تو مولانا نہ اس کی عیادت کے لئے گئے اور نہ اس کے جنازے میں شرکت کی۔ حضرت شمس رح کی شہادت یا گم شدگی کا واقعہ ۶۴۵ھ میں پیش آیا۔

"مراۃ جہاں نما" میں ان کی تاریخ وفات (یا گم شدگی) اس طرح درج ہے ؎

زبعد آہ شمس الدین والحق — دگر تاریخ شد بود او از تبریز

۶۴۵

ایک دیوان جس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں شمس تبریزی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مسٹر آر۔ اے نکلسن نے اس دیوان کی بہت سی غزلوں کا انگریزی

میں ترجمہ کیا ہے۔ اہل یورپ اس دیوان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یورپ کی کئی دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ دیوان فی الحقیقت مولانا رومؒ کا کلام ہے۔ مولانا نے مرشد سے والہانہ محبت کی وجہ سے مقطع میں جگہ جگہ ان کا نام لیا ہے اسلئے لوگ غلطی سے اسے حضرت شمس تبریزیؒ کا کلام سمجھنے لگے۔

زاہدِ کبیر شیخ نجم الدین کبریٰ رح

(۱)

شیخ نجم الدین کبریٰ چھٹی صدی ہجری کے صوفیائے کرام و اولیائے عظام کی مقدس جماعت میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ وہ تصوف کے ایک مشہور سلسلہ کبرویہ کے بانی ہیں۔ اس سلسلہ میں سرآمد روزگار مشائخ و علماء گزرے ہیں جنہوں نے فقر و تصوف کی متعدد گراں قدر تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن عمر الصوفی تھا۔ کنیت ابوالجناب۔ اور نجم الدین طامۃ الکبریٰ یا کبریٰ اور ولی تراش القاب تھے۔ متقدمین و متاخرین مشائخ و علماء کے ہر طبقہ میں ان کا نام نامی نہایت عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کی عظمت شان کی نسبت حضرت شیخ الاسلام امام تاج الدین سبکیؒ نے اپنی مشہور کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔

احمد بن عمر بن محمد الشیخ الامام الزاہد الکبیر نجم الدین کبریٰ ابوالجناب الصوفی شیخ خوارزم کان اماماً

زاھداً عالماً"۔

(حضرت نجم الدین کبریٰؒ ابوالجناب احمد بن عمر بن نجم صوفی خوارزم کے شیخ کبیر۔ امام وقت بہت بڑے زاہد اور عالم تھے)

شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی جائے پیدائش کی تذکرہ نگاروں نے تصریح نہیں کی۔ البتہ اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ خرقۂ خلافت پہننے کے بعد انھوں نے خوارزم میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

(۲)

تذکرہ نگاروں نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے خاندان کے تفصیلی حالات نہیں لکھے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک علمی خاندان تھا۔ اور فقر و تصوف سے شغف رکھتا تھا۔ شیخ نجم الدین نے نہایت محنت سے علوم ظاہری کی تحصیل کی اور دور دراز کا سفر کرکے اس دور کے بڑے بڑے نامور علماء و محدثین سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں علامہ ابوالمعالی فراوی نیشاپوری۔ حافظ ابوالعلا ہمدانی اور امام ابو طاہر سلفی (مصری) جیسے بلند مرتبت محدثین شامل ہیں۔ چند سال کے اندر اندر حضرت نجم الدین نے تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، کلام، مناظرہ وغیرہ تمام علوم ظاہری میں درجۂ تبحر حاصل کرلیا۔ کہتے ہیں کہ بڑے سے بڑے عالم کو کسی مسئلہ میں ان سے مناظرہ کرنے کا یارا نہ تھا۔ وہ اپنے پر زور دلائل سے حریف کو خاموش کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں میں "طامۃ الکبریٰ" کے لقب سے مشہور

ہو گئے تھے۔ بعد میں یہ لقب مخفف ہو کر صرف "کبریٰ" رہ گیا۔ حافظ علامہ ابن نقطہ محدث عراق نے شیخ نجم الدینؒ کی بابت لکھا ہے کہ "وہ حدیث وسنت کے امام تھے۔ اور شافعی مسلک کے پابند تھے۔ ان کی مجالس بڑی بابرکت اور پر اثر ہوتی تھیں۔ نہایت نڈر اور حق گو تھے۔ کلمہ حق کہنے سے دنیا کی کوئی طاقت انہیں باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ لوگ دور دراز سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خاطر خواہ طور پر فیض یاب ہو کر واپس جاتے۔

ایک عرصہ تک حضرت نجم الدینؒ کی دلچسپی محض علوم ظاہری۔ اور درس و تدریس تک ہی محدود تھی۔ فقر و تصوف سے انہیں مطلق دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بڑے عظیم مراتب مقدر کر رکھے تھے۔ ایک دن وقت آگیا کہ وہ قال سے حال کی طرف آگئے۔ ایک دفعہ وہ تبریز میں مقیم تھے اور امام محی السنۃ بغوی کے ایک شاگرد سے امام موصوف کی کتاب شرح السنۃ پڑھتے تھے۔ ان دنوں تبریز میں بابا فرج تبریزی رحہ بڑے پائے کے ولی اللہ تھے۔ ایک دن وہ اتفاق سے درس گاہ کی طرف آنکلے۔ انہوں نے ایک بھرپور نگاہ شیخ نجم الدینؒ پر ڈالی۔ اس نگاہ عقدہ کشا نے دفعتاً شیخ نجم الدین کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔ وہ بابا فرجؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے صحبت باطنی سے نوازا اور اپنا خرقہ پہنا کر فرمایا "ترا وقت دفتر خواندن نیست، وقت است کہ سر دفتر جہاں شوی"

بابا فرجؒ سے خرقہ پانے کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی حالت میں تغیر عظیم پیدا ہو گیا اور وہ راہ سلوک پر گامزن ہو گئے۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو بابا فرج تبریزیؒ کے علاوہ اس دور کے پانچ دوسرے اولیائے کبار سے بھی نسبت ہے۔ انہوں نے ان بزرگوں سے بلا واسطہ فیض پایا اور خرقہ پہنا۔ ان بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱:۔ حضرت شیخ الشائخ ضیاء الملۃ والدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردیؒ (بانی سلسلہ سہروردیہ)

۲:۔ حضرت محبوب سبحانی۔ قطب الاقطاب۔ سید الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانیؒ (بانی سلسلہ قادریہ)

۳:۔ حضرت شیخ اسمٰعیل قصری سہروردی (خلیفہ حضرت عبد القاہر سہروردیؒ)

۴:۔ حضرت شیخ روزبہان کبیر مصری سہروردیؒ (خلیفہ حضرت عبد القاہر سہروردیؒ)

۵:۔ حضرت شیخ عمار یاسر سہروردیؒ (خلیفہ حضرت عبد القاہر سہروردیؒ)

اتنے عظیم المرتبت بزرگوں سے فیض پا کر شیخ نجم الدین کبریٰ نہایت بلند مرتبہ پر پہنچ گئے اور مقتدائے عارفان کامل اور پیشوائے مشائخ عالم بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کی ایک بھرپور نظر سے ایک عامی بھی عارف

کامل ہو جاتا تھا۔
اسی سبب سے وہ لوگوں میں "دلی تراش" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔
شیخ اوحدیؒ اپنی مناجات میں شیخ نجم الدین کبریؒ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں ؎

یارب بہ دلی تراش مطلق | آن نجم و نجوم ملت حق
یارب بہ دلی تراشئے او | خاصیت فیض پاشئے او
یارب بکمال بخش بے رنج | واصل کن مجددین بہ شطرنج

مختلف تذکروں میں آپ کی بے شمار کرامات اور خوارق عادات درج ہیں۔ آپ کے فیض صحبت سے ہزاروں گمراہ راہ راست پر آگئے۔ اور بے شمار طالبان حق منزل مقصود تک پہنچ گئے جس پہ توجہ ڈالی وہ مرتبۂ ولایت پر فائز ہو گیا۔ جن بزرگوں نے آپ سے خصوصی فیض اٹھایا۔ ان میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔
حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ اگرچہ اپنے عم محترم حضرت عبدالقاہر کے سہروردی سلسلہ میں خلیفۂ اعظم تھے تاہم وہ اپنے پیر بھائی شیخ نجم الدینؒ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور ان کو "شیخنا" "خواجم" کے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔ انہوں نے شیخ نجم الدین کبریؒ سے تبرکاً خرقۂ کمیلیہ پہنا اور اس سلسلہ کی خلافت و اجازت لی۔ صاحب "مناقب الاصفیا" کا بیان ہے کہ

"خرقۂ خاندان خواجہ کمیل رح زیادہ شیخ شہاب الدین سہروردی رابواسطۂ خواجہ نجم الدین کبریٰ رح رسیدہ است۔"

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بچشم خود حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ تحریر دیکھی ہے۔

"البس هو اسمعیل قصری شیخنا ابا الجناب احمد بن عمر الصوفی یالبس هو هذا الفقیر۔"

"یعنے شیخ اسمٰعیل قصری رح نے ہمارے شیخ ابو الجناب احمد بن عمر الصوفی یعنی نجم الدین کبریٰ رح کو خرقہ پہنایا اور انہوں نے اس فقیر کو خرقہ پہنایا۔"

ہندوستان و پاکستان میں سلسلۂ چشت کے موسس حضرت شیخ الہند خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس سرہ بھی شیخ نجم الدین کبریٰ رح سے فیضیاب ہوئے۔ وہ اپنی سیاحت کے دوران میں شیخ نجم الدین کبریٰ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اڑھائی سال تک آپ کے پاس رہ کر خوب خوب فیض حاصل کیا

(۴)

شیخ سیف الدین باخرزی رح اور امام فخر الدین رازی رح کا شیخ نجم الدین کبریٰ رح کے حلقۂ ارادت میں آنے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ "فوائد الفواد" میں لکھتے ہیں کہ شروع شروع میں شیخ سیف الدین باخرزی کو صرف علوم ظاہری سے دلچسپی تھی اور وہ فقر و تصوف کو محض

ایک ڈھونگ سمجھتے تھے۔ وہ اکثر اپنی مجالس وعظ و ارشاد میں صوفیائے کرام پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک دن شیخ نجم الدین کبریٰؒ ان کی مجلس میں تشریف لے گئے اور خاموشی سے ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔ شیخ سیف الدین باخرزی رحمہ حسب معمول صوفیائے کرام پر تنقید و تنقیص شروع کی حضرت نجم الدین کبریٰؒ متبسم ہو کر ان کا وعظ سنتے رہے بلکہ ان کے بعض جملوں پر داد دیتے اور فرماتے "سبحان اللہ چہ قابلیت ایں جوان است"۔ وعظ ختم ہوا تو شیخ نجم الدین کبریٰؒ مجلس سے اٹھے اور اپنی قیام گاہ کا رخ کیا۔ جاتے ہوئے اتنا فرمایا "کیا یہ جوان نہیں آتا" معلوم نہیں اس جملہ میں کیا تاثیر تھی کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ از خود رفتہ ہو گئے۔ اور بے اختیار شیخ کبریٰؒ کے قدموں پر گر پڑے۔ پھر آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی حضرت کے فیض صحبت سے رتبۂ عظیم حاصل کیا اور آپ کے نامور خلفاء سے ہوئے۔

اسی طرح امام فخر الدین رازیؒ کو بھی اپنے علم پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ شیخ نجم الدین کبریٰ رح ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اس میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح اور کئی دوسرے عظیم المرتبت علماء و مشائخ بھی موجود تھے۔ اتفاقاً سے امام رازی رح بھی اس مجلس میں آ نکلے اور شیخ شہاب الدین رح سے شیخ کبریٰ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ایشاں از خلفائے بندگی خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی اند"۔ امام رازیؒ نے شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے سوال کیا "بِمَ عَرَفْتَ اللّٰہَ" یعنے آپ نے اللہ کو کس دلیل سے پہچانا۔

شیخ کبریؒ نے جواب دیا بالواردات الالٰهیة الغیبیة التی لاتحملها الافهام الضعیفة۔

یعنی ہم نے خدا کو ان واردات الٰہیہ غیبیہ کے ذریعہ پہچانا جو فہم و ادراک ضعیفہ کی پہنچ سے باہر ہیں۔

امام رازیؒ یہ جواب سن کر حیران گئے۔ پھر انہوں نے عالمانہ انداز میں کسی مسئلہ پر بحث چھیڑ دی۔ شیخ کبریؒ کو ان کا مظاہرۂ علمیت ناگوار گذرا۔ انہوں نے ان کے قلب پر توجہ ڈالی۔ دفعۃً امام رازیؒ کو محسوس ہوا کہ تمام علم و فضل ان کے سینہ سے سلب ہو گیا۔

مخدوم شاہ شعیبؒ صاحب "مناقب الاصفیا" کا بیان ہے "چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ خود در رسالہ آوردہ است کہ ہر چند اندیشہ می کردم کہ مرا حرفے از حروف تہجی یاد آید نمی آمد"

امام رازیؒ سمجھ گئے کہ یہ میرے زعم کا نتیجہ ہے اسی وقت حضرت نجم الدین کبریؒ سے عفو تقصیر کے خواہاں ہوئے حضرت نے انہیں سینے سے لگا لیا۔ اس وقت امام رازیؒ نے تمام کمالات علمی کو اپنے سینے میں موجود پایا۔

۵

شیخ نجم الدین کبریؒ علوم ظاہری و باطنی کے منتہی تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر بارہ جلدوں میں لکھی تھی افسوس کہ یہ گراں قدر تفسیر آج نایاب ہے۔ اس کے علاوہ فارسی اور عربی میں آپ نے کئی اور کتابیں تصنیف

فرمائیں۔ ان میں ایک کتاب موسوم بہ "تبصرہ" اور ایک رسالہ بیان طریق سلوک میں ہے۔

علم و فضل کے میدان میں آپ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ جب شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رح نے اپنی مشہورِ عالم کتاب "عوارف المعارف" تصنیف فرمائی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اسے خواجہ نجم الدین کبریٰ رح کی خدمت میں پیش کرو۔ اگر وہ اسے پسند کریں تو بہتر ورنہ اسے ضائع کردو۔ حضرت نجم الدین کبریٰ نے "عوارف المعارف" کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور فرمایا کہ تصوف کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

"مناقب الاصفیا" میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے

"از اہلِ وثوق سماع است کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رح چوں عوارف را تصنیف کرد گفت بخواجہ عرض کنید یعنی بر خواجہ نجم کبریٰ عرض کنید اگر او قبول کند بماند وگرنہ بشوئید۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ چوں عوارف را دید گفت صوفی را ازیں چارہ نیست، ہر صوفی کہ ایں کتاب نداند مرادہ را نداند صوفی نباشد۔"

"عوارف المعارف" کو صوفیائے کرام کے حلقہ میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ سہروردی اور چشتیہ سلسلوں کے صوفیائے کبار کے حلقوں میں تو اس کتاب کا درس ہوتا تھا۔ آج بھی اس کتاب کو تصوف کی بنیادی کتابوں

میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ عربی اور فارسی میں فن سخن بھی فرماتے تھے۔ ان کے چند عربی اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

لیس التصوف فاعلمن مرقعا
او دکوۃ او کثرۃ الاسفار
او بذل مال او صلوۃ تہجد
او حجۃ او صیام بنھار
لکن مراقبۃ الالہ بسرہ
ودوام ذکر واحترام کبار

یعنی تصوف، گدڑی پوشی۔ کثرت سفر، بخشش و سخاوت۔ تہجد گذاری یا روزہ و حج کا نام نہیں ہے بلکہ مراقبۂ اسرار الٰہی ذکر و فکر کی کثرت اور بزرگوں کے ادب و تعظیم کو تصوف کہتے ہیں۔

فارسی میں شیخ کبریٰ کی یہ رباعی مشہور ہے۔

با در دلیا ز چوں دوائے تو ہم — با کس ننشیں چو آشنائے تو ہم
گر بر سر کوئے عشق با کشتہ شوی — شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو ہم

شیخ نجم الدین سنت رسول اللہ اور بزرگان دین کے مسلک کی پابندی پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو شخص راہ فقر و تصوف میں قدم رکھے اسے چاہئے کہ اپنا کردار بھی بزرگان سلف کے طریقے کے مطابق بنائے۔ اور پھر اسے بھی اپنا ظاہر و باطن درست رکھے ورنہ قیامت کے دن

ان بزرگوں کے سامنے شرمندہ ہوگا۔

(۶)

ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں فتنۂ تاتار نے عالم اسلام کے ایک وسیع حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۶۱۷ھ میں سیل تاتار کی لہریں خوارزم کی دیواروں سے آٹکرائیں۔ سلطان خوارزم شاہ نے بڑی جوانمردی سے تاتاریوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن وحشی تاتاریوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ چلی۔ اور وہ خوارزم میں محصور ہونے پر مجبور ہوگیا۔ پانچ ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ اس کے بعد تاتاری ایک زبردست ہلہ کے بعد شہر میں داخل ہوگئے۔ اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ بھی شہر میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے چند مخصوص شاگردوں کو حکم دیا کہ وہاں سے نکل چلیں اور دوسرے ممالک میں جاکر رشد وہدایت میں مشغول ہوجائیں۔ ان لوگوں نے ہر چند خوارزم چھوڑنے میں تامل کیا۔ لیکن شیخ کبریٰ کے حکم سے مجبور ہوکر چلے گئے۔ اس کے بعد شیخ نجم الدین رح نے اپنے ہاتھ میں نیزہ لیا۔ اور دوسرے ساتھیوں سے فرمایا کہ آؤ اب جہاد فی سبیل اللہ کا وقت ہے۔

ان کے مٹھی بھر ساتھی نعرۂ تکبیر لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور شیخ نجم الدین کبریٰ رح کے ہمراہ تاتاریوں سے برسرپیکار ہوگئے۔ بے شمار تاتاریوں کو جہنم واصل کرنے کے بعد اس مقدس جماعت کے تمام مجاہدین

ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ رح کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ تھوڑے سے ہی عرصہ کے بعد تاتاریوں پر اسلام کا اثر پڑنا شروع ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ وہ اسلام کے دست و بازو بن گئے۔

حسین سفاقسی رح

(۱)

۵۵۱ھ / ۱۱۵۶ء میں شمالی افریقہ کا وسیع و عریض علاقہ نارمن قوم کے زیر اقتدار تھا۔ نارمنوں کی حکومت کا مرکز تو سسلی (صقلیہ) تھا۔ لیکن شمالی افریقہ کے تمام مسلم فرمانرواؤں کو انہوں نے اپنا باجگذار بنا لیا تھا۔ اور وہ شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں پر نارمنوں کی طرف سے حکومت کر رہے تھے ان علاقوں میں ایک مشہور ریاست سفاقس تھی۔ وہاں کا والی ایک غیور مسلمان عمر بن حسین تھا۔ مصلحت وقت نے اسے عارضی طور پر نارمن عیسائیوں کی باجگذاری پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے مسلمانوں پر جو خوفناک مظالم ڈھائے تھے عمر کے دل میں ان سے گہرا گھاؤ پڑ گیا تھا۔ اور وہ ہر وقت نارمنوں سے مظلوم مسلمانوں کا بدلہ لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ عمر کا باپ حسین نارمنوں کے پاس بطور یرغمال صقلیہ میں نظر بند تھا۔ اس لئے عمر کا علم بغاوت بلند کرنا اپنے باپ کو قتل کرا دینے کے مترادف تھا اس لئے وہ نارمنوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے ہچکچا رہا تھا۔ عمر کا باپ

حسین ایک سچا مسلمان تھا۔ مسلمانوں کی مظلومی اور محکومی پر اس کا دل ہمیشہ کڑھتا رہتا تھا۔ آخر جذبۂ شہادت نے اس کے سینے میں انگڑائی لی اور اس نے اپنے بیٹے عمر کو خفیہ پیغام بھیجا کہ میں لب گور ہوں آج نہیں کل جام اجل پینا ہے۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ کفار سے برسرپیکار ہو جاؤ اور میری جان کی پروا نہ کرو۔ مسلمانان سفاقس کی آزادی کے لئے ایک جان تو کیا ہزار جانیں ہوں تو قربان کر سکتا ہوں"۔

(۳)

عمر نے باپ کا پیغام ملتے ہی نارمنوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ان کا جھنڈا سفاقس کے قلعہ سے اتار پھینکا اور اس پر علم اسلام لہرا دیا۔ اس کے بعد سفاقس کے تمام عیسائیوں کو جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے چن چن کر قتل کیا۔ نارمنوں کو ان حالات کی خبر پہنچی تو انہوں نے ایک عتاب آمیز خط اپنے قاصد کے ہاتھ عمر کے پاس بھیجا۔ عمر نے نارمن قاصد کو ٹھہرا لیا اور اس کے سامنے ایک جنازہ نہایت تزک و احتشام سے اٹھانے کا اہتمام کیا۔ جنازہ میں سفاقس کے تمام مسلمان شریک تھے۔ یہ جلوس شہر سے گذر کر قبرستان میں پہنچا اور وہاں اس جنازہ کو نہایت احترام سے دفنا دیا۔ عمر نے اب نارمن ایلچی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سفاقس کی آزادی میں نے اپنے باپ کی جان کے عوض خریدی ہے۔ اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ میرے باپ نے پیک اجل کو لبیک کہا ہے اور ہم نے اس

کا جنازہ دفن کر دیا ہے۔ اب ہم لوگ اس کا سوگ کرنے بیٹھے ہیں۔"

نارمن ایلچی نے صقلیہ پہنچ کر تمام واقعات شاہ صقلیہ کے گوش گزار کئے وہ غضب ناک ہوگیا اور حکم دیا کہ حسین کو پھانسی دے دو۔

حسین نے پہلے ہی اپنی جان راہ حق میں وقف کی ہوئی تھی وہ نہایت مسرت و اطمینان کے ساتھ تختہ دار پر چڑھ گیا۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حسین کی شہادت کی خبر بجلی کی طرح سارے افریقہ میں دوڑ گئی۔ اور مسلمانوں نے اعلان جہاد کر دیا۔ ۵۵۵ھ (1159ء) تک انہوں نے تمام شمالی افریقہ کو نارمنوں کے وجود سے پاک کر دیا۔

شیخ محمد بن عبداللہ الحسنؒ

(۱)

یہ داستان جہاد ہے ایک مرد صالح و غیور کی ـــ جسے انگریزوں نے "صومالی لینڈ کا جنونی ملا" کے نام سے شہرت دی۔

تہذیب حاضر کی لعنتوں سے دور افتادہ ـــ افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا بے شمار ایسے مردان غیور کی پرعظمت اور جرأت آموز داستانوں کے حامل ہیں جن کے کارناموں پر تاریخ ہزاروں سال سر دھنتی رہے گی۔

ہاں وہ تپتے ہوئے صحرا جہاں میلوں تک جھلستی ہوئی ریت ہے اور کہیں آب و گیاہ کا نام و نشان تک نہیں۔ انہیں صحراؤں میں خدائے حی و قیوم نے ایسے مردان اولو العزم پیدا کئے جنہوں نے صرف اپنے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اسی کے آگے سر جھکایا اور اسی کی مدد سے بڑی بڑی مہیب طاغوتی طاقتوں کو سرنگوں کر دیا۔ ہاں طرابلس کے شیخ سنوسی۔ سوڈان کے مہدی۔ الجزائر کے عبدالقادر۔ ریف کے عبدالکریم اور اسی طرح کے بے شمار مردان غیور کی داستانیں ایسی نہیں کہ آسانی سے بھلائی جا سکیں۔ ان صحراؤں کا چپہ چپہ بظاہر خشک لیکن

بیاطن انسانی خون کا سمندر جذب کئے ہوئے ہے۔ یہ خون علمبرداران حریت کا ہے جنہوں نے استبداد اور طاغوت کی طاقتوں کو شکست دینے اور علم اسلام کو بلند رکھنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ یہ خون ان پرستاران باطل کا بھی ہے جو اپنے شیطانی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر سرورِ کونین کے نام لیواؤں کے مد مقابل آئے۔ اور انہیں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے۔ انہیں تپتے ہوئے صحراؤں میں ایک ایسے مرد مجاہد کی داستانِ جہاد بھی پوشیدہ ہے جس سے مسلمانوں کا موجودہ طبقہ بہت کم آگاہ ہے۔

(۴)

ہماری مراد سومالی لینڈ کے مجاہد اعظم سید محمد بن عبداللہ الحسن سے ہے قلم کو یارا نہیں کہ اس مرد مجاہد کی داستانِ جہاد کو قلمبند کرے۔ وہ عالم باعمل وہ پیکر حریت۔ وہ قرونِ اولٰے کے مسلمانوں کی تصویر ہے۔ افسوس کہ دنیا اس کے بعد بھی اس کے عظیم کارناموں سے آگاہ نہیں ہوئی۔ وہ جس کے کارناموں کا پایہ بلاشبہ قرونِ اولٰے کے مجاہدین کی ترکتازیوں سے لگا کھاتا ہے۔ وہ جس کی مجاہدانہ للکار نے استعمار فرنگ کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ وہ جس نے اپنی ساری متاع حیات حکومت الٰہیہ کے قیام پر صرف کر دی۔ وہ جس نے مسلسل بیس سال تک محض اللہ کے بھروسے پر اتنی خوفناک طاقتوں سے ٹکر لی جن کے سامنے بڑی بڑی با جبروت سلطنتیں سرنگوں تھیں۔ اور جن کے جھنڈوں کے ایسے پھریرے بڑی شان سے دنیا کے ایک وسیع ترین حصے پر لہرا رہے تھے۔ افسوس کہ

آج مسلمانوں میں اس کے نام کو بھی جاننے والے خال خال نظر آتے ہیں۔ یہاں ہم مختصر طور پر قارئین کرام کو اس غیر معروف میدانِ جہاد کا حال بتائیں گے جو چند بے سروسامان غازیوں کے نعرہ ہائے جہاد سے مسلسل بیس سال تک گونجتا رہا۔ ان غازیوں کے ــــ جن کے پاس ٹوٹی پھوٹی تلواروں، برچھیوں، اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی سے خریدی ہوئی یا دشمن سے اپنی قوت بازو کے بل پر چھینی ہوئی بندوقوں اور قوت ایمانی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

(۳)

سومالی لینڈ

سومالی لینڈ بر اعظم افریقہ کے شمال مشرقی گوشہ میں تین لاکھ بیس ہزار مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ایک وسیع قطعہ زمین ہے۔ اسے "افریقہ کا سینگ" کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے اٹلی فرانس اور برطانیہ اور حبش نے اسے تقسیم کر رکھا تھا۔ اس جنگ نے جہاں کئی قوموں کی قسمتیں بدل ڈالیں وہاں سومالی لینڈ کی تقسیم کی صورت بھی بدل گئی۔ اور پھر چند سال بعد سومالیہ کے نام سے ایک نئی اسلامی مملکت معرض وجود میں آئی۔ آج سومالیہ خدا کے فضل سے دنیا کے آزاد ممالک کی صف کا ایک مسلمان رکن ہے اور عالم اسلامی کے اتحاد کا پرجوش حامی ہے۔

آج سے چالیس پچاس برس قبل جس زمانے سے "حضرت ملائے سومالی لینڈ" شیخ محمد بن عبد اللہ الحسن رح کی داستان جہاد وابستہ ہے۔ سومالی لینڈ کو چار طاقتوں یعنی اٹلی، برطانیہ، فرانس اور حبش نے تقسیم کر رکھا تھا اور اس تقسیم کی صورت

پر تھی۔

مشرقی ساحل سے لے کر اندرون ملک تک ..... اٹلی

شمالی حصہ .... برطانیہ

مغربی حصہ .... فرانس

جنوب مغربی حصہ .... حبش

سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے ریگستانی اور بالکل بنجر ہیں۔ اس کے بعد پہاڑی علاقہ ہے جہاں شدید گرمی پڑتی ہے۔ وسطی علاقہ میں البتہ نخلستان چراگاہیں اور کنوئیں وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کا پیشہ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا ہے۔ لوگ بے حد غریب ہیں اور بڑی تنگدستی کے ساتھ گذر اوقات کرتے ہیں۔ یہ لوگ خالص عربی النسل ہیں۔ ان کی شکل و شباہت اور رنگ اپنے پڑوسی حبشیوں سے بالکل جدا ہے یہ لوگ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں بڑی سے بڑی مصیبت اور بھوک پیاس کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں۔ اپنے مذہب (اسلام) کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان لوگوں کا قیام کسی ایک جگہ پر نہیں ہوتا۔ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ لوگ انفرادی اور اجتماعی طور پر بالطبع اور قوت لایموت کے حصول کی خاطر دور دراز کے سفر بھی کر لیتے ہیں۔

(۴)

سومالی لینڈ کی ابتدائی تاریخ

افریقہ کے اس سینگ کے

متعلق ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کے حالات پر تاریخ کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں عربوں کی نظریں اس قطعۂ زمین پر پڑیں اور انہوں نے اس پر مسلسل حملے کرکے اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اور ان کے کئی قبائل یہاں ہی آباد ہو گئے۔ موجودہ سومالی لینڈ کے باشندوں کی رگوں میں انہیں فاتح عربوں کا خون دوڑ رہا ہے۔ ١٥١٦ء میں ترکوں نے سومالی لینڈ پر یورش کی۔ اور یہاں کی ایک بندرگاہ زیلع پر قبضہ کر لیا۔ لیکن چند سال کے بعد پرتگیزوں کے زبردست بحری بیڑے نے اس بندرگاہ کو تباہ کر دیا۔ اس کے بعد کافی مدت تک سومالی لینڈ والئی یمن اور شریف مکہ کے زیر اقتدار رہا۔ اس کے بعد سومالی لینڈ ایک حد تک خود مختار ہو گیا۔ ہر ایک قبیلہ یا دو تین قبیلے مل کر اپنا ایک امیر منتخب کر لیتے تھے۔ ١٨٣٩ء میں برطانیہ عدن پر قابض ہوا تو اس وقت سومالی لینڈ خود مختار ہی تھا۔ عدن کی بندرگاہ کے ساتھ سومالی لینڈ کا بڑا تعلق تھا۔ کیونکہ سومالی لینڈ کے لوگ اپنا تجارتی کاروبار اسی بندرگاہ کے ذریعے کرتے تھے۔ چنانچہ برطانیہ کو عدن پر اپنا پنجہ مضبوط کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے سومالی لینڈ کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس نے یہاں کے لوگوں سے ان کے باشمول شیوخ قبیلہ کی معرفت چند تجارتی معاہدے کر لئے۔ ١٨٧٥ء میں سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے پر خدیو مصر اسمٰعیل اول نے سلطان ترکی سے اجازت لے کر قبضہ کر لیا۔ لیکن ١٨٨٤ء میں جب مہدی سوڈانی کا ظہور ہوا تو حکومت مصر اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف منعطف کرنے پر مجبور ہو گئی اور اس نے

سومالی لینڈ کے ساحلی علاقے سے اپنا قبضہ اٹھا لیا۔ حکومت مصر کے قبضہ اٹھاتے ہی برطانیہ نے میدان بالکل صاف سمجھا اور سومالی لینڈ کی مشہور بندرگاہ بربرہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے دندان آز اس غریب ملک پر تیز کرنے شروع کر دئے۔ سومالی لینڈ کے ایک خاص حصے پر برطانیہ کا اثر و رسوخ تو پہلے ہی کافی تھا۔ لیکن ۱۸۹۸ء میں برطانیہ کے اربابِ حل و عقد نے فیصلہ کیا۔ کہ سومالی لینڈ کو مکمل طور پر اپنے زیرِ اقتدار لایا جائے۔ عین اس وقت جب برطانیہ ایک آزاد اور غیور قوم کے گلے میں غلامی کا پھندا ڈالنے کے لئے اسے اپنے طلسم سامری سے مسحور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سومالی لینڈ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے ایک مردِ غیور اٹھا اور للکارا کہ "خبردار ہم آزاد ہیں اور آزاد رہیں گے ہماری آزادی میں مت دخل دو۔ ورنہ ہم اس کے لئے کٹ مریں گے۔ ہم خدا اور رسول کے دشمنوں کی اطاعت کبھی قبول نہیں کریں گے"۔ اس مردِ مجاہد نے جو نعرہ بلند کیا زندگی کے آخری سانس تک اسے نبھایا۔ جو علم بلند کیا دمِ واپسیں تک اسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔

۵

مردِ مجاہد

یہ مردِ مجاہد شیخ محمد بن عبداللہ الحسن رحمہ تھے۔ ان کی ابتدائی زندگی کے مفصل حالات باوجود کوشش کے نہیں مل سکے۔ البتہ ان کے بعد کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں اچھی خاصی دینی تعلیم حاصل کی اور ان کی

پرورش بڑے آزادانہ اور اسلامی ماحول میں ہوئی۔ بہرحال انیسویں صدی کے آخر میں شیخ محمد رحؒ (جو بلائے سومالی لینڈ کے نام سے مشہور ہوئے) منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ سومالی لینڈ کے اکثر قبیلے ان کے سلسلۂ طریقت میں منسلک ہو چکے تھے اور جو نہیں ہوئے تھے وہ بھی ان کے زہد و تقویٰ اور دوسری بیشمار خوبیوں کی وجہ سے ان کا بیحد احترام کرتے تھے۔ شیخ صاحب شب و روز سومالی لینڈ کے لوگوں کو ارکانِ اسلام کی پابندی کی تلقین کرتے رہتے تھے اور تمام خلافِ شریعت کاموں سے انہیں منع فرماتے تھے۔ ان کے حلقۂ ارادت میں جو لوگ شامل تھے۔ وہ شرعی احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے اور مشتبہات کے نزدیک تک نہیں پھٹکتے تھے شیخ صاحب کے ارشادات کی بدولت ہر طرف قال اللہ و قال الرسول کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور قبائل کی باہمی خانہ جنگیاں قطعاً موقوف ہو گئیں۔ غرض سید محمد بن عبداللہ الحسن اس وقت سومالی لینڈ میں ایک مقتدر حیثیت رکھتے تھے۔

(۶)

ابلیس کی انگڑائیاں

عین اس وقت جب یہ مقدس ہستی خاموشی اور امن کے ساتھ سومالی لینڈ کو رشد و ہدایت کے نور سے منور کر رہی تھی۔ برطانوی شہنشاہیت کے دل میں ابلیسی ولولے پیدا ہونے شروع ہوئے۔ سید محمد کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے اسے چوکنا کر دیا اور اس نے ان کے اثر و رسوخ کو زائل کرنے اور سومالی لینڈ پر اپنا مکمل تسلط جمانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ اس کا آغاز یوں ہوا کہ بہت سے پادریوں پر مشتمل

ایک برطانوی مشن سومالی لینڈ بھیجا گیا جس نے وہاں کے بعض جاہل باشندوں کو ترغیب و تحریص اور دوسرے ناجائز طریقوں سے عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ جب سید محمد کو اس کی اطلاع ملی تو ان کا خون کھول اٹھا۔ عیسائیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے انہوں نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں بہت تیز کر دیں۔ نتیجۃً اس عیسائی مشن کے خلاف سارے سومالی لینڈ میں حقارت اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ برطانیہ سارے حالات پر کڑی نظر رکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں سارے سومالی لینڈ پر قبضہ جما لینے کی خواہش رہ رہ کر چٹکیاں لے رہی تھی۔ برطانیہ کے مکار مدبرین عیسائی مشن کی ناکامی اور نامرادی سے اپنے ناکام عزائم کو مخفی نہ رکھ سکے۔ انہوں نے سومالی لینڈ کے امن پسند باشندوں کو بزورِ شمشیر غلام بنانے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء میں برطانوی ملوکیت کا بھوت ننگا ہو کر ناچ اٹھا۔ سب سے پہلے برطانوی قونصل نے سید صاحبؒ کو ایک دو خطوط روانہ کئے جن میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اور ان کے پیرو قبائل اپنے ہتھیار برطانوی حکام کے حوالے کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں مرعوب کرنے کے لئے بربرہ کی بندرگاہ پر دو جنگی جہاز بھیج دئے۔ لیکن سید صاحبؒ پر ان اقدامات کا ذرہ برابر اثر بھی نہ ہوا۔ ان کے آدمیوں کے پاس ٹوٹے پھوٹے معمولی ہتھیار تو ضرور تھے۔ مگر ان کی حق پرست اور غیور طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ وہ فرنگی استعمار کے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ انہوں نے ہتھیار دینے سے صاف انکار کر دیا۔

(۷)

آغازِ جنگ

سید صاحب کے ساتھ خط و کتابت تو محض ایک بہانہ تھی۔ برطانیہ کے مکار مدبرین دراصل اپنی ہولناک فوجی قوت کے استعمال

کے لئے کوئی حیلہ تلاش کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے سید صاحب کے باغی ہونے کا اعلان کر دیا اور ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ سب سے پہلے انہوں نے حکومت حبش کو اکسایا کہ وہ سید صاحبؒ اور ان کے حامیوں کا قلع قمع کر دے۔ حکومت حبش نے "تعمیل ارشاد" کرتے ہوئے سید صاحب کے مریدوں کی پر امن جمعیتوں پر حملے شروع کر دئیے اور انہیں کافی مالی و جانی نقصان پہنچایا۔ سید صاحبؒ اور انکے حامی پہلے تو حبش کی فوجوں کو ڈھیل دیتے رہے۔ لیکن آخر حبش کے ظلم و بربیت کا استیصال کرنے کے لئے انہوں نے ہتھیار اٹھا ہی لئے۔

"جججنہ" کے مقام پر سید صاحب کے مجاہد درویشوں اور حبشہ کی فوجوں میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں حبشہ کو شکست فاش ہوئی اور اس کی فوجیں نقصان عظیم اٹھا کر تتر بتر ہو گئیں۔ حبش کی شکست نے برطانیہ کے اندازے غلط ثابت کر دئے۔ برطانوی حکومت کے ناخدا جھلا اٹھے اور انہوں نے سید صاحبؒ پر پوری قوت سے حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

(۸)

برطانیہ کی پہلی جنگی مہم

۱۹۰۱ء کے آخر میں کرنل سوین کی زیر سرکردگی ایک لشکر جرار نے بربرہ کی بندرگاہ کے رستے سومالی لینڈ کے بے سرو سامان مجاہدین پر یلغار کر دی۔ اس لشکر میں پنجاب کی کئی سکھ پلٹنیں، گورہ فوجیں اور سومالی لینڈ کے کئی "وفادار" قبائل (جو سید صاحب کے حلقہ ارادت سے باہر تھے) شامل تھے۔ اس کے ساتھ ایک بھاری توپخانہ اور

ہر قسم کے جدید آلات حرب و ضرب تھے۔ ادھر سید صاحب یہ سب کچھ دیکھتے تھے اور اپنے مولائے کریم سے کفار کے شر سے بچنے کی دعا مانگتے تھے۔ ان کا پائے استقلال ذرہ برابر بھی نہ لڑکھڑایا۔ وہ اپنے درویشوں کو اسی ذات واحد پہ بھروسہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ان مجاہد درویشوں نے بھی (جن کی تعداد محض چند ہزار تھی) اپنی جانیں اللہ کی راہ میں وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ بچہ بچہ کٹا دیں گے لیکن کفار کی غلامی قبول نہ کریں گے۔ وہ جوشِ جہاد میں اس قدر بیقرار ہو گئے کہ نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر انہوں نے خود برطانوی لشکر پہ حملہ کرنے کی ٹھان لی چنانچہ دو تین ہزار درویشوں کا ایک لشکر (جن میں اکثریت محض برچھیوں سے مسلح تھی) اللہ اکبر کے نعرے لگاتا سمالہ کے مقام پر برطانوی فوجوں پہ ٹوٹ پڑا۔ اور توپوں کے منہ میں مردانہ وار گھس گیا۔ برطانوی لشکر کو اگرچہ یہاں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن ان کی زبردست آتشباری نے انہیں شکست سے بچا لیا۔ درویشوں کا لشکر یہاں سے ہٹ کر مختلف مقامات پہ پھیل گیا۔ اور ان کے منتشر حصوں کی برطانوی لشکر سے گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر کار "فردالدین" کے مقام پہ سید صاحبؒ نے اپنی قوت مجتمع کر کے برطانوی افواج سے ایک خونریز جنگ لڑی۔ اس جنگ میں درویش اس جرأت اور جذبہ کے ساتھ لڑے کہ برطانیہ کی قاہر فوج نے باوجود اپنے اعلیٰ ہتھیاروں اور توپ خانہ کے بری طرح شکست کھائی اور یہاں سے پسپا ہو کر بہت پیچھے ہٹ گئی۔ اس جنگ کے ساتھ ہی برطانیہ کی پہلی جنگی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔

(۹)

مجاہدین سومالی لینڈ پہ برطانیہ کا دوسرا فوجی حملہ

جب انگلستان

میں بے سروسامان اور فاقہ مَست درویشوں کے ہاتھوں برطانوی افواج کی ہزیمت کی خبریں پہنچی تو برطانیہ کے طول و عرض میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور برطانوی حکومت نے سومالی لینڈ کو دوسری جنگی مہم بھیجنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۱۹۰۱ء کے موسم گرما میں کرنل سوین بی کے زیر کمان ایک زبردست برطانوی فوج سید صاحبؒ اور ان کے درویشوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے سومالی لینڈ پر حملہ آور ہوئی۔ سید صاحبؒ بھی اب چوکنے ہو گئے تھے۔ انہوں نے سومالی لینڈ کے تمام فدائیان اسلام کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک پرجوش خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"انگلستان کا ہم نے کچھ نہیں بگاڑا لیکن یہ لوگ پہلے تو بلا وجہ ہمارے مذہب میں دخل اندازی کرتے رہے اور اس کے بعد نہایت ظالمانہ انداز میں ہمارے ملک پر حملہ کر دیا۔ اے اسلام کے فرزندو! اگر تم نے اس بدباطن قوم کی غلامی کا پھندا اپنی گردن میں ڈال لیا، تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ جاؤ گے۔ اٹھو اور میدان جہاد میں سرگرم وغا ہو جاؤ۔ ذات باری تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے"۔

فقر و ایمان کی دولت سے بہرہ ور درویشوں کے دلوں میں اس خطبہ سے آگ بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ ہر قیمت پر پرچم حریت کو بلند رکھیں گے۔ ان کی تعداد کا اندازہ تقریباً دس ہزار تھا۔ جن میں صرف ڈیڑھ ہزار جوان بندوقوں سے مسلح تھے۔ سید صاحبؒ کی زیر ہدایت اس لشکر نے اس طرح نقل و حرکت شروع کی کہ برطانوی فوجیں ان پر حملہ آور ہونے کا کوئی موقعہ نہ پاتی تھیں۔ چار مہینے تک درویش برطانوی فوجوں کو طرح دیتے رہے۔ آخر ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو اریغو کے مقام

پر درویشوں اور انگریزی افواج میں مڈبھیڑ ہو گئی اور دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ برطانوی توپ خانہ اور دوسرے آٹو میٹک ہتھیاروں کے مقابلے میں درویش بڑی بے جگری سے لڑے۔ سارا دن اریغو کا میدان توپوں کی گرج اور بندوقوں کی آواز سے گونجتا رہا۔ درویش اللہ اکبر کے نعرے لگاتے اور اپنے نیزے ہوا میں ہلاتے بے باکانہ توپوں کے منہ میں گھس جاتے تھے۔ اور یا تو خود معبود حقیقی سے جا ملتے تھے یا توپچیوں کو جہنم واصل کر کے توپوں کو بے کار کر دیتے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار، گھوڑوں کے ہنہنانے اور اونٹوں کے بلبلانے سے ہر طرف شور محشر برپا تھا۔ شام تک انگریزی لشکر کے دانت کھٹے ہو گئے اور اس نے ان بے سرو سامان درویشوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے رات کی تاریکی میں راہ فرار اختیار کی۔

انگریزی لشکر کے بیسیوں افسر اور سینکڑوں سپاہی اس معرکہ میں کام آئے ہزیمت خوردہ برطانوی لشکر ایسا حواس باختہ ہوا کہ وہ اپنی پچھلی چوکیوں کا راستہ بھی بھول گیا۔ کئی دن تک جنگلوں کی خاک چھاننے کے بعد نہایت خستہ حالت میں وہ بہوال پہنچا جو ایک انگریزی چوکی تھی۔

(۱۰)

سومالی لینڈ کی سرزمین پر صلیب و ہلال کی تیسری آویزش

ارلیغو میں برطانوی فوجوں کی شکست کی خبر وحشت اثر انگلستان پہ

بجلی بن کر گری۔ سید صاحب کو آج تک وہ بہت کم اہمیت دیتے تھے۔ لیکن اب ان کی آنکھیں کھلیں کہ یہ سادہ اور غریب سی شخصیت تو ایک کوہ گراں ہے "شیر برطانیہ" نے انگڑائی لی ـــ اپنی قاہر طاقت کو جانچا ـــ اور تیسری مرتبہ پوری تندی اور تیزی کے ساتھ سومالی لینڈ پر جھپٹ پڑا۔ اب برطانوی افواج کی کمان کرنل سوین سے لے کر جنرل فیننگ کے سپرد کی گئی۔ جو ایک آزمودہ کار ماہر جنگ تھا۔ یہ یلغار بڑے اہتمام سے کی گئی۔ اٹلی اور حبش کی حکومتوں نے بھی اس "کار خیر" میں برطانیہ کا ہاتھ بٹانے کا وعدہ کیا۔ برطانوی افواج میں سکھوں، بیکانیریوں اور دوسرے ہندوستانی "جانبازوں" کی کئی کمپنیاں بھی شامل تھیں۔ یہ لشکر طوفان کی طرح سومالی لینڈ پر شمال، جنوب مشرق اور جنوب مغرب تین اطراف سے حملہ آور ہوا۔ سید صاحب اور ان کے درویش سومالی لینڈ کے جنوبی حصے میں گھر گئے۔ لیکن ان کی نقل و حرکت اور مرکز کا پتہ لگانے میں برطانوی فوج کے تینوں حصے ناکام رہے کبھی خبر ملتی تھی کہ سید صاحبؒ غلادی کے مقام پر ہیں۔ کبھی پتہ چلتا تھا کہ وہ دلوال کے مقام پر ہیں۔ غرض کبھی کچھ اور کبھی کچھ اطلاع ملتی تھی لیکن صحیح مقام کا تعین نہ ہوتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل راستوں کی پیچیدگی اور گھنی جھاڑیوں کی موجودگی تھی۔

بالآخر کرنل کوبے کے زیر کمان ایک لشکر نے جنوبی سمالی لینڈ میں درویشوں کے مرکز کا سراغ لگانے کے لئے پیشقدمی شروع کر دی۔ یہ لشکر ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء کو جب گمبرو کے مقام پر پہنچا تو یکایک اللہ اکبر کے

نعرے لگاتے ہوئے سینکڑوں درویش پیچھے سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ کرنل کو بے نے مرکز سے فوراً کمک طلب کی۔ لیکن پیشتر اس کے کہ یہ مدد پہنچے۔ درویش سارے لشکر کی تکا بوٹی کر چکے تھے جب امدادی فوج پہنچی تو سرفروش درویش اس پر بھی پل پڑے۔ اور یہ تمام فوج بھی باوجود اپنی اعلیٰ تربیت اور اسلحہ کے موت کے گھاٹ اتر گئی۔ دونوں برطانوی فوجوں کا سارا سامان درویشوں کے ہاتھ لگا۔ اور ان کی طاقت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی۔ جب اس شکست کی خبریں برطانوی ہیڈ کوارٹر میں پہنچیں تو شمالی فوج کو درویشوں کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم ملا۔ ۲۳ اپریل ۱۹۰۳ء کو "دار طلحہ" کے مقام پر درویشوں کی جانبازی اور سرفروشی کی بدولت برطانوی لشکر کو پھر نامرادی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور وہ رات کو پیچھے ہٹ آیا۔ ان شکستوں نے برطانوی فوجوں کی کمر توڑ دی۔ اور انہیں سید صاحب کے درویشوں سے خوف محسوس ہونے لگا۔ لیکن حکومت برطانیہ بے سروسامان درویشوں کی سے کب ہار ماننے والی تھی۔ اب اس نے ایک لشکر جرار میجر جنرل ایجرٹن کی زیر سرکردگی درویشوں کا قلع قمع کرنے کے لئے سومالی لینڈ روانہ کیا۔

(۱۱)

درویشوں اور برطانیہ کی چھٹی ٹکر

میجر جنرل ایجرٹن نے اب درویشوں سے نپٹنے کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے۔ اطالوی سومالی لینڈ کی بندرگاہ ادبیہ

اور برطانوی بندرگاہ بربرہ پر کثیر تعداد میں فوجیں اتاری گئیں۔ اور جنگی سامان، رسد اور اونٹوں وغیرہ کا خوب اہتمام کیا گیا۔ اس لشکر کو جگہ جگہ بے سرو سامان درویشوں کی بکھری ہوئی ٹولیوں سے لڑنا پڑا۔ جس سے اسے بے حد جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن آخر ایک بڑی جنگ میں انگریزی توپ خانہ کی بے پناہ آتش باری سے درویش اطالوی سومالی لینڈ کی مشرقی بندرگاہ ایلغ کی طرف پسپا ہو گئے۔ انگریزوں نے حکومت اٹلی سے اجازت لے کر جنگی جہازوں کے ذریعے ایلغ کے قریب اپنی فوجیں اتار دیں۔ اب سید صاحبؒ اور ان کے درویش سومالی لینڈ کے اندرونی حصے میں چلے گئے۔ انگریزی فوجیں بھی اب جنگ سے تنگ آ چکی تھیں۔ ان کے کئی بڑے بڑے افسر مارے جا چکے تھے۔ اور لاکھوں روپیہ روزانہ صرف ہو رہا تھا۔ انہوں نے سید صاحب سے مزید چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی۔ اور یوں برطانیہ کی اس چوتھی مہم کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۹۰۶ء کے آخر میں اطالوی سومالی لینڈ کی ایک دو سرکردہ شخصیتوں کی وساطت سے سید محمد بن عبد اللہ الحسنؒ اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے اندرون ملک کے قبائل کو آزاد اور خود مختار تسلیم کر لیا گیا۔ اور سومالی لینڈ کے باشندوں کو اسلحہ اور غلاموں کی تجارت کے سوا ہر قسم کی تجارت کی آزادی دے دی گئی۔ اور اندرون ملک کے تمام قبائل پر سید محمدؒ کا اقتدار تسلیم

کر لیا گیا۔

(۱۲)

برطانیہ کی عہد شکنی اور دوبارہ جنگ کا آغاز

یہ عارضی صلح تین سال تک رہی۔ اس دوران میں سید صاحبؒ کا اثر و رسوخ بے حد ترقی کر گیا۔ اور کئی قبائل جو پہلے برطانیہ کے وفادار تھے۔ سید صاحبؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

یہ تمام قبائل اطالوی اور برطانوی بندرگاہوں پر تجارت کرنے میں آزاد تھے۔ تجارت کی بدولت ان کی معاشی حالت میں تبدیلی ہونے لگی۔ اور وہ نسبتاً خوش حال نظر آنے لگے۔ برطانیہ کے کان پھر کھڑے ہوئے۔ وہ سید صاحبؒ اور ان کے قبائل کا در پردہ سخت دشمن تھا۔ اور پچھلی لڑائیوں کے انتقام کی آگ اس کے دل میں سلگ رہی تھی۔ وہ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے کب دیکھ سکتا تھا۔

چنانچہ ۱۹۰۸ء میں اس نے پھر سید صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ پہلے تو ان کے چند ساتھی بلا وجہ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر ان کی ایک تجارتی کشتی گرفتار کر لی گئی۔ سید صاحبؒ کو برطانیہ کی اس عہد شکنی سے سخت رنج ہوا۔ تاہم انہوں نے تحمل سے کام لیا۔ اور برطانوی ہائی کمشنر کے پاس پر امن طریق پر ان امور کے خلاف احتجاج کیا۔ لیکن جب فرعون

مزاج انگریز حاکم نے ان کے احتجاج کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا۔ تو سومالی لینڈ کے مجاہد اعظم کی شمشیر خارا شگاف پھر میان سے نکل آئی درویشوں کے جتھوں نے جگہ جگہ برطانوی چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ درویشوں کے مجاہدانہ حملوں سے برطانیہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ اب اس نے سومالی لینڈ کو ایک مصالحتی کمیشن روانہ کیا۔ اس کمیشن نے سومالی لینڈ پہنچتے ہی سید صاحبؒ کو ایک طویل خط لکھا۔ جس میں ان سے درخواست کی کہ متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ بذریعہ گفت و شنید کر لیا جائے۔

سید صاحبؒ جیسے سیدھے سادھے مرد مومن کو اس میں کیا عذر تھا۔ وہ جھٹ مان گئے۔ اور اپنے نمائندے گفت و شنید کے لئے انگریزی کمیشن کے پاس بھیج دئے۔ لیکن بڑی کوششوں کے باوجود یہ گفتگوئے مصالحت کامیاب نہ ہو سکی۔

اب برطانیہ نے درویشوں کے خوف سے سومالی لینڈ کی تمام برطانوی چوکیوں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ یہ ساری فوج بربیرہ کی بندرگاہ پر جمع ہو گئی اور سارا اندرون سومالی لینڈ برطانوی لشکر سے خالی ہو گیا۔ برطانیہ نے اب اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کر لی۔ اس نے اپنی مشہور چال "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ اس نے محض ساحلی علاقے پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جتنے قبائل تھے انہیں اپنا حلیف بنا لیا۔ برطانوی حکام کے اشارے سے یہ قبائل وقتاً فوقتاً

سید صاحبؒ کے علاقے پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ سید صاحبؒ اپنے گمراہ بھائیوں سے الجھنا تو نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حد سے زیادہ پریشان کیا۔ تو ۱۹۱۳ء میں انہوں نے اپنے درویشوں کو ان کی گوشمالی کی اجازت دے دی۔

مجاہد درویشوں نے برطانیہ کے تمام حلیف قبائل کو بیراء کے مقام پر شکست فاش دی۔ اور ان کے بہت سے مویشی چھین لئے۔ ان قبائل نے اب برطانیہ سے مدد مانگی۔ برطانیہ نے ایک طاقتور شتر سوار پلٹن سید صاحبؒ کے درویشوں کے مقابلے کے لئے بھیجی۔ جانباز درویشوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد اس پلٹن کو بری طرح شکست دی۔ وہ اپنا بے شمار مال و اسباب اور لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ درویشوں کے حوصلے اب بہت بڑھ گئے۔ انہوں نے برطانوی ہیڈ کوارٹر بیربرہ تک چھاپے مارنے شروع کر دئے۔ اب برطانیہ نے سومالی لینڈ پر ایک عظیم ترین عسکری یلغار کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن یکایک ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور اس نے اپنا تمام لشکر سوائے چند حفاظتی دستوں کے سومالی لینڈ سے واپس بلا لیا۔

۱۳

پہلی جنگ عظیم کے بعد

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں تو سید صاحبؒ اور برطانوی فوجوں

میں کوئی بڑا تصادم نہ ہوا۔ لیکن جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے کئی ہوائی طیاروں اور دوسرے جدید ترین آلات حرب و ضرب سے مسلح ہو کر ایک زبردست لشکر کے ساتھ سمالی لینڈ کے مجاہد درویشوں پر چڑھائی کر دی۔

۱۹۲۰ء کے آغاز میں برطانوی طیاروں نے پُر امن درویشوں پر ہولناک بمباری شروع کر دی۔ ان سیدھے سادے فقیر منش لوگوں نے کبھی ہوائی جہاز کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ وہ اس ناگہانی افتاد سے سخت پریشان ہوئے۔ لیکن ہمت نہ ہاری۔ اور اللہ کے بھروسے پر انہوں نے ہر جگہ بڑی پامردی کے ساتھ برطانوی فوجوں کا مقابلہ کیا۔

برطانیہ جنگ عظیم میں لڑی ہوئی آزمودہ کار فوجیں استعمال کر رہا تھا۔ اور پھر جنگ عظیم میں جو خوفناک آلات حرب و ضرب ایجاد ہوئے تھے۔ ان سب سے کام لے رہا تھا۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود حق پرست درویش جس بے جگری سے لڑے۔ اس کی داد دشمنوں اور دوستوں سب نے دی۔ ان کے بیسیوں گاؤں اور قلعے برطانوی طیاروں کی بمباری سے منہدم ہو گئے اور ان کے سینکڑوں بچے، بوڑھے عورتیں اور بیمار برطانوی استعمار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بالآخر وہ حبش کے سومالی لینڈ کی طرف پسپا ہو گئے۔

(۱۴)

مجاہد سیّد کا عزمِ جہاد

اتنی مصیبتیں سہنے اور اتنی مہیب طاقت کا سامنا کرنے کے باوجود سید صاحبؒ نے اپنے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہ آنے دی۔ یہ مردِ مومن صحیح معنوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یادگار تھا۔ سید صاحبؒ نے حبش کے صومالی لینڈ میں پہنچ کر پھر درویشوں کا تازہ دم لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ برطانوی حکومت بھی اب باوجود اپنی بے پناہ قوت کے درویشوں کے جذبۂ جہاد سے (جو جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا) خم کھاتی تھی۔ انہوں نے سید صاحبؒ کو امان کا پیغام بھیجا کہ اگر وہ اپنی سرگرمیاں ترک کر دیں تو برطانوی حکومت ان سے ہرگز کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گی۔ لیکن صومالی لینڈ کے مجاہدِ اعظم نے اس پیغام کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور پھر تو اپنی فوجیں جمع کرنے میں مصروف رہے۔

(۱۵)

غروبِ آفتاب

لیکن "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ"۔ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یکایک سید محمدؒ پر انفلوئنزا کا ایک شدید حملہ ہوا اور چند دن کی علالت کے بعد ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو یہ آفتابِ حریت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

سومالی لینڈ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور دشمنوں کے گھروں میں
کے چراغ جلائے گئے۔ اس مرد مجاہد کی رحلت کے ساتھ ہی اس جہاد بالسیف
کا خاتمہ ہو گیا جو متواتر بیس سال سے سامراجی طاقتوں کے خلاف جاری
تھا۔ لیکن سید محمدؒ نے آزادی کی جو شمع روشن کی تھی وہ سومالی لینڈ کے بہادر
عوام کے سینوں میں پوری آب و تاب سے فروزاں رہی اور وہ آزادی کے
لئے مردانہ وار جدوجہد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جدوجہد کو سید
محمدؒ کی رحلت کے چالیس سال بعد کامیابی کی منزل سے ہم کنار کر دیا۔
سومالی لینڈ اب سومالیہ کے نام سے ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ اور
عالم اسلام کے اتحاد کا علمبردار ہے۔